غامدیت،جدیدیت اور لبرل مسلم فکر کا ناقدانہ جایزہ

جلد اول

از

سید خالد جامعی

مرتب کردہ

وحید مراد

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

Karachi University Research forum

جامعہ کراچی دارألتحقیق برائے علم و دانش™
۲۔۹۔۲۰۱۷،عیسوی۔
غامدیت جدیدیت اور لبرل مسلم فکر کا ناقدانہ جایزہ۔©
جلد اول۔
از:سید خالد جامعی۔
مرتب کردہ:وحید مراد۔
پیشکش،سرورق وتعارف : ڈاکٹر محمد علی جنید۔
کلید:غامدیت،عمار ناصر،مسلم جدیدیت،پرویزیت،لبرلازم،سیکولرازم،الحاد
ذاہد راشدی،منکر حدیث،جامعہ کراچی دبستان فکر و فلسفہ، سید خالد جامعی،وحید مراد۔

www.facebook.com/kurf.ku

www.facebook.com/groups/kurfku

www.kurfku.blogspot.com

جامعہ کراچی دارألتحقیق برائے علم و دانش

Karachi University Research Forum

تعارف

یہ مجموعہ جو آپ حضرات کے ہاتھوں میں اس وقت موجود ہے درحقیقت وہ مجموعہ مقالات ہے جو سید خالد جامعی کی جدید تحریروں پر مشتمل ہے ، اور جس کو آن لاین ہفتہ وار وہ تحریر کرتے رہے ہیں ۔مذید براں یہ تحریریں ایل میل کے ذریعے فہرست میں موجود افراد کو آن لاین انکے ایڈریسِس کے ذرئیعے ارسال کی جاتی رہیں تھیں۔

ان تحریروں میں جو واضع کون ؟ کے نام سے شروع ہوئیں تھیں ،میں عمار ناصر کی جانب سے غامدی صاحب کے دفاع اور خالد جامعی پر اعتراضات کا محققانہ و ناقدانہ طور پر جدید سیاسی فلسفہ وسائینسی علمیت کی روشنی میں جایزہ لیا گیا ہے۔

بلاشبہ غامدیت کے نقد و تعاقب اور مغربیت کی حقیقت شناسی کے ضمن میں یہ عمدہ کاوش ہے،اگر چہ کچھ جگہوں پر قاری کو اختلاف علمی مصنف سے ممکن ہے مگر مصنف کے حسن نیت اور دفاع اسلام کے فریضہ و لگن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جناب وحید مراد صاحب اس ضمن میں مبارک باد کے مستحق ہیں کے انھونے ان کئی سو صفحات پر پھیلیں تحریروں کی تین جلدین تیار کردیں اس ضمن میں اللہ انکی محنت اور جامعی صاحب سے محبت قبول فرمائے۔

انشا اللہ عنقریب بقیہ جلدیں بھی آپ حضرات کی خدمت میں ادارہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کریگا۔

و آخر دعوانا الحمد اللہِ رب العلمین

ڈاکٹر محمد علی جنید

جاوید غامدی صاحب کے دفاع میں عمار ناصر صاحب کے اعتراضات کا جواب (حصہ اول)

برے سے برا آدمی بھی اگر کوئی گناہ کرتا ہے تو اسے چھپاتا ہے: جاوید غامدی

قابیل کی لاش چھپانے کی کوشش اسی احساس گناہ کے باعث تھی: جاوید غامدی

مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کا پابند ہے خلاف ورزی ضمیر کے ساتھ خیانت ہے: جاوید غامدی

غامدی صاحب نے عربی تفسیر اشراق اور تین زبانوں عربی اردو انگریزی میں شائع ہونے والی کتاب مقامات کیا احساس گناہ کی وجہ سے ہی چھپائیں تھیں؟

وضاع کون محترم عمار ناصر یا جناب غامدی صاحب

جناب عمار ناصر کے اعتراضات کا جائزہ

سیّد خالد جامعی

اس مضمون کی پہلی قسط میں ہم نے برادرم محترم مکرم و معظم جناب عمار ناصر صاحب سے دو سوالات غامدی صاحب کی دو کتابوں مقامات اور عربی تفسیر الاشراق کے بارے میں پوچھے تھے۔

مقامات طبع دوم ۲۰۰۶ء جو تین زبانوں عربی اردو انگریزی میں شائع کی گئی تھی لیکن ۲۰۰۷ء میں ساحل میں اس کتاب کے عربی انگریزی حصے کے مضمون اور شاعری میں سرقے اور صرف ونحو کی سینکڑوں اغلاط کی نشان دہی کے بعد غامدی صاحب نے یہ کتاب بازار سے اٹھالی ۲۰۰۸ء میں مقامات کے نام سے غامدی صاحب نے ایک نئی کتاب صرف اردو میں شائع کی اس کے سرورق پر اپنی تصویر بھی شائع کی اور کتاب کے اندر لکھا طبع اول ۲۰۰۸ء۔ کیا یہ دھوکہ جھوٹ فراڈ تھا یا نہیں۔

محترم عمار ناصر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا ہمارا دوسرا سوال غامدی صاحب کی عربی تفسیر الاشراق کے بارے میں تھا جس کا اشتہار اٹھارہ سال تک اشراق میں اور غامدی صاحب کے تمام کتابچوں میں شائع ہوتا رہا لیکن ۲۰۰۷ء میں ساحل کے شماروں میں غامدی صاحب کی عربی دانی کی حقیقت واضح ہونے کے بعد یہ اشتہار روک دیا گیا اور غامدی صاحب نے جعلی مقامات طبع اول ۲۰۰۸ء میں اپنی تصنیفات تالیفات اور زیر طبع مطبوعات زیر تسوید مسودات کی فہرست سے بھی عربی تفسیر کو خارج کر دیا ہم نے عمار صاحب سے صرف یہ پوچھا تھا کہ کیا یہ رویہ ایک داعی عالم مجتہد کے شایان شان ہے کیا عالم کو وضاع ہونا چاہیے کیا اسے صدق سے محروم رہنا چاہیے؟ بنیادی سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب نے مقامات طبع دوم ۲۰۰۶ء (عربی اردو انگریزی) اور عربی تفسیر الاشراق کیوں چھپائی۔ بازار سے کیوں اٹھائی کیا یہ گناہ عظیم تھا جسے چھپانا ضروری تھا؟ اس سلسلے میں ہم عمار صاحب کی خدمت میں غامدی صاحب کا ہی ایک نیا اصول ان کی کتاب میزان ۲۰۱۵ء سے پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو —— نیکی اور بدی کو الگ الگ پہچاننے کے لیے ایک حاسۂ اخلاقی بھی عطا فرمایا ہے۔ وہ محض ایک حیوانی اور عقلی وجود ہی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ایک اخلاقی وجود بھی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خیر و شر کا امتیاز اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی اس کے دل و دماغ میں الہام کر دیا گیا ہے۔ یہ امتیاز و احساس ایک عالم گیر حقیقت ہے۔ چنانچہ برے سے برا آدمی بھی گناہ کرتا ہے تو پہلے مرحلے میں اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دینے کے بعد اس کی لاش چھپانے کی کوشش کی تھی تو ظاہر ہے کہ احساس گناہ ہی کی وجہ سے کی تھی۔ [غامدی میزان طبع دہم، لاہور، المورد ۲۰۱۵ء، ص ۱۹۸]

غامدی صاحب کے اپنے اصول کے مطابق مقامات اور الاشراق کو چھپانے کا عمل قرآن کی رو سے گناہ ہے انسان اسی چیز کو چھپاتا ہے جو گناہ ہو یہ کام برے سے برا انسان بھی کرتا ہے لہٰذا غامدی صاحب جیسے اچھے انسان عالم دین، مجتہد اپنے دو گناہوں کو کیوں نہ چھپاتے لہٰذا غامدی صاحب کے اصول کے تحت ان کا یہ عمل عین فطرت اور عقل کے مطابق تھا مگر کیا ان کا یہ عمل قرآن کی نصوص کے بھی مطابق تھا اس سلسلے میں ہم غامدی صاحب کا ہی ایک اور اصول پیش کرتے ہیں وہ میزان میں لکھتے ہیں:

آدمی اگر اپنے اجتہاد یا گمان کے مطابق کسی چیز کو دین و شریعت کا تقاضا سمجھتا ہے تو اس سے قطع نظر کہ وہ فی الواقع شریعت کا حکم ہے یا نہیں، اس کی خلاف ورزی اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا [غامدی، میزان، طبع دہم، لاہور، المورد ۲۰۱۵ء ص ۳۶۶]

سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب نے اپنے اجتہادی اصول پر کیوں عمل نہیں کیا۔ غامدی صاحب کے لیے لازم تھا کہ وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتے اور اس امت سے معذرت طلب کرتے کہ انہوں نے مقامات اور الاشراق کے معاملے میں امت سے دانستہ جھوٹ بولا کیا جھوٹ بولنا غامدی صاحب کے مذہب میں کوئی جائز عمل ہے ہم اس کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔

غامدی صاحب میزان کے قانون دعوت میں ایک داعی، عالم، مجتہد کی شان صفات خصائص کمالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہ ان کے قول و عمل میں کسی پہلو سے کوئی تضاد نہ ہو۔ وہ جس چیز کے علم بردار بن کر اٹھیں سب سے پہلے خود اسے اپنائیں اور جس حق کی لوگوں کو دعوت دیں ان کا عمل بھی اسی کی شہادت دے۔ قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ یہ بے عمل واعظوں کا نہیں بلکہ ان ارباب عزیمت کا کام ہے۔ جو اپنی نصیحت کا مخاطب سب سے پہلے اپنے نفس کو بناتے اور پھر اسے مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ بالکل آخری درجے میں اس حق کو اختیار کرے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر واضح ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے علمائے یہود کو ملامت کرتے

ہوئے فرمایا ہے کہ تم دین وشریعت کے عالم ہو اور خوب جانتے ہو کہ عقل ونقل کی رو سے تم پر عمل کی ذمہ داری دوسروں کی نسبت کہیں زیادہ ہے لیکن تم پر افسوس ہے کہ عوام کو تو بڑے زوروں سے حقوق وفرائض ادا کرنے کی تلقین کرتے ہو مگر اپنے آپ کو بالکل بھول جاتے ہو۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (البقرہ) سوم یہ کہ حق کے معاملے میں وہ کبھی مداہنت سے کام نہ لیں۔ دین کی چھوٹی سے چھوٹی حقیقت بھی جو ان پر واضح ہو جائے اسے دل سے قبول کریں زبان سے اس کی گواہی دیں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا کیے بغیر اسے بے کم وکاست دنیا کے سامنے پیش کردیں۔ جو بات بھی ان سے پوچھی جائے اسے ہرگز نہ چھپائیں اور اس کو اسی طرح پیش کریں جس طرح کہ وہ فی الواقع ہے۔ [غامدی، میــزان، طبع دہم، لاہور، المورد، ص ۵۵۲] کیا غامدی صاحب یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ انھوں نے مقامات عربی اردو انگریزی اور عربی تفسیر الاشراق کیوں غائب کردی؟ اس بارے میں وہ بلا کم وکاست اپنا موقف دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟

اسی میزان کے باب اخلاقیات میں صدق کی اہمیت واضح کرتے ہوئے غامدی صاحب لکھتے ہیں:

چوتھی چیز صدق ہے۔ یہ قول وفعل اور ارادہ تینوں کی مطابقت اور استواری کی تعبیر کے لیے آتا ہے۔ آدمی کے منہ سے کوئی حرف صداقت کے خلاف نہ نکلے اس کے قول وفعل میں کوئی تضاد نہ ہو اور وہ اپنی ہر بات کو نباہ دے تو یہ زبان اور عمل کی سچائی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ نیت اور ارادے کی سچائی بھی لازماً شامل ہونی چاہیے۔ قرآن نے اس کے ضد کردار کو نفاق اور اسے اخلاص سے تعبیر کیا ہے، پھر جگہ جگہ وضاحت فرمائی ہے کہ خدا کے نزدیک عمل کا اصلی پیکر وہی ہے جو کارگاہ قلب میں تیار کیا جائے۔ لہٰذا صدق کا درجۂ کمال قول وفعل اور ارادے کی اسی مطابقت سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں **صدقوا ما عاهدو الله عليه** (اللہ سے جو عہد انھوں نے باندھا اسے پورا کردکھایا) کے الفاظ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔ یعنی زبان کا حرف دل کا ارادہ اور عمل کی ہر جنبش حق وصداقت کا مظہر بن جائے۔ [غامدی میــــزان طبع دہم ۲۰۱۵ء ص ۲۴۶] بنیادی سوال یہ ہے کہ یہ تمام اصول جو غامدی صاحب نے ایک عام مسلمان ایک عالم مجتہد کے لیے میــــــزان میں بیان کیے ہیں ان کا اطلاق غامدی صاحب پر ہوتا ہے۔ یا نہیں۔ میرے محترم مکرم عمار ناصر صاحب مجھے صرف یہ بتادیجیے کہ وضاع کذاب کون ہے میرے محترم مکرم معظم برادرم مجتہد غامدی صاحب یا کوئی اور؟ کیا ایسے وضاع سے دین حاصل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جو لوگ وضاع کے بارے میں خاموش رہتے ہیں ان کی حمایت کرتے ہیں ان کی موانست سے دستبردار نہیں ہوتے ان سب کے لیے کیا حکم ہے؟ امید ہے آپ جلد جواب مرحمت فرمائیں گے۔

میرے مکرم ومحترم برادرم عمار ناصر صاحب، حسن الیاس صاحب احمد بنوری وحضرت والا غامدی صاحب کے بارے میں چند اہم گزارشات معروضات سوالات

استدلال کے مشکل پراسس سے غامدی صاحب نے ۱۹۹۸ء میں نتیجہ نکالا کہ عورت کی ختنہ سنت ہے ۲۰۰۸ء میں اس پراسس سے نتیجہ نکالا یہ سنت نہیں ہے جنھوں نے ختنہ کرالی ان کا کیا ہوگا عورت کا بظر تو واپس نہیں آسکتا ان کے لیے نتیجہ غیر اہم ہے پراسس اہم ہے مگر ایک عورت مسلمان کے لیے تحقیق کا نتیجہ دین سنت عمل اہم ہے اس کا کیا کیا جائے؟

شرح شواہد الفراہی اور آیۃ بسم اللہ کی تفسیر نے ثابت کر دیا کہ غامدی صاحب عربی زبان پر عبور نہیں رکھتے لہٰذا وہ امت کی رہنمائی اور شریعت وفقہ پر اعتراضات صرف عربی قواعد کی بنیاد پر کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

سید خالد جامعی

برادر محترم ومکرم ومعظم جناب حضرت متین شاہ صاحب مدظلہ العالیٰ

آپ کے اظہار ندامت سے مجھے شدید ندامت ہو رہی ہے آپ تو میرے محسن ہیں میرے ناقد ہیں میرے اصل خیر خواہ ہیں مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی آپ کی وجہ سے اپنے باطن میں جھانکنے کا اور اصلاح کا موقع ملا۔

میں تو آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ سے محبت کے باعث ہی مجھے اس قدر توجہ کے قابل سمجھا۔ اپنے قیمتی وقت میں سے اس ناکارہ کے نقد کے لیے وقت نکالا۔

غامدی صاحب پر میری تحریروں کے بارے میں آپ نے جو تاثرات ان کے حلقے کے بیان کیے ہیں کیا وہ تاثرات مجھے آپ ارسال کر سکتے ہیں کیوں کہ میں فیس بک نہیں دیکھتا۔ جو کچھ غامدی صاحب کے بارے میں راقم نے چھیالیس قسطوں میں لکھا ہے کیا آپ نے اسے دیکھ لیا اس میں آپ کو کیا غلط محسوس ہوا میری رہنمائی رہبری دستگیری فرمایئے میں اپنی اصلاح کروں گا۔

عمار ناصر صاحب نے تو ایک قسط کا جواب نہیں دیا صرف ایک شعر لکھا وہ بھی اعتراف شکست کا وہ لغزش کا اعتراف کر رہے ہیں آپ کہہ رہے ہیں کہ حلقے کے تحفظات ہیں۔ ان کا شعر پڑھئے

یوں زندگی کی راہ پر چلنا پڑا ہمیں — لغزش ہوئی کسی سے سنبھلنا پڑا ہمیں

لیکن سنبھلنے کے بجائے حضرت والا بگڑ گئے اور اتنے بگڑے کہ دوسرا شعر علامہ اقبال کا لکھا تو وہ گالیوں اور تکفیر پر مشتمل تھا کسی ناقد کو ہندو، عیسائی، یہودی اور یہودیوں سے بدتر لکھنا مباحثہ اور مکالمہ کی روایت ہے اگر غامدی صاحب کے حلقے کی بات صحیح طور پر پیش نہیں کی جا رہی تو وہ تحریری طور پر مطلع کریں یا زبانی بات چیت کر لیں۔ آپ ثالث کا فریضہ انجام دیں مجھے کیا اعتراض ہے راقم نے فکر غامدی کی اندرونی تنقید کی ہے ان کے اصول ان کے حوالے ان کے دلائل اور ان میں موجود تناقضات تضادات کو واضح کر دیا گیا ہے۔ انداز بیان نہات نرم، شائستہ اصلاحی دعوتی اختیار کیا گیا ہے خارجی تنقید اور خارجی اصولوں پر ان کو پرکھنے کے بجائے صرف اور صرف داخلی تنقید کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ تا کہ ان کے اصول جو ان کے لیے حجت قاطع ہیں انہی کی روشنی میں ان کے فکر کو غلط ثابت کر دیا جائے کہ ان کا فکر ان کے اپنے معیارات پر بھی پورا نہیں اترتا۔

آپ میری رہنمائی فرمایئے کہ میں ان کے شکوک کے ازالے کے لیے کیا لکھوں انہوں نے جن شکوک کا اظہار آپ سے کیا ہے اگر اس کی ایک مختصر فہرست مجھے آپ کے وسیلے ذریعے سے میسر ہو سکے تو میں ذاتی طور پر ممنون احسان رہوں گا کئی سالوں سے غامدی صاحب کے حلقے کے مفکرین نے فیس بک کو اسلام پر تنقید کے لیے یرغمال بنایا ہوا ہے اور مکالمے مباحثے کے نام پر اسلامی علمیت کی ہر روایت ہر قدر ہر اصول کو صرف اور صرف عقلی منطقی دلائل سے زیر و زبر، منہدم اور تہہ تیغ کیا جا رہا تھا جب راقم نے اس جال کو توڑنے کے لیے عقل، منطق کی تیار کردہ غامدی میزان کے تحت لکھنا شروع کیا تو تحفظات کی چادر اپنے اوپر ڈال کر کنارہ کشی اختیار کر لی گئی۔

آپ کا عمار ناصر صاحب سے براہِ راست تعلق ہے مجھے بتایئے کہ کس اخلاقیات کے تحت عمار ناصر صاحب نے راقم کے بارے میں اقبال کا شعر لکھا

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ وہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اسے ہندو عیسائی یہودی اور یہودیوں سے بدتر قرار دیا کیا یہ تکفیر تضحیک توہین تذلیل نہیں ہے غامدی صاحب کے اخلاقیات کے سبق اب کہاں رہ گئے؟ محترم حسن الیاس صاحب جو غامدی صاحب کے داماد ہیں راقم سے بہت قریبی تعلق رکھتے ہیں جس زمانے میں محترم جامعۃ الرشید کے طالب علم تھے راقم کے پاس تشریف لاتے رہے کئی کئی گھنٹے بیٹھے راقم کے ساتھ نہایت قریبی تعلق رکھا مولانا طاسین اور مولانا یوسف بنوری صاحب کی وجہ سے راقم ان کا حد درجہ اکرام اور احترام کرتا تھا ان کے ساتھ اکثر احمد بنوری صاحب بھی راقم کے پاس تشریف لاتے تھے لیکن حسن الیاس صاحب نے اس زمانے میں بھی کبھی غامدی صاحب کے افکار و نظریات کے بارے میں کبھی کوئی بحث

گفتگومباحثہ تبادلہ خیالات نہیں کیا۔

راقم کا طریقہ کار یا اسلوب یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص اس سے کسی موضوع پر گفتگو نہ کرے وہ اس موضوع کو چھیڑنا پسند نہیں کرتا لہٰذا راقم نے کبھی غامدی صاحب کے حوالے سے خود کوئی گفتگو جناب حسن الیاس صاحب سے شروع نہیں کی۔صرف پہلی اور آخری مرتبہ ایک گفتگوان کے نکاح سے پہلے ہوئی۔

حسن الیاس صاحب اس وقت تک ساحل کے تمام شمارے پڑھ چکے تھے انہوں نے کبھی ایک مرتبہ بھی ساحل کے شماروں پر کوئی تنقیدی اعتراض،سوال نہیں اٹھایا۔ان دنوں راقم جامعۃ الرشید کے تخصص کے علماء کوفکر مغرب سے متعارف کرارہا تھا مفتی ابوالبابہ صاحب نے خاص طور پرحسن الیاس صاحب پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ وہ راقم کے لانے لے جانے کا انتظام کریں ان کی محبت تھی وہ ایک سال تک اپنی گاڑی میں جامعۃ الرشید سے تشریف لاتے اور راقم کو لے جاتے رہے میں ان کے اس الطاف عنایت کرم کا ہمیشہ ممنون رہوں گا وہ بہت نستعلیق نفیس اچھے فرد ہیں وہ صرف یہ کہتے تھے کہ دیکھیے خالد صاحب آپ نے تو غامدی صاحب کو مکمل پڑھا ہے ان کو پڑھ کر سمجھ کر تنقید کی ہے لیکن جامعۃ الرشید کے علماء اور دیگر مدارس کے علماء نے غامدی صاحب کو پڑھا ہی نہیں وہ بس ان کی اندھی مخالفت کرتے ہیں یہ بات کسی حد تک درست تھی مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ جس آدمی نے غامدی صاحب کو پوری طرح پڑھا ہوا تھا اس آدمی سے میرے محترم حسن الیاس صاحب نے کبھی غامدی صاحب کے افکار پر بحث یا مباحثہ نہیں کیا۔اس تامل،تساہل،تغافل،کا سبب صرف یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ غامدی صاحب پر ایمان لا چکے تھے اور دلیل سے اپنے ایمان کو تبدیل ہوتا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔یہ کس طرح کا ایمان ہے جس کی بنیاد ہی دلیل ہے جو دلیل کی بنیاد پر ہی امت کے اجماعی دین کو رد کر کے غامدی صاحب کے انفرادی دین کو قبول کرتا ہے مگر جو دلیل کی بنیاد پر اپنا نیا ایمان تبدیل کرنا پسند نہیں کرتا۔

غامدی صاحب کا پورا مکتب فکر دلیل پر کھڑا ہے مقامات میں مضمون اجتہاد میں لکھتے ہیں امجتہد مسلم صحابی تابعی یا کافر ہو یہ غیر اہم بات ہے صرف اس کی دلیل دیکھی جائے گی کہ علم وعقل کے مسلمات کے مطابق ہے یا نہیں جس کی دلیل مضبوط ہوگی وہ قبول کی جائے گی۔غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۵۵ برہان میں لکھتے ہیں قاضی عقل بالصراحت اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیتا ہے برہان ۲۰۱۳ء ص ۵۵۔ مقامات میں لکھتے ہیں ایمان بالغیب کے معنی ہیں وہ حقائق جو آنکھوں سے نہیں دیکھے جاسکتے انہیں انسان محض عقلی دلائل کی بنیاد پر مان لے مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۱۳

سارا دین عقل پر مبنی ہے دین عقل سے ماوراعقل کو کوئی ہدایت نہیں دیتا: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۳۰۰ میزان کے باب خورونوش میں فرماتے ہیں سور، خون، مردار، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ ان چار چیزوں کے حرام ہونے کا فیصلہ انسان اپنی فطرت عقل سے نہیں کرسکتا اس لیے اللہ نے ان کو صراحتاً قرآن میں حرام کیا اس کے سوا کچھ حرام نہیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۳۰

جب معاملہ دلیل سے اٹھ کر صرف اور صرف غامدی صاحب پر لائے ہوئے ایمان پر چلا جائے تو بحث ومباحثہ سوال و جواب کا دروازہ خود ہی بند ہوجاتا ہے یہ دروازہ حسن الیاس صاحب نے خود بند کیا تھا حالانکہ مفتی ابوالبابہ صاحب نے ان کی ذمہ داری راقم کے ساتھ دانستہ اسی لیے لگائی تھی کہ ان کے سوالات، شبہات، اعتراضات، اشکالات کا جواب دیا جائے غامدی صاحب سے بلا وجہ کی مرعوبیت مغلوبیت کی بنیادیں تلاش کر کے ان کو جدید مغربی فلسفے، اسلامک ماڈرن ازم اور اسلامک سیکولرازم کی فکری بنیادوں سے واقف کرایا جائے مگر حضرت والا حسن الیاس صاحب نے ہمیں کبھی اپنی خدمت کا موقع ہی نہیں دیا وہ غامدی صاحب کی شخصیت، گفتگو، دلائل کے سحر میں مبتلا تھے اور مسحور شخص دلیل کی بات نہیں سن سکتا لیکن وہ نہایت نفیس شخص تھے لہٰذا انہوں نے راقم سے تعلقات نبھانے کے لیے ایک اختلافی موضوع کو کبھی بحث نہیں بنایا وہ بہت ذہین، نیک متقی فرد تھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ان کی دین داری اور تقویٰ کے باعث ان کو یقیناً راہ ہدایت پر لے آئے گا غامدی صاحب کے حلقے میں سب سے نیک انسان تقویٰ کا نمونہ حسن الیاس صاحب ہی ہیں۔ ایک مرتبہ راقم نے غامدی صاحب کی کتاب مقامات کا عربی اردو انگریزی غائب شدہ ایڈیشن ۲۰۰۶ء احمد بنوری صاحب اور حسن الیاس صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا جو غامدی صاحب کی پیشہ ورانہ دیانت داری کا ایک مثالی معیاری عالی نمونہ تھا اس کی کچھ تفصیل سمیع اللہ سعدی کے نام خط میں بھی بیان کی گئی ہے اس ایڈیشن کو دیکھ لینے کے باوجود کہ غامدی صاحب نے یہ اشاعت غائب کرادی اور مقامات کے نام سے نئی کتاب صرف اردو میں طبع اول کے عنوان سے ۲۰۰۸ء میں از سر نو شائع کرائی کسی قسم کے تاثر کا اظہار نہیں کیا احمد بنوری صاحب کے دیوان خانے Drawing Room میں جب یہ کتاب دونوں حضرات کے سپرد کی گئی ان کا کوئی ردعمل نہیں تھا چہرے سپاٹ تھے جس کے باعث راقم کو یقین ہوگیا کہ یہ دونوں محترم حضرات غامدی صاحب پر ایمان لا چکے ہیں ایک ایمان کی جگہ دوسرا ایمان ہی لے سکتا ہے ایمان کے بعد کوئی دلیل کارآمد نہیں رہتی دونوں حضرات کے تاثرات سے واضح تھا کہ وہ غامدی صاحب پر کوئی تنقید دلیل کے پیرائے میں بھی سننا پسند نہیں فرمائیں گے۔ لہٰذا راقم نے دونوں حضرات سے تعلقات تو رکھے مگر تعلق خاطر کے باعث کبھی غامدی صاحب کو دانستہ یا نادانستہ طور پر بحث کا موضوع ہی نہیں بنایا۔

انہی دنوں ایک مرتبہ رمضان میں عصر کے بعد یہ حضرات تشریف لائے راقم تصنیف وتسوید میں مصروف تھا میزان سامنے رکھی تھی پوچھا یہ کیا ہورہا ہے عرض کیا میزان کی تنقید لکھی جارہی ہے مکمل ہوگئی ہے دونوں نے کہا ہم اسے پڑھنا چاہیں گے راقم نے عرض کیا طباعت کے بعد آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی طباعت سے پہلے نہیں احمد نبوری صاحب نے بعد میں بھی اصرار کیا کہ اپنی تنقید ہمیں پڑھائیں لیکن طباعت سے پہلے تنقید انھیں پیش کرنے سے مصلحتاً راقم نے گریز کیا اب جب راقم کی تنقید شائع ہورہی ہے تو دونوں حضرات نے کسی قسم کا رابطہ کیا نہ ردعمل کا اظہار کیا بعض مشترکہ احباب نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تو وہی جواب تھا جو غامدی صاحب نے اپریل مئی جون ساحل ۲۰۰۷ء کے جواب میں دیا تھا آپ اپنا کام کریں ہم اپنا کام کررہے ہیں فیصلہ تاریخ یا عوام کریں گے۔

حالانکہ اس سے پہلے غامدی صاحب پر جب بھی جہاں بھی کسی نے بھی تنقید کی غامدی صاحب عمار ناصر حسن الیاس ساجد حمید خورشید ندیم صاحبان نے اوران کے مکتب فکر کے ادنیٰ سے ادنیٰ کارکنان قلم کاروں نے مشترکہ طور پر اس کا فیصلہ تاریخ عوام پر چھوڑنے کے بجائے خود ہی کردیا قصۂ زمین برسرِ زمین لیکن راقم کے معاملے میں ان کا رویہ شکوک کا مخفی اظہار رہی ہے۔ یہ اظہار بھی صرف آپ تک محدود ہے۔

غامدی صاحب سے غامدی صاحب کے حلقے سے، ڈاکٹر عرفان شہزاد صاحب، معزامجد صاحب، شہزاد سلیم صاحب، حسن الیاس صاحب، عمار ناصر صاحب، رفیع مفتی صاحب ودیگر حضرات سے راقم کا سیدھا سادہ سوال صرف یہ ہے کہ جو صاحب ۲۰۰۶ء میں اور ۱۹۹۸ء میں غلط سلط عربی لکھنے پر قادر نہ تھے جو شرح و شواهد الفراهی اور آیت بسم اللّٰہ کی تفسیر میں ایسی مغلق، مجہول، بے ربط ژولیدہ عربی لکھنے کے ماہر ہیں امت کے فقہاء علماء پر ان کی تنقید کیسے قبول کی جائے ان کے تمام اعتراضات فقہ اور فقہاء ومفسرین پر صرف اور صرف عربیت صرف ونحو کی بنیاد پر ہیں لہٰذا لغوی نحوی لفظی لسانی اعتراضات کرنے والے حضرت کو ثابت کرنا ہوگا کہ وہ حضرت عمر یا امام شافعی جیسی عربی لکھنے بولنے پڑھنے سمجھنے پر قادر ہیں یا نہیں غامدی صاحب کی دونوں عربی تحریریں ردی میں پھینکنے کے قابل ہیں یا نہیں آپ کا جواب کیا ہے میں صرف اس کا منتظر ہوں۔ اسی سے غامدی صاحب کے حلقے کے تحفظات کا اندازہ ہوجائے گا۔

محترم حسن الیاس اور عمار ناصر صاحب نے مشترکہ طور پر غامدی صاحب کے مداحوں کے نام راقم کی تحریروں سے پھیلنے والی بے اطمینانی اور اضطراب کو رفع کرنے کے لیے ۱۰ ستمبر ۲۰۱۶ء کو جو مشترکہ خط جاری کیا ہے اس کو پڑھ لیجیے لکھتے ہیں اصل چیز استدلال کا مشکل پروسس ہے جس سے گزر کر کوئی نتیجہ سامنے آتا ہے لیکن فکر کے موجد (غامدی صاحب) کے نزدیک نتیجہ کبھی اہم نہیں ہوتا ممکن ہے کل

(غامدی صاحب) وہ اسی پروسس سے کسی دوسرے نتیجے تک پہنچ جائیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ مکتب غامدی میں طرز استدلال اہم ہے اس استدلال سے نکلنے والا نتیجہ غیر اہم ہے۔ کیونکہ نتیجہ بدلتا رہتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طریقہ علمی میں طریقہ بھی متغیر ہے اور نتیجہ بھی مطلق متغیر ہے اور اس طریقے و نتیجے سے وہ مطلق دین کے مطلق اصول اور اعمال تخلیق کر رہے ہیں یہ اصول ہی متناقض Oxymoron ہے وضاع سلسلے کی قسط نمبر ۴۲ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی مثلاً یہ دیکھیے کہ پروسس اور پروسس سے نکلنے والے نتیجے کی ایک مثال

غامدی صاحب نے استدلال کے مشکل علمی تحقیقی پروسس سے ۱۹۹۸ء میں ایک نتیجہ نکالا کہ عورت کی ختنہ سنت ہے اس سنت کے تحت غامدی صاحب کی مقلدین عورتوں نے کراچی میں ختنہ کرالی ۲۰۰۸ء میں حضرت نے استدلال کے مشکل پروسس سے یہ نتیجہ نکالا کہ صرف مرد کی ختنہ سنت ہے اب جو عورت سنت پر عمل کر چکی آپ کے غیر اہم نتیجے کو اہم سمجھ کر اپنے ایک عضو سے محروم ہو گئی اس کا بطراب کیسے واپس ہو سکتا ہے؟ غامدی صاحب کے لیے نتیجہ اہم نہیں ہے پر اسس اہم ہے لیکن ایک مسلمان پر سنت یعنی دین پر عمل کرنے کے لیے نتیجہ اہم ترین ہے غامدی صاحب اور حسن الیاس صاحب نے تحقیق، تخلیق، تاویل، تفسیر نو کے پردوں میں عقلی منطقی موشگافیوں کے ذریعے دین کو کھیل تماشہ بنا دیا ہے۔

میں ایک مرتبہ پھر آپ کی محبت عنایت کا بار بار شکر گزار ہوں آپ جیسے لوگ میرا اثاثہ آپ کا نقد میری روح اور باطن کی اصلاح کا حقیقی ذریعہ ہے اس تنقید میں کبھی تامل تساہل تغافل نہ کیجیے و تواصو بالالحق و تواصوابالصبر آپ کا دینی فریضہ ہے آپ کی دعاؤں شفقت محبت عنایت کا محتاج آپ کا اپنا

خاکسار خالد جامعی

☆

غامدی صاحب کی تاریخی تحقیقات بھی متضاد ومتناقض Oxymoron ہیں

غامدی صاحب کی عربی کا وہی حال ہے جو ان کے دینی افکار کا ہے

غامدی صاحب عربی نہیں جانتے حسن الیاس صاحب اور عمار ناصر صاحب کی عربی بہر حال غامدی صاحب سے بہت بہتر ہے

حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے اسماعیل تھے: غامدی البیان جلد دوم ص ۶۵

حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے اور تھے مدیان: غامدی البیان جلد دوم ص ۱۸۵

ایک ہی کتاب میں دو متضاد بیانات یہ ہے تحقیق

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

میرے محترم جاوید غامدی صاحب عربی زبان پر عبور ہی نہیں رکھتے ان کی غلط سلط عربی عبارات کا کراچی کے ماہنامہ 'ساحل' نے اپریل ۲۰۰۷ء میں تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ جس کے بعد غامدی صاحب نے اپنی کتاب مقامات طبع دوم ۲۰۰۶ء بازار سے غائب کرادی جس میں چھبیس صفحات پر مشتمل یہ غلط سلط عربی تحریر شائع کی گئی تھی۔

اسی کتاب مقامات میں غامدی صاحب کی لولی لنگڑی انگریزی میں چار نظمیں بھی شامل تھیں جو انگریزی کے بڑے شعراء کے مصرعوں کا سرقہ تھیں عربی اردو انگریزی میں شائع کردہ یہ سہ لسانی کتاب اب صرف ہمارے پاس محفوظ ہے کتاب غائب کرانے کے بعد مقامات کی اشاعت ۲۰۰۸ء میں منظر عام پر آئی تو اس میں سے عربی انگریزی حصے غائب کر دیے گئے کتاب صرف اردو میں طبع کی گئی۔ اس پر دھوکہ دینے کے لیے لکھا گیا طبع اول اور سن اشاعت ۲۰۰۸ء جبکہ یہ کتاب ۲۰۰۶ء میں دوسری مرتبہ طبع ہو چکی تھی۔

۲۰۰۸ء میں مقامات طبع اول آئی تو اس پر غامدی صاحب کی تصویر تھی اور کتاب کا حجم [size] بھی چھوٹا یہ کتاب صرف اردو میں تھی عربی انگریزی حصے غائب ہو گئے اور دیباچہ بھی بدل گیا اب دیباچہ کی عبارت یہ ہے یہ متفرق تحریروں کا مجموعہ ہے میں نے اسے تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے [غامدی دیباچہ مقامات طبع اول ۲۰۰۸ء ص نمبر ندارد] پہلے دیباچہ تین زبانوں میں تھا اب صرف تین حصوں میں تبدیل ہو گیا۔ دین پیش کرنے والوں کو کم از کم اتنا دیانت دار تو نہیں ہونا چاہیے۔ حالانکہ مقامات ۲۰۰۶ء کے دیباچے میں غامدی صاحب

نے بڑی شان سے لکھا تھا یہ اردو انگریزی اور عربی زبان میں چند نا تمام تصنیفات اور چند متفرق تحریروں کا مجموعہ ہے [غامدی مقامات لاہور المورد طبع دوم ۲۰۰۶ء ص ندارد دیباچہ] غامدی صاحب نے آیت بسم اللہ کی عربی تفسیر لکھی تو وہ بھی اغلاط، تسامحات کا دفتر تھی چھ صفحات پر مشتمل یہ غلط سلط عربی تحریر راقم نے ستمبر ۲۰۱۶ء میں شائع کی تو علماء حیران رہ گئے اور خود غامدی صاحب کے داماد حسن الیاس بھی پریشان ہو گئے جن کی عربی غامدی صاحب سے بدرجہا بہتر ہے کاش کہ غامدی صاحب اپنے داماد سے عربی سیکھ لیتے یا کم از کم عمار ناصر صاحب سے عربی تحریروں کی اصلاح کرا لیتے عمار صاحب کی عربی بھی غامدی صاحب سے لاکھ درجے بہتر ہے واضح رہے کہ یہ عربی تحریر غامدی صاحب نے راقم کو ۱۹۹۸ء میں خود شکیل الرحمان سنو وہائٹ والے کے گھر پر پیش کی تھی ۱۹۹۸ء میں ان کی عربی دانی کا یہ عالم تھا کہ وہ فصیح بلیغ تو کیا قابل قبول سلیس درست عربی لکھنے پر بھی قادر نہ تھے۔

مسئلہ صرف ان کی عربی استعداد کا نہیں ان کی تاریخی تحقیقات کا حال بھی یہی ہے مثلاً حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے بارے میں ان کی متناقض Oxymoron تحقیق پڑھیے:

<u>حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے صرف حضرت اسمٰعیلؑ تھے: غامدی</u>

حضرت ابراہیم کا اکلوتا بیٹا (حضرت اسمٰعیل) تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو انہوں نے قربان کر دیا تو اللہ نے قسم کھائی کہ میں برکت دوں گا: غامدی البیان جلد دوم لاہور المورد طبع اول ۲۰۱۴ء ص ۶۵

<u>حضرت ابراہیم کے ایک اور بیٹے مدیان تھے: غامدی</u>

مدین۔ یہ بستی حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے مدیان کے نام پر مدین کہلاتی تھی جو ان کی تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے: غامدی البیان جلد دوم ص ۱۸۵، محولہ بالا

<u>حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام اسحاق تھا: غامدی</u>

غامدی صاحب نے اپنی کئی تقاریر میں۔ اشراق میں اور کتابچوں میں حضرت اسحاقؑ کو بھی حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا لکھا ہے ایک آڈیو گفتگو میں انہوں نے بتایا ہے کہ ان کے علمی رہنما حمید الدین فراہی کا مشہور رسالہ ہے ذبیح کون؟ جس میں اسمٰعیل اور اسحاق کے ذبیح

ہونے پر بحث کی گئی ہے؛

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے تھے ایک غلط بیان ہے ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل اکلوتے بیٹے نہیں تھے اس کذب بیانی سے علم تاریخ سے غامدی صاحب کی ناواقفیت واضح ہوجاتی ہے جو صاحب اپنے انبیاء کی اولاد سے، خاندان سے، تاریخ سے اس درجہ ناواقف ہیں کیا وہ صاحب اس امت کی اجماعی علمیت کو رد کرکے اپنا نیا تصور دین پیش کرنے کے اہل بھی ہیں یا نہیں؟

<u>ایک سوال کے تین مختلف جواب دینے والا معتبر نہیں: غامدی</u>

ممکن ہے کچھ لوگ اعتراض کریں کہ اگر غامدی صاحب نے ایک سوال کے تین مختلف جواب دیے تو اس سے ان کی علمیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ہمارے خیال میں یہ اعتراض ٹھیک نہیں کیوں کہ غامدی صاحب نے امام زہری کی روایات اس بنیاد پر مسترد کردی تھیں کہ وہ ایک ہی سوال کے تین مختلف اور متضاد Oxymoron جواب دیتے تھے ایسا راوی معتبر نہیں : غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۱۔۳۲۔

لہٰذا غامدی صاحب کے اسی اصول کی روشنی میں وہ بھی ایک ناقابل اعتبار راوی ہیں۔

<u>مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کا پابند ہے: غامدی</u>

اگر ایک راوی کی چند روایتیں اس بنیاد پر قبول نہیں کی جاسکتیں تو ایک شخص سے پورے کا پورا دین کیسے قبول کیا جاسکتا ہے یہ استرداد غامدی صاحب کے اصول کی بنیاد پر کیا گیا ہے کہ راوی معتبر نہ ہو تو اس کی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہے۔ غامدی صاحب کا یہ اصول خود ان کے لیے حجت ہے کیوں کہ وہ میزان میں لکھ چکے ہیں کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کا پابند ہے۔ اس سے انحراف اللہ کے نزدیک خیانت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۶

کیا ایک خیانت کرنے والے سے دین لیا جاسکتا ہے؟ میں غامدی صاحب کو خائن نہیں کہہ سکتا یہ ان کے اصول کا اعلان ہے میرا موقف ہرگز نہیں۔ میں تو امید رکھتا ہوں کہ ایک دن وہ صراط مستقیم پر پلٹ آئیں گے۔

☆

ڈاکٹر ممتاز احمد خان کی کتاب میں نیا انکشاف

غامدی صاحب ۷۵ء میں نبوت کے منصب پر فائز تھے

وضاع کون محترم عمار ناصر یا جناب غامدی صاحب

جناب عمار ناصر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ

سیّد خالد جامعی

ہمارے محترم دوست اور نہایت ہونہار رفیق جناب حسن الیاس صاحب جواب محترم غامدی صاحب کے داماد بھی ہیں ان کی خدمت میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے نائب صدر ڈاکٹر ممتاز احمد خان صاحب نے اپنی کتاب دینی مدارس روایت اور تجدید ۲۰۱۲ء میں تحفتاً پیش کی یہ کتاب محترم حسن الیاس کے توسط سے ہمیں مطالعے کے لیے ملی تو اس میں غامدی صاحب کا ایک انٹرویو موجود تھا جو ۱۹۷۵ء میں دیا گیا تھا۔

اس انٹرویو میں غامدی صاحب نے خود اعتراف کیا کہ وہ اس وقت جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں اور جماعت کے فکر سے اور مولانا مودودی کے تصور دین کو درست سمجھتے ہیں۔ جبکہ مقامات میں غامدی صاحب نے اس سے بالکل مختلف نقطۂ نظر اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ۱۹۷۳ء امین احسن اصلاحی سے ملاقات کے بعد میری طالب علمی کا دوسرا دور شروع ہوا یہ ۱۹۷۳ء کی ایک شام تھی اس کے بعد یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا۔ [غامدی مقامات طبع سوم ۲۰۱۴ء ص ۲۷] مولانا اصلاحی نے فرمایا میرے طریقے سے پڑھنا چاہتے ہو تو لیڈری کے خیالات ذہن سے نکال کر گوشہ گیر ہونا پڑے گا۔ [مقامات محولہ بالا ص ۲۷]

اصلاحی صاحب سے اس تعلق کے قیام کی کیفیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

میں نے امین احسن کو سب سے پہلے ۱۹۷۳ء میں دیکھا اور پھر کسی اور طرف نہیں دیکھا میرے لیے اس وقت ان کا دروازہ در نکشودہ ہی تھا لیکن میں نے ہمت کی اور اسی بند دروازے پر بیٹھ گیا۔ [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۷]

اسی مقامات میں لکھتے ہیں:

مارچ ۱۹۷۳ء میں ہم نے مجلّہ اشراق چھاپا ادارہ دارالاشراق قائم کیا جس سے طلباء متعلق ہوئے اسی زمانے میں مودودی صاحب کی خدمت میں بھی اکثر حاضر ہونے کا موقع ملتا تھا مسلسل ایک روز ملاقات کے لیے گیا تو اس کام کا بھی ذکر ہوا۔ مولانا نے تفصیلات پوچھیں، رفقاء سے تعارف حاصل کیا میں نے اپنی مشکلات بتائیں، وہ موانع بیان کیے جو کام میں تعطل کا باعث بن جاتے تھے اور

ان سے سرپرستی کی درخواست کی۔مولانا نے میری یہ درخواست ازراہ عنایت قبول فرمالی۔چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق ادارے کے لیے میرے اور مولانا کے نام سے ایک مشترک اکاؤنٹ اچھرہ کے حبیب بینک میں کھولا گیا جس میں مولانا نے اپنی جیب سے ماہانہ ایک ہزار روپے جمع کرانے شروع کردیے۔احمد بلاک سے ہم لوگ مولانا کے گھر کے پاس انھی کی دی ہوئی ایک عمارت ا۔اے ذیلدار پارک اچھرہ میں منتقل ہوگئے۔،مولانا کا خیال تھا کہ اسے ادارہ معارف اسلامی کی ایک شاخ یا ایک نئے ادارے کی حیثیت سے منظّم کیا جائے گا۔ اس سے پہلے مولانا ہی کے ایما سے میں ''جماعت اسلامی'' کا رکن بن چکا تھا۔[مقامات ۲۰۱۴ء،ص ۳۵]

غامدی صاحب ایک جانب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امین احسن اصلاحی کو دیکھنے کے بعد کسی کو نہیں دیکھا مگر دوسری جانب جماعت اسلامی میں بھی شامل ہوگئے رکن بن گئے ادارے کے سربراہ ہوگئے مولانا مودودی سے مالی امداد وصول کرنے لگے۔دوسری طرف دعویٰ یہ ہے کہ لیڈری کے خیالات دماغ سے نکال کر ہی امین احسن اصلاحی کا شاگرد بن گیا عمار صاحب بتائیں وضاع کون ہے؟

اسی انٹرویو میں غامدی صاحب مولانا مودودی کو نبی ثابت کرتے ہوئے خود بھی نبوت کے مدعی نظر آتے ہیں ممتاز احمد نے سوال کیا تو جواب کیا ملا پڑھیے:

ڈاکٹر ممتاز احمد کو ۱۹۷۵ میں انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے مولانا مودودی کو نبی اور خود کو بعد میں آنے والا نبی قرار دیا____ یہ ہمارا الزام نہیں غامدی صاحب کا اپنا بیان ہے ممتاز احمد خان لکھتے ہیں۔

[میرے اس سوال کے جواب میں کہ مولانا مودودی صاحب نے دین کی جو تعبیر پیش کی ہے اور مختلف دینی مسائل پر جو کچھ انہوں نے لکھا ہے آپ اس سے کس حد تک متفق ہیں، جاوید صاحب نے کہا]

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہر آنے والا نبی اپنے سے پہلے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔مجھے مولانا مودودی کی تعبیر دین سے اتفاق ہے لیکن یہ تعبیر دین میں نے مولانا مودودی سے نہیں سیکھی بلکہ قرآن وحدیث کے آزادانہ مطالعہ سے براہ راست حاصل کی ہے۔بعد میں مولانا مودودی کی تصنیفات پڑھیں تو معلوم ہوا کہ مولانا بھی دین تو اسی طرح سمجھے ہیں جیسا کہ میں نے سمجھا ہے۔پھر جب اُن میں بھی وہی بات دیکھی جو میں نے سمجھی تھی تو اُن کے ساتھ شامل ہوگیا لیکن بعض مسائل پر مجھے مودودی صاحب سے اختلاف بھی ہے اگرچہ وہ بنیادی مسائل نہیں ہیں۔[ممتاز احمد، دینی مدارس، روایت اور تجدید علماء کی نظر میں، اسلام آباد، یمل مطبوعات، ۲۰۱۲ء، ص ۶۶، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۳] کیا نبوت کا ادعا ٹھیک ہے کیا نبوت کسبی چیز ہے یا اللہ کا انعام ہے وہ خود میزان میں لکھتے ہیں اللہ تعالی نے جن ہستیوں کے ذریعے سے بنی آدم کے لئے اتمام ہدایت کا اہتمام کیا ہے، انھیں نبی کہا جاتا ہے۔یہ انسان ہی تھے، لیکن اللہ نے اپنے علم وحکمت کی بنیاد پر انھیں اس منصب کے لئے منتخب فرمایا۔اسے ایک موہبت ربانی سمجھنا چاہیئے، تعلیم و تربیت اور اخذ واکتساب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔[غامدی میزان ۲۰۱۵ طبع دہم ص ۱۲۵]۔

جو نبوت کا مدعی ہو وہ وضاع ہے یا نہیں

صرف سور کھانا حرام ہے اس کے دیگر استعمالات یعنی خریدنا بیچنا پالنا اس کی کھال کی بیع وغیرہ سب حلال ہیں: جاوید غامدی

میزان میں غامدی صاحب کی نئی تحقیق جس کا پیمانہ عقل ہے

وضاع کون محترم عمار ناصر یا جناب غامدی صاحب، جناب عمار ناصر کے اعتراضات کا جائزہ

سیّد خالد جامعی

غامدی صاحب اس امت کے پہلے عالم ہیں جنھوں نے صرف سور کے گوشت کے کھانے پینے کو حرام کہا ہے اس کے سوا سور کے دیگر تمام استعمالات [Uses] کو حضرت والا نے اپنے اجتہاد سے حلال کر دیا ہے۔ میزان میں لکھتے ہیں:

سور کھانے کے لیے پاک نہیں انسان کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔(غامدی، میزان، طبع دہم، لاہور المورد، جون ۲۰۱۵ء، ص ۳۶)

سور کھانے کے لیے پاک نہیں انسان کو پرہیز کرنا چاہیے۔(غامدی میزان محولہ بالا ص ۶۳۱)

یہ سب چیزیں (سور، مردار، خون، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ) جس طرح کہ قرآن کی ان آیات [۳:۵] سے واضح ہے صرف خورو نوش کے لیے حرام [Only Prohibited for eating and drinking] ہیں رہے ان کے (سور، مردار، خون، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ) دوسرے استعمالات [All other uses] تو وہ بالکل جائز ہیں۔(غامدی میزان محولہ بالا ص ۶۳۷)

کسی صاحب ایمان کو اس معاملے میں ہرگز تردد نہیں ہونا چاہیے خود حضورؐ نے ایک موقع پر یہی موقف صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔[غامدی، میزان، محولہ بالا، ص ۶۳۷] دوسرے معنوں میں رسول اللہ نے خود اجازت دی ہے کہ کوئی بھی مسلمان سور کو صرف کھانے پینے سے بچے البتہ سور کے دیگر استعمالات یعنی اسے خریدنا، بیچنا، رکھنا، پالنا، برآمد کرنا، اس کی ہڈی چربی کا استعمال یہ سب حلال ہیں رسالت مآبؐ پر اتنے بڑے بہتان عائد کرنا ایک وضاع کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ عمار ناصر صاحب یہ بتائیں کہ وضاع کون ہے میرے محترم جاوید غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سود لینا اور دینا یعنی کھانا اور کھلانا حرام ہے ۲۰۰۸ء کی میزان میں غامدی صاحب کا موقف

صرف سود لینا حرام ہے دینا حرام نہیں ۲۰۱۴ء کی مقامات میں غامدی صاحب کا موقف

۲۰۱۵ء کی میزان سے غامدی صاحب نے سود دینے پر لعنت والی روایات اور متن غائب کر دیا

رسالت مآب نے فرمایا سود لینا دینا ماں سے بدکاری سے بھی بڑا گناہ ہے یہ حدیث بھی نکال دی گئی

وضاع کون محترم عمار ناصر صاحب یا جناب جاوید غامدی صاحب

جناب عمار ناصر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ

سیّد خالد جامعی

اسلامی علمیت اور تاریخ میں تمام اسلامی مکاتب فکر حتیٰ کہ گمراہ مکاتب فکر اور فرقہ ہائے باطلہ کے یہاں بھی سود کے حرام ہونے پر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ۱۹۸۰ء میں جنرل ضیاءالحق کے زمانے میں وفاقی شرعی عدالت میں سود کے خلاف ایک مقدمے کی سماعت میں تمام بینکوں کی جانب سے سود کی حمایت کا مقدمہ پاکستان کے سب سے بڑے مذہبی وکیل خالد اسحاق لڑ رہے تھے چیف جسٹس ۔ جسٹس تنزیل الرحمان نے خالد اسحاق کے ذریعے تمام بینکوں کو ایک سوالنامہ جاری کیا اور خالد اسحاق سے براہ راست عدالت میں پوچھا کہ آپ اسلامی تاریخ سے کسی ایک فقیہہ عالم مجتہد کا حوالہ پیش کریں جس نے سود کی حمایت کی ہو یا سود لینے اور دینے کی اجازت دی ہو تو خالد اسحاق ایک حوالہ بھی پیش نہیں کر سکے۔ خالد اسحاق نے بینکوں کو جاری کردہ سوال نامے کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

اسلامی تاریخ میں سود کی حمایت کا آغاز اور اسے حلال قرار دینے کا کام عالم عرب میں مفتی عبدہٗ اور ہندوستان میں سر سید احمد خان اور جمال الدین افغانی کے متاثرین نے شروع کیا اس کے بعد سود کے حامی جدیدیت پسند مسلم مفکرین کی ایک فوج پیدا ہوگئی ان کی گمراہی کا سبب صرف ایک تھا کہ عالم اسلام سود کے بغیر مغرب جیسی ترقی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ اور ترقی کے بغیر مغرب کا مقابلہ کیسے ممکن ہے؟ لہٰذا مغرب سے مقابلے کے لیے سود لینا ایک ناگزیر برائی نہیں ایک تہذیبی تمدنی اسلامی ضرورت ہے ترقی کو اصول عقیدے نظریے کا درجہ دینے کے نتیجے میں سود کی ممانعت پہلی مرتبہ اجازت سے تبدیل ہوگئی حمید الدین فراہی اور امین احسن اصلاحی سود کو حرام سمجھتے ہیں مگر ان کے شاگرد جناب جاوید غامدی کے سود سے متعلق افکار Oxymoron ہیں اور مسلسل ارتقاء کا شکار ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آج تک سود کی حمایت کرنے والے مسلم جدیدیت پسند مفکرین میں سے ایک بھی جدید معیشت میں ابھرنے والے سب سے آخری ادارے بینک اور اس

کے بنیادی کام تخلیق زر کی نزاکتوں سے واقف ہی نہیں اور خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول کا اطلاق کر کے چند جزوی ترمیمات سے نظام سود کی اسلام کاری کرنا چاہتے ہیں۔

۲۰۰۸ء میں غامدی صاحب کی کتاب میزان شائع ہوئی تو اس میں غامدی صاحب کا واضح ترین موقف یہ تھا کہ سود کھانا کھلانا ـــــ سود لینا دینا سب حرام ہے ـــــ یہ موقف قرآن وسنت کی روشنی میں اختیار کیا گیا تھا اور بالکل درست موقف تھا ـــــ لہٰذا غامدی صاحب اس کی تفصیل میں صاف صاف لکھتے ہیں:

سورہ بقرہ کی ان آیات میں سودخواروں کے قیامت میں پاگلوں کی طرح اٹھنے کی وجہ قرآن نے یہ بتائی ہے کہ وہ اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ نے بیع وشرا کو حلال اور سود کو حرام ٹھیرادیا ہے۔ قرآن مجید نے اگرچہ سود لینے ہی کو حرام ٹھہرایا ہے لیکن اس حرمت کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ بغیر کسی عذر کے اس کے کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں کو بھی تعاون علی الاثم کے اصول پر یکساں مجرم قرار دیا جائے چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال: ھم سواء (مسلم رقم ۴۰۹۳) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے اور کھلانے والے اور اس کی دستاویز لکھنے والے اور اس دستاویز کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا یہ سب برابر ہیں''۔

اسی طرح مبادلہ اشیاء کی صورت میں ادھار کے معاملات میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہر آلائش سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ کا ارشاد ہے:

الذھب بالذھب وزنا بوزن مثلاً بمثل والفضۃ بالفضۃ وزنا بوزن مثلا بمثل فمن زاد واستزاد فھو ربا (مسلم رقم ۴۰۶۸) ''تم سونا ادھار بیچو تو اس کے بدلے میں وہی سونا لو اسی وزن اور اسی قسم میں اور چاندی ادھار بیچو تو اس کے بدلے میں وہی چاندی لو اسی وزن اور اسی قسم میں اس لیے کہ جس نے زیادہ دیا اور زیادہ چاہا تو یہی سود ہے''۔

الورق بالذھب ربا الا ھاء وھاء والبر بالبر ربا الا ھاء وھاء والشعیر بالشعیر ربا الا ھاء وھاء والتمر ربا الا ھاء وھاء (مسلم رقم ۴۰۵۹) ''سونے کے بدلے میں چاندی ادھار بیچو گے تو اس میں سود آجائے گا۔ گندم کے بدلے میں دوسری قسم

کی گندم جو کے بدلے میں دوسری قسم کے جو اور کھجور کے بدلے میں دوسری قسم کی کھجور میں بھی یہی صورت ہوگی ہاں البتہ یہ معاملہ نقد انقد ہوتو کوئی حرج نہیں ،[غامدی ،میزان طبع سوم لاہور المورد ۲۰۰۸ء ص۵۰۹، ۵۱۰)

اسی طرح یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ قرض کسی غریب اور نادار کو دیا گیا ہے یا کسی کاروباری یا رفاہی اسکیم کے لیے اس چیز کو ربا کی حقیقت کے تعین میں کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ بات بالکل مسلم ہے کہ عربی زبان میں ربا کا اطلاق قرض دینے والے کے مقصد اور مقروض کی نوعیت وحیثیت سے قطع نظر محض اس معین اضافے پر ہوتا ہے جو کسی قرض کی رقم پر لیا جائے۔ چنانچہ یہ بات خود قرآن مجید نے واضح کردی ہے کہ اس کے زمانہ نزول میں سودی قرض زیادہ تر کاروباری لوگوں کے مال میں جا کر بڑھنے کے لیے دیے جاتے تھے۔[میزان ۲۰۰۸ء ص۵۱۱]

سود کی یہی شناعت ہے جس کی بنا پر بیان کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الربوا سبعون حوبا ایسر ها ان ینکح الرجل امه (ابن ماجہ رقم ۲۲۷۴)''سود اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے اگر ستر حصے کیے جائیں تو سب سے ہلکا حصہ اس کے برابر ہوگا کہ آدمی اپنی ماں سے بدکاری کرے''۔

غامدی صاحب کے مذہب اور فقہ کا ایک اہم ترین اصول ارتقاء ہے لہٰذا چھ سال کے عرصے میں قرآن وسنت کے نصوص میں فکری ارتقاء ہوا تو غامدی صاحب نے ۲۰۱۴ء میں سود سے متعلق ایک بالکل نیا موقف اختیار کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سود لینا کھانا حرام ہے مگر سود دینا اور کھلانا حرام نہیں ہے۔ مقامات میں لکھتے ہیں:

سود دینے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ سود کی حرمت اکل الاموال بالباطل کے اصول پر ہے اور سود دینے والا کسی کا مال باطل طریقے پر نہیں کھاتا۔ بلکہ اپنی جائز کمائی کا ایک حصہ قرض کے معاوضے میں قرض دینے والے کو ادا کرتا ہے —— سود کا مسئلہ قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات پر زیر بحث آیا ہے مگر ہر جگہ دیکھ لیجیے اس نے ایک لفظ بھی سود دینے والوں کی مذمت میں نہیں کہا بلکہ انھیں مظلوم قرار دیا —— نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت کی ہے لعن النبی صلی الله علیه وسلم .... اکل الربو و موکله —— اس میں لفظ موکل آیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے اس لفظ کا مصداق سود دینے والے بھی ہوسکتے ہیں اور سودی کاروبار کرنے والوں کے ایجنٹ بھی —— سودی کاروبار کرنے والوں کے کارکنوں کی حیثیت سے جو لوگ ان کے لیے سودی دستاویزات تیار کرتے اور ان پر گواہ بنتے ہیں ان کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔ موجودہ بنکاری نظام کا عملہ یہی خدمات انجام

دیتا ہے۔لیکن سودی قرض لینے والوں کوکسی طرح بھی تعاون علی الاثم کا مرتکب قرارنہیں دے سکتے ـــــ سودی قرض لینے والے ـــــ اپنی ذاتی اور کاروباری ضرورتوں کے لیے ان سے قرض لیتے ہیں۔(مقامات ۲۰۱۴ء،ص ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷)

میزان ۲۰۰۸ء اور مقامات ۲۰۱۴ء میں سود کے دینے اور کھلانے سے متعلق غامدی صاحب کے دونوں موقف Oxymoron ہیں۔قرآن کی آیات اور حدیث کی روایات سے اپنے مطلب کا فہم اخذ کرنا ہی جدیدیت ہے کیوں کہ جدید علم کلام کا مقدمہ یہ ہے کہ مغرب اسلام پر جو بھی اعتراض کرے اس اعتراض کو درست تسلیم کرلو اور اس اعتراض کی روشنی میں اسلامی علمیت کی کوئی ایسی تعبیر توضیح تشریح توجیہہ تفسیر پیش کرو جس سے وہ اعتراض رفع ہو جائے۔اور اسلام مغرب کی خواہش کے مطابق اپنی اصلاح کر لے۔ہگلی کی امام بارگاہ کے متولی مولوی کرامت علی مفتی عبدہ اور سرسید کے زمانے سے جو علم کلام وجود میں آیا ہے وہ اسی طرح اسلام کا دفاع کر رہا ہے۔

غامدی صاحب کی کتاب میزان کا دسواں ایڈیشن ۲۰۱۵ء میں سامنے آیا تو غامدی صاحب نے سود کی شناعت سے متعلق ابن ماجہ کی روایت اور سود اور سودی دستاویز تیار کرنے والے پر لعنت کی حدیث جو مسلم میں آئی ہے۔غائب کر دی ـــــ ۲۰۰۸ء کی میزان میں یہ روایت شامل تھی کہ سود لینا دینا ایسا ہے جیسے ماں سے زنا کرنا سود کھانے اور کھلانے والے اور اس کے گواہ سب پر اللہ کی لعنت ہے ـــــ اب غامدی صاحب کو ارتقاء کے باعث یہ دونوں حدیثیں پسند نہیں آئیں ـــــ آخر سود لینا دینا اتنا بڑا جرم تو نہیں ہے کہ اسے ماں سے بدکاری کے تناظر میں محسوس کیا جائے ـــــ محسوسات کی تبدیلی کا نام ہی جدیدیت ہے عقیدہ بدلتا ہے تو عمل بھی بدلتا ہے عمل بدلتا ہے تو جذبات محسوسات تخیلات اور خواب سب بدل جاتے ہیں کیوں کہ ان سب کا ماخذ عقیدہ یا مابعد الطبیعیات [Metaphysic] ہی ہوتی ہے۔

غامدی صاحب نے میزان ۲۰۰۸ء میں سود کھانے کھلانے پر لعنت بھیجتے ہوئے مسلم کی ایک روایت نقل کی تھی کہ رسول اللہ نے سود کھانے کھلانے والے پر لعنت بھیجی ہے اور کہا ہے کہ ہم سواء یہ سب برابر ہیں (میزان ۲۰۰۸ء ص ۵۱۰) لیکن ۲۰۱۵ء میں ارتقاء ہو گیا تو میزان ۲۰۱۵ء طبع دہم سے حدیث ہی غائب کر دی گئی ـــــ اس کی جگہ بخاری کی ایک حدیث درج کر دی گئی جس میں وہ تفصیلات موجود نہیں جو مسلم کی حدیث میں تھیں تا کہ غامدی صاحب کی عبارت پڑھ کر سود دینے والوں کو کسی قسم کی شرمندگی کا سامنا نہ ہو۔

محترم عمار ناصر صاحب خود بتائیں کہ وضاع کون ہے جناب محترم برادرم غامدی صاحب یا کوئی اور؟

قرآن نے عہد رسالت میں موجود تورات کے نسخے کی تصدیق کی: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۱۵۲

عہد رسالت میں تورات کے نسخے کا متن محفوظ تھا محرف نہیں تھا: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۱۵۲

موجودہ تورات بالکل قرآن کی طرح مرتب کی گئی: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۱۵۲

موجودہ تورات کے متن کی تصویب حضرت عیسیٰ نے کی تھی: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ۱۵۲

تورات کے متعلق کسی کو یہ علم بھی نہیں ہے کہ اس کے مختلف صحیفے کس زمانے میں اور کن لوگوں کے ہاتھوں مرتب ہوئے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص۱۵۵

دوسرے آسمانی صحیفوں میں تو ان کی اصل زبانیں مٹ جانے کے سبب سے بے شمار تحریفیں ترجموں کی راہ سے داخل ہو گئیں جن کا سراغ اب ناممکن ہے لیکن قرآن کی اصل زبان محفوظ ہے اس لیے قرآن میں ترجموں اور تفسیروں کی راہ سے باطل کے گھسنے کا امکان نہیں: غامدی، میزان، ص۱۵۶

تمام نازل کردہ آسمانی محرف کتابوں میں شرک کی تائید کے لیے کہیں کوئی شہادت موجود نہیں: غامدی، میزان، ص۱۰۱

کتاب الٰہی کا قابل اعتماد نسخہ [Version] قرآن مجید ہی ہے چنانچہ دوسرے صحیفوں کے جب متن گم کردیے گئے اور ان کے تراجم میں بہت کچھ تحریفات کردی گئیں تو ان (صحیفوں) کے حق و باطل میں امتیاز کے لیے یہی کسوٹی اور معیار ہے جو بات اس پر کھری ثابت ہوگی وہ کھری ہے جو اس پر کھری ثابت نہ ہو سکے وہ یقیناً کھوٹی ہے جسے لازماً رد ہونا چاہیے [میزان ص ۲۵] ——— میزان کے پہلے باب اصول و مبادی میں غامدی صاحب خود لکھتے ہیں کہ عہد رسالت میں موجود صحائف آسمانی میں تحریفات کی گئی تھیں مگر میزان کے باب ایمانیات میں اس کے برعکس یہ لکھتے ہیں کہ تورات محفوظ تھی اور تورات کا اس وقت جو نسخہ موجود ہے اسے حضرت عیسیٰؑ کی تصویب و تائید بھی حاصل ہے ظاہر ہے یہ دونوں بیانات Oxymoron ہیں اصول و مبادی میں ان کا موقف پڑھیے: تورات، زبور، انجیل کے بدقسمت حاملین نے ان کا ایک حصہ اگرچہ ضائع کردیا ہے اور ان میں بہت کچھ تحریفات بھی کردی ہیں قرآن نے ان (صحیفوں) میں یہود و نصاریٰ کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید کی ہے [غامدی، میزان، ص۴۶]

غامدی صاحب کی کتاب میزان Oxymoron خیالات کی حامل کیوں ہے؟

وضاع کون محترم عمار ناصر صاحب یا میرے محترم غامدی صاحب

محترم عمار ناصر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ

سیّد خالد جامعی

میرے محترم غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ عہد رسالت میں تورات کا جو نسخہ Version موجود تھا قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے دوسرے معنوں میں عہد رسالت کی تورات محفوظ تھی مامون تھی اس کا نسخہ محرف نہیں تھا ——— اگر ایسا ہی ہے تو پھر قرآن نازل کرنے کی

کیا ضرورت تھی؟——غامدی صاحب کی ہر تحقیق——عجیب وغریب ہوتی ہے ان کے تفردات بھی شاہکار ہوتے ہیں موجودہ تورات کی تحقیق غامدی صاحب کے قلم سے پڑھیے:

موجودہ تورات کو خمسہ موسوی[Pentateuch] کہتے ہیں جو پانچ صحیفوں پر مشتمل ہے ان صحیفوں کا تدبر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے چار صحیفوں میں یہ تاریخی بیانات کے ساتھ اپنے نزول کی ترتیب سے نقل ہوئی ہے اور تثنیہ میں اسے بالکل اسی طرح ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دیا گیا ہے جس طرح قرآن کو مرتب کیا گیا ہے اپنی موجودہ صورت میں غالباً یہ پانچویں صدی قبل مسیح میں کسی وقت مرتب کی گئی۔ تاہم سیدنا مسیح علیہ السلام نے جس طرح اس کا ذکر کیا ہے اس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تصویب بھی اس کو کسی حد تک حاصل ہے۔ اس کا عبرانی متن جو اس وقت مخطوطات اور مطبوعات کی شکل میں موجود ہے ماسوری متن [Massoretic Text] کہلاتا ہے۔ (میزان، طبع دہم، ۲۰۱۵، ص۱۵۲) بنیادی سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب کو تورات کے بارے میں یہ قیمتی معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں انھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ تورات کا موجود نسخہ قرآن کریم کے طریقے پر مرتب کیا گیا انھیں اس بات کا علم کیسے ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے تورات کے اسی نسخے کی تصدیق کی؟ یہ سب بیانات انہوں نے کسی حوالے کے بغیر کیسے دیے؟ غامدی صاحب کی یہ تحقیق بغیر کسی حوالے اور بغیر کسی دلیل وثبوت کے ہے صرف تخلیقی تخیل کے [Creative immagination] سہارے انہوں نے یہ تحقیقی نثر پارہ لکھا ہے ان کے دینی اجتہادات عموماً سرسید کے طریقے پر ہوتے ہیں حالی نے حیات جاوید میں سرسید کے اجتہادی طریقے کے بارے میں لکھا ہے:

سرسید نے جس قدر اختلافات مذہبی مسائل میں علمای سلف سے کیے ہیں——سرسید کے تمام اختلافات کا اصل مقصد اسلام کی طرف سے معترضین کے اعتراضات یا متشککین کے شبہات کا رفع کرنا تھا——دوسرے جن لوگوں نے سرسید کی طرز تصنیف کو بنظر غور دیکھا ہے وہ اس بات پر بخوبی واقف ہیں کہ وہ جب تک کسی مسئلہ کی نسبت خود اپنی کوئی رائے قائم نہ کر لیتے تھے اس وقت تک کتابوں کی طرف بہت ہی کم رجوع کرتے تھے۔ پھر اگر کسی مصنف کا قول ان کے موافق آتا تھا تو اس کو بھی اپنی رائے کی تائید کے لیے لکھ دیتے تھے ورنہ صرف اپنی رائے لکھ دینے پر اکتفا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہی ہوا ہے کہ جب ان کی تحریر چھپ کر شایع ہو چکی اس وقت حسن اتفاق سے کسی محقق کا قول سرسید کی رائے کا مؤید ان کے کسی دوست کو معلوم ہوا اور اس نے یا تو سرسید کو اس سے مطلع کر دیا اور یا بذریعہ تحریر کے کسی میگزین یا اخبار میں چھپوا دیا۔ اصل یہ ہے کہ سرسید کو مذہبی تحریرات میں جس قدر اپنے دماغ سے کام لینا پڑتا تھا اس قدر دوسرے مصنفوں کی کتابوں سے مدد ملنے کی ان کو توقع نہ تھی اور اس لیے وہ خود کتابوں کی طرف بہت کم رجوع کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تصنیفات میں کتابوں کے حوالے جتنے کہ ہونے چاہیے تھے ان سے بہت کم ملتے ہیں اور جس قدر ملے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو ان کے لیے اور لوگوں نے تلاش کر کے بہم پہنچائے ہیں۔ اس کے سوا بہت سے مقامات ان کی تصنیفات میں ایسے موجود ہیں جن میں اگرچہ انھوں نے سلف کے اقوال

سے اپنی رائے پر استشہاد کیا ہے مگر ان اقوال کے مجمل اور غیر شافی بیان کو سرسید کے مدلل اور شافی بیان کے مقابلہ میں دیکھا جاتا ہے تو دونوں میں اس قدر فرق معلوم ہوتا ہے کہ مشکل سے ان اقوال کو سرسید کی رائے کا ماخذ قرار دیا جا سکتا ہے باوجود ان سب باتوں کے ہم بے شمار تحقیقاتیں سرسید کی مذہبی تصنیفات میں ایسی اچھوتی پاتی ہیں جن کو بظاہر اس چودھویں صدی کے محقق سے پہلے کسی کے قلم نے مس نہیں کیا اور بہت سے ایسے ارجنل خیالات اور ارجنل رائیں دیکھتے ہیں جن کو اس کی اولیات کے ساتھ تعبیر کیا جا سکتا ہے۔اس نے سب سے پہلے مذہب کی سچائی کا یہ معیار قرار دیا کہ اس کی تعلیم میں کوئی بات فطرت انسانی یا فطرۃ اللہ کے خلاف نہ ہو اور اسی نے سب سے پہلے اس بات کا دعویٰ کیا کہ اس معیار پر جیسا کہ اسلام پورا اترتا ہے دنیا کا کوئی مذہب ایسا پورا نہیں اترتا۔[حالی حیات جاوید، لاہور، ہجرہ انٹرنیشنل پبلشرز بار اول ۱۹۸۴ء دوسری جلد ص ۳۵۹، ۳۶۰] غامدی صاحب نے میزان میں تورات کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس کا منہاج سرسید سے مستعار ہے۔ظاہر ہے اس قسم کی تحقیق جو محض خیال آرائی پر مبنی ہو علمی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

تورات کے بارے میں غامدی صاحب کی تحقیق اسی بیان پر ختم نہیں ہوئی عہد رسالت کی تورات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس دور میں تورات کا نسخہ محرف نہیں تھا اسی لیے قرآن نے اس کی تصدیق کی ہے۔

میزان میں لکھتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی جو ہدایت بنی آدم کو ملی ہے اس کے دو حصے ہیں ایک قانون دوسرے حکمت تورات میں زیادہ تر قانون بیان ہوا ہے اور اس کا نام بھی اسی رعایت سے رکھا گیا ہے۔لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی جو روایت [version] زمانۂ رسالت کے یہود و نصاریٰ کے پاس تھی قرآن فی الجملہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔[میزان، طبع دہم، ۲۰۱۵، ص ۱۵۲] ظاہر ہے یہ بیان بھی محض حاشیہ آرائی ہے قرآن کا بیان ہے اور امت کا اجماع ہے کہ تورات میں تحریف ہو چکی ہے لفظی بھی معنوی بھی اسی لیے قرآن نازل کیا گیا لیکن اہل ایمان تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لائیں گے مگر عمل قرآن کریم کے مطابق کریں گے۔ رسالت مآب نے حضرت عمرؓ کو تورات کے مطالعے سے روک دیا تھا اگر یہ کتاب محرف نہ ہوتی تو اس ممانعت کی ضرورت نہ تھی رسالت مآب اور صحابہ کرام تورات کو محرف سمجھتے تھے لیکن غامدی صاحب جو اس عہد میں موجود نہیں تھے ان کی تحقیق ہے کہ عہد رسالت میں موجود تورات محفوظ تھی اسی لیے قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے۔

غامدی صاحب کا یہ دعویٰ بھی آپ نے پڑھ لیا کہ موجودہ تورات بالکل قرآن کی طرح مرتب ہوئی ہے [میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۲] تو سوال یہ ہے کہ قرآن کس طرح مرتب ہوا۔قرآن کے مرتب ہونے کے بارے میں اس امت کا نقطۂ نظر غامدی صاحب سے مختلف ہے غامدی صاحب نے جمع قرآن سے متعلق جو افسانہ میزان کے باب اصول و مبادی میں آیات قرآنی سے تخلیق کیا ہے وہ قرآنی آیات الفاظ اور معانی کی تحریف کے سوا کچھ نہیں قرآنی آیات کے معانی کو توڑ مروڑ کر انہوں نے جو کچھ برآمد کیا ہے وہ بھی محض ان کی خوش خیالی

ہے پوسٹ ماڈرن ازم اسی طریقے تخلیقی تخیل Creative Immagination سے علم کشید کرتا ہے اور اس ماخذ کو سب سے بہترین ماخذ علم تصور کرتا ہے اسی لیے اس صدی کے بہت بڑے امریکی فلسفے رچرڈ رارٹی کو تسلیم کرنا پڑا کہ شاعری نے فلسفے کو شکست دے دی ہے جناب غامدی صاحب کے اجتہادات اور تفردات اصلاً تخلیقی تخیل یعنی شاعری کے سوا کچھ نہیں۔

جمع قرآن کے بارے میں غامدی صاحب میزان کے باب اصول و مبادی میں اپنے شاعرانہ خیالات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان آیتوں (الاعلیٰ کی آیات ۶،۷ اور القیامہ کی آیات ۱۶،۱۹) سَنُقْرِئُکَ فَلاَ تَنْسٰی ...... اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ وَمَا یَخْفٰی [۸۷: ۶،۷]، لاَ تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ ...... اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ...... فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ...... ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ [۷۵: ۱۶ تا ۱۹]۔ میں قرآن کے نزول اور اس کی ترتیب و تدوین سے متعلق اللہ تعالیٰ کی جو اسکیم بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے:

اولاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ حالات کے لحاظ سے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن جس طرح آپ کو دیا جا رہا ہے اس کے دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ لیکن اس سے آپ کو اس کی حفاظت اور جمع و ترتیب کے بارے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی جو قراءت اس کے زمانہ نزول میں اس وقت کی جارہی ہے اس کے بعد اس کی ایک دوسری قراءت ہوگی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اس میں سے کوئی چیز اگر ختم کرنا چاہیں گے تو اسے ختم کرنے کے بعد یہ آپ کو اس طرح پڑھا دیں گے کہ اس میں کسی سہو و نسیان کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا اور اپنی آخری صورت میں یہ بالکل محفوظ آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ثانیاً آپ کو بتایا گیا ہے کہ یہ دوسری قراءت قرآن کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دینے کے بعد کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی آپ اس بات کے پابند ہو جائیں گے کہ آیندہ اسی قراءت کی پیروی کریں۔ اس کے بعد اس سے پہلے کی قراءت کے مطابق اس کو پڑھنا آپ کے لیے جائز نہ ہوگا۔

ثالثاً یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کے کسی حکم سے متعلق اگر شرح و وضاحت کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی اس موقع پر کر دی جائے گی اور اس طرح یہ کتاب خود اس کے نازل کرنے والے ہی کی طرف سے جمع و ترتیب اور تفہیم و تبیین کے بعد ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے گی [میزان ص ۲۷،۲۸]۔ جب قرآن کی شرح وضاحت اللہ کے ذریعے جبرئیل تک اور ان کے ذریعے رسول تک اور رسول کے ذریعے صحابہ کے ذریعے امت تک پہنچی تو وہ امت کے لیے حجت کیوں نہیں ہے اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ قرآنی الفاظ کی دلالت کے باوجود پیغمبر محض متن کے ذریعے قرآن کا کامل فہم حاصل نہ کر سکے لہٰذا اللہ نے اس کی شرح وضاحت کی جب پیغمبر قرآن کے قطعی الدلالۃ الفاظ کے باوجود اس کے فہم پر قادر نہیں تو یہ امت براہ راست قرآن کے مطالعے سے اس کے فہم پر کیسے قادر ہو سکتی ہے۔

یہ اعتراض ہم نے اس لیے کیا ہے کیوں کہ غامدی صاحب کا میزان میں دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کی زبان نہایت واضح ہے جس میں کوئی انیچ پیچ نہیں ہے [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۲۰] قرآن کا کوئی لفظ کوئی اسلوب اپنے مفہوم کے اعتبار سے شاذ نہیں زبان کے لحاظ سے اپنے اندر کسی نوعیت کی غرابت نہیں ترجمہ وتفسیر میں اس کے الفاظ کے معروف معنی ہی پیش نظر رہیں [میزان ص ۲۱] قرآن کو سمجھنے کے لیے قرآن سے باہر کی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی قرآن کی زبان الفاظ و مواقع کلام اپنے وجود پر اس طرح آپ ہی دلیل بن جاتے ہیں کہ ان کے لیے پھر کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی [میزان ص ۲۲] ــــــ ہر معاملے میں یہی کتاب قول فیصل اور یہی صحیفہ معیار ہے (میزان ص ۲۴) ــــــ قرآن کا مفہوم ہم جو کچھ بھی سمجھتے ہیں اس کے الفاظ اور اس کے جملوں کی ترکیب ہی سے سمجھتے ہیں لہٰذا قرآن کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے [میزان، ص ۲۶] قرآن کے الفاظ و اسالیب جن مفاہیم پر دلالت کرتے ہیں وہ سب متواترات پر مبنی اور ہر لحاظ سے بالکل قطعی ہوتے ہیں لفظ اور معنی کا سفر کبھی الگ الگ نہیں ہوتا وہ جب تک مستعمل رہتا ہے اپنے معنی کے ساتھ مستعمل رہتا ہے لفظ اپنے مفہوم کی قطعیت کے بغیر ہی مستعمل ہو اس کا کوئی تصور تک نہیں کیا جا سکتا زبان سے متعلق یہی حقیقت ہے جس کی بنیاد پر جو کچھ ہم بولتے اور لکھتے ہیں دوسرے وہی کچھ سمجھتے ہیں جو ہم کہنا چاہتے ہیں اگر ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال پیدا ہو جائے کہ الفاظ کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی نہیں ہے تو ان میں سے ہر چیز بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گی علم کی دنیا میں اس تصور کے لیے ہرگز کوئی گنجائش نہیں پیدا کی جا سکتی [میزان ص ۳۲، ۳۳] قرآن پر تدبر کرنے والے کسی صاحب علم سے قرآن کا منشاء کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتا [میزان ص ۳۸] قرآن کے اس اسلوب سے واقف اس کا کوئی طالب علم اس کے سمجھنے میں ہرگز غلطی نہیں کر سکتا [غامدی میزان ص ۳۸] قرآن خود اپنے اجمال کی تفصیل اور اپنے کلام کی شرح وتفسیر بن گیا ہے [میزان ص ۴۲] قرآن کا ایک لفظ کسی آیت میں بالکل مبہم نظر آتا ہے تو دوسری آیت میں وہ بالکل بے نقاب ہو جاتا ہے مجھ پر قرآن کی مشکلات جتنی خود قرآن سے واضح ہوئی ہیں دوری کسی بھی چیز سے واضح نہیں ہوئی ہیں [میزان ص ۴۲] قرآن آپ اپنی تفسیر کرتا ہے لغات کی رہنمائی کے بغیر قرآن کا ایک طالب علم اس لفظ کے پورے مالہ و ماعلیہ کو اس طرح سمجھ لیتا ہے کہ کوئی چیز بھی اس کے یقین کو نہیں جھٹلا سکتی [میزان ص ۴۳] قرآن میں ایک سے زیادہ تاویلات کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہوتی [میزان ص ۵۲] قرآن کی تفسیر میں ایک ہی قول اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے [میزان ص ۵۲] فہم قرآن کے لیے

اس دور کی تاریخ سے پوری طرح استفادہ کیا جائے اس سے قرآن کے بعض اشارات کو سمجھنے اوراس کے غوامض کھولنے میں بڑی مدد ملتی ہے [میزان ص ۵۵] قرآن کے بعد صرف کلام عرب ہی وہ کلام ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جو صحت نقل اور روایت باللفظ کی بناء پر سند و حجت ہے [میزان ص ۱۹]۔ اس کتاب کا فہم اب اس زبان کے صحیح علم اور اس کے صحیح ذوق ہی پر منحصر ہے [میزان ص ۱۶] قرآن کو سمجھنے کے لیے قرآن سے باہر کی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی یہ سب چیزیں قرآن ہی کی روشنی میں بالکل واضح ہو جاتی ہیں [میزان ص ۲۲] تفسیرات سے استفادہ کیا جائے مگر قرآن کے طلباء کو بات تو وہی لینی چاہیے جسے قرآن کے الفاظ اور اس کا نظم قبول کرے [میزان ص ۵۷]—— قرآن کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے جو کچھ کہنا چاہتا ہے پوری قطعیت کے ساتھ کہتا ہے اور کسی معاملے میں بھی اپنا مدعا بیان کرنے سے ہرگز قاصر نہیں رہتا اس کا مفہوم وہی ہے جو اس کے الفاظ قبول کر لیتے ہیں اس کے شہرستان معانی تک پہنچنے کا ایک ہی [Only] دروازہ ہے اور وہ اس کے الفاظ ہیں وہ اپنا مفہوم پوری قطعیت کے ساتھ واضح کرتے ہیں اس میں کسی ریب و گمان کے لیے ہرگز گنجائش نہیں ہوسکتی یہ دونوں باتیں قرآن کے میزان اور فرقان ہونے کا لازمی تقاضہ ہیں [غامدی، میزان، ص ۲۵]—— بنیادی سوال یہ ہے کہ قرآن کے معانی، اس کی حقیقت اس کے متن کے فہم اس کے الفاظ کی معنویت تک پہنچنے کا ذریعہ دروازہ صرف اور صرف اس کے الفاظ ہیں تو رسالت مآب اس دروازے سے تفکر و تدبر کے ذریعے اس کے مفہوم پر کیوں نہ پہنچ سکے؟ اللہ تعالیٰ کو قرآن کے واضح الفاظ کے فہم کی شرح وضاحت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اللہ تعالیٰ کو قرآنی الفاظ کی تفہیم و تبیین کیوں کرنی پڑی؟ غامدی صاحب نے خود میزان میں لکھا ہے کہ قرآن کے کسی حکم سے متعلق (رسالت مآب کو) شرح و وضاحت کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی اس موقع پر کر دی جائے گی کتاب خود اس کے نازل کرنے والے ہی کی طرف سے جمع و ترتیب اور تفہیم و تبیین کے بعد ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے گی [میزان، ص ۲۷، ۲۸] اس کا مطلب یہی ہوا کہ صرف قرآن کے الفاظ اس کے اسالیب، اس کے شہرستان معانی کا دروازہ، اس کا نظم کلام اس کی فصاحت و بلاغت اس کے متن، عبارت، آیات کے کامل فہم کے حصول کے لیے کافی نہیں۔ جب رسالت مآب تنہا قرآن کے کامل فہم پر اللہ کی مدد کے بغیر خود قادر نہ ہو سکے تو غامدی صاحب کا مکتب فکر اکیسویں صدی میں صرف قرآن کے الفاظ کی تحقیق کے ذریعے اس کی روح تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کے مقامات کی شرح وضاحت خود فرمائی۔ لہٰذا غامدی صاحب کے دونوں بیانات Oxymoron ہیں۔

واضح رہے کہ غامدی صاحب نے میزان میں قرآن کے صرف الفاظ یعنی ظاہری معنوں کو فہم قرآن کی کامل کلید [Perfect key] قرار دیا تھا مگر مقامات میں حضرت والا کا نقطۂ نظر یکسر تبدیل ہوگیا لہٰذا لکھتے ہیں متکلم کے منشاء تک پہنچنا ہو تو محض ظاہر الفاظ کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کے باطن کو سمجھ کر حکم لگانا چاہیے رسول نے قرآن کی یہی خدمت (اس الفاظ کے باطنی معانی بتائے) انجام دی ہے۔ [مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۴۳] قرآن کے طالب علموں کو اس سے لفظ کے باطن میں اتر کر اس کو سمجھنے کی تربیت حاصل کرنا چاہیے [مقامات ۲۰۱۴، ص ۱۴۵] مگر اسی صفحے پر یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ جو باتیں قرآن کے بارے میں بطور اصول ماننی چاہییں وہ یہ ہیں (۱) اس کا متن بالکل متعین ہے (۲) یہ قطعی الدلالۃ ہے یعنی قرآن کے الفاظ پوری صلاحیت رکھتے ہیں کہ انسان ان کی رہنمائی قبول کر لے تو اسے قطعیت کے ساتھ ٹھیک اس مدعا تک پہنچا دیں جس کے لیے وہ لائے گئے یہ صرف قلت علم اور قلت تدبر ہے جس کی بناء پر انسان بعض اوقات اسے سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے [مقامات ص ۱۴۶] بنیادی سوال پھر وہی ہے کہ اگر قرآن کے الفاظ ہی قطعی طور پر متعین کر دیتے ہیں تو کیا رسول اللہ قلت علم اور قلت تدبر (نعوذ باللہ) کا شکار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ان مقامات کی شرح وضاحت فرمائی کیوں کہ میزان کے پہلے باب میں غامدی صاحب نے یہی لکھا ہے شرح و وضاحت کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی کر دی جائے گی خدا اس کتاب کی خود تفہیم و تبیین کرے گا [میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۷، ۲۸]

ظاہر ہے غامدی صاحب کے تمام یہ دعوے Oxymoron ہیں۔

ایک جانب غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ تورات کا جو نسخہ اور اس نسخے کا متن جو عہد رسالت میں موجود تھا وہ بالکل ٹھیک تھا اور قرآن نے اس نسخے متن اور version کی تصدیق کی ہے ان کی تحقیق یہ ہے کہ تورات کے موجودہ نسخے کو حضرت عیسیٰ کی تصویب تائید و تصدیق حاصل ہے [میزان، طبع دہم ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۲] مگر اسی میزان میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ تورات کے متعلق تو یہ علم بھی کسی کو نہیں ہے کہ اس کے مختلف صحیفے کس زمانے میں اور کن لوگوں کے ہاتھوں مرتب ہوئے۔ [میزان، طبع دہم، ۲۰۱۵ء ص ۱۵۵] وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ دوسرے آسمانی صحیفوں میں تو ان کی اصل زبان مٹ جانے کے سبب سے بے شمار تحریفیں ترجموں کی راہ سے داخل ہوگئیں جن کا سراغ اب ناممکن ہے [غامدی، میزان، ص ۱۵۶] —— کتاب الٰہی کا قابل اعتماد نسخہ [Version] قرآن مجید ہی ہے چنانچہ دوسرے صحیفوں کے جب متن گم کر دیے گئے اور ان کے تراجم میں بہت کچھ تحریفات کر دی گئیں تو ان (صحیفوں) کے حق و باطل میں امتیاز کے لیے یہی کسوٹی اور معیار ہے جو بات اس پر کھری ثابت ہوگی وہ کھری ہے جو اس پر کھری ثابت نہ ہو سکے وہ یقیناً کھوٹی ہے جسے لازماً رد ہونا چاہیے [میزان ص ۲۵] ——میزان کے پہلے باب اصول و مبادی میں غامدی صاحب خود لکھتے ہیں کہ عہد رسالت میں موجود صحائف آسمانی میں تحریفات کی گئی تھیں مگر میزان کے باب ایمانیات میں اس کے برعکس یہ لکھتے ہیں کہ تورات محفوظ تھی اور تورات کا اس وقت جو نسخہ موجود ہے اسے حضرت عیسیٰؑ

کی تصویب وتائید بھی حاصل ہے ظاہر ہے یہ دونوں بیانات Oxymoron ہیں اصول ومبادی میں ان کا موقف پڑھیے: تورات، زبور، انجیل کے بدقسمت حاملین نے ان کا ایک حصہ اگرچہ ضائع کر دیا ہے اور ان میں بہت کچھ تحریفات بھی کر دی ہیں قرآن نے ان (صحیفوں) میں یہود ونصاریٰ کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید کی ہے [غامدی، میزان، ص ۴۶]۔ یہ تمام تحقیقات اپنی قلعی خود کھولنے کے لیے کافی ہیں ایک ہی کتاب میزان کے ص ۲۵، ص ۴۶، ص ۱۵۲ پر حضرت والا کچھ فرما رہے ہیں اور اسی میزان کے ص ۱۵۵ پر تورات سے متعلق کچھ اور فرما رہے ہیں یہ نسیان تو امام زہری سے بھی زیادہ ہے اور کسی صورت میں قابل معافی نہیں ہے۔

تورات کے بارے میں غامدی صاحب کا یہ نقطۂ نظر کہ اس کے مرتب کرنے والوں کا کوئی علم نہیں اس کے صحیفوں کا زمانہ بھی معلوم نہیں [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۵] اس کی تفصیل غامدی صاحب کی میزان میں پڑھیے:

اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو اٹھانے کے لیے جس بشر کو منتخب فرمایا اول تو وہ ہر پہلو سے خود خیر الخلائق تھا ثانیاً قرآن کو یاد رکھنے اور اس کی حفاظت وترتیب کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے تنہا اس کے اوپر نہیں ڈالی بلکہ یہ ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ چنانچہ سورۂ قیامہ میں فرمایا ہے:

اور تم اس قرآن کو حاصل کرنے کے لیے اپنی زبان کو تیز نہ چلاؤ ہمارے اوپر ہے اس کے جمع کرنے اور اس کے سنانے کی ذمہ داری۔ تو جب ہم اس کو سنا چکیں تو اس سنانے کی پیروی کرو پھر ہمارے ذمے ہے اس کی وضاحت۔ روایات سے ثابت ہے کہ جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقرب صحابہ یاد بھی رکھتے اور ہر رمضان میں حضرت جبریل کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مذاکرہ بھی فرماتے رہتے تاکہ کسی سہو ونسیان کا اندیشہ نہ رہے اور یہ مذاکرہ اس ترتیب کے مطابق ہوتا جس ترتیب پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مرتب کرنا پسند فرمایا۔ یہ بھی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری رمضان میں یہ مذاکرہ دو مرتبہ فرمایا۔ پھر اسی ترتیب اور اسی قراءت کے مطابق پورا قرآن ضبط تحریر میں لایا گیا اور بعد میں خلفائے راشدین نے اسی کی نقلیں مملکت کے دوسرے شہروں میں بھجوائیں۔ یہ اہتمام پچھلے صحیفوں میں سے کسی کو بھی حاصل نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ تورات کے متعلق تو یہ علم بھی کسی کو نہیں ہے کہ اس کے مختلف صحیفے کس زمانے میں اور کن لوگوں کے ہاتھوں مرتب ہوئے۔ [میزان، طبع دہم ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۵]

غامدی صاحب نے میزان کے صفحہ ۲۷، ۲۸ پر قرآن کی سورتوں الاعلیٰ اور القیامہ سے قرآن کا مرتب ہونا ثابت کیا تھا لیکن اب صفحہ ۱۵۵ پر یہی موقف قرآن کے بجائے روایات، احادیث سے ثابت کر رہے ہیں ان کے دونوں بیانات تحقیقات Oxymoron ہیں۔

جمع قرآن اور تورات کی جمع وترتیب سے متعلق غامدی صاحب کے یہ تمام خیالات بھی تضادات کا شاہکار ہیں۔

اگر کسی شخص کے خیالات Oxymoron ہوں تو غامدی صاحب کے اصول کے تحت اس شخص سے دین اور حدیث کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی میزان میں ابن شہاب زہری کی روایات کو مسترد کرتے ہوئے انہوں نے یہی اصول بیان کیا ہے

جمع قرآن کے سلسلے میں صحاح میں ابن شہاب زہری کی روایتوں کو غامدی صاحب قبول نہیں کرتے اور صرف اس بنیاد پر رد کرتے ہیں کہ ابن شہاب ایک سوال کے کئی جواب دیتے ہیں اس کی دلیل میں غامدی صاحب امام لیث بن سعد کی تحریر پیش کرتے ہیں:

وکان یکون من ابن شهاب اختلاف کثر اذا لقیناه، و اذا کاتبه بعضنا فربما کتب فی الشيء الواحد علی فضل رأیه وعلمه بثلاثة انواع ینقض بعضها بعضاً، ولا یشعر بالذی مضی من رأیه فی ذلک الامر فهو الذی یدعونی الی ترک ما انکرت ترکی ایاه۔ [تاریخ یحیی بن معین، الدوری ۱۰۹/۴]

''اور ہم لوگ جب ابن شہاب سے ملتے تھے تو بہت سے تضادات سامنے آتے اور ہم میں سے کوئی جب ان سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق ان کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نقیض ہوتا اور انھیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ میں نے ایسی ہی چیزوں کی وجہ سے انھیں چھوڑا تھا، جسے تم نے پسند نہیں کیا''۔ (میزان، طبع دہم، ۲۰۱۵ء، ص ۳۱، ۳۲)

غامدی صاحب کے اس اصول کے تحت تورات کے بارے میں —— ایک ہی کتاب میزان کے تین مسلسل صفحات ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۵۶ اور صفحات ۲۷ اور ۲۸ میں ان کے پانچ متضاد موقف [Oxymoron] ثابت کرتے ہیں کہ ان کے دین کو بھی اس طرح مسترد کر دیا جائے جس طرح ابن شہاب زہری اور ان کی بیان کردہ روایتوں کو غامدی صاحب نے مسترد کر دیا۔ ظاہر ہے غامدی صاحب زہریؒ سے بڑے امام، عالم اور فقیہہ تو نہیں ہیں جب زہری کی روایت کو رد کیا جا سکتا ہے تو غامدی صاحب کے روایت کردہ دین کو بھی رد کیا جا سکتا ہے۔

میرے محترم عمار ناصر صاحب یہ بتا دیں کہ وضاع کون ہے میرے محترم غامدی صاحب یا کوئی اور؟

غامدی صاحب کا قانون جہاد: مرزا قادیانی دوئم کی کتاب ''دعوۃ الامیر'' کا سرقہ :

۱۹۷۵ء میں غامدی صاحب خود کو نبی کہتے تھے جو پچھلے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔

وضاع کون محترم عمار ناصر یا جناب غامدی

عمار ناصر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ

سید خالد جامعی

(۱) جہاد کے بارے میں غامدی صاحب کا تصورِ عقیدہ اور اس کی تشریحات جو میزان کے باب اصول ومبادی، قانون ودعوت اور قانون جہاد میں بیان کی گئی ہیں مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے اور قادیانی جماعت ربوہ کے دوسرے سربراہ مرزا البشیر الدین محمود کی کتاب'' دعوۃ الامیر'' کا حرف بہ حرف سرقہ اور چربہ [Plagiarism] ہیں بلکہ مرزا صاحب اور جاوید صاحب کے خیالات میں حیرت انگیز مشابہت، مطابقت، مماثلت، موافقت نظر آئے گی ظاہر ہے اسے توارد نہیں کہا جاسکتا یہ محض سرقہ اور چربہ ہے غامدی صاحب ماضی میں اس طرح کے سرقوں کے عادی رہے ہیں وہ ایک مشاق سرقہ باز [Plagiarist] ہیں عموماً ان کی نئی تحقیقات سرقہ بازی کا رنگ لئے ہوئے ہوتی ہیں انہوں نے خوارج اور معتزلہ کے مکاتب فکر سر سید احمد خان، اہل قرآن ،مولانا ابوالجلال ندوی، احمد دین امرتسری، عمر احمد عثمانی، حمید الدین فراہی، مارٹن لنگز، محمود احمد عباسی، حبیب الرحمان کاندھلوی، حکیم نیاز، نسیم ظہیر اصلاحی کے افکار کا آزادانہ سرقہ کیا ہے۔ابن حزم کی کتابوں، علامہ طاہر مکی کی کتاب فقہ القرآن ،اور امین احسن اصلاحی کی کتابوں سے غامدی صاحب نے بے شمار افکار سرقہ کئے اور اپنے نام سے پیش کردئے۔حضرت والا نے انگریزی میں شاعری کی تو شیکسپیئر، کیٹس اور وڈزورتھ کی تراکیب ومصرعے تک سرقہ کر کے مقامات کے انگریزی حصے میں اپنے نام سے ۲۰۰۶ء میں شائع کردیے۔مرزا بشیرالدین قادیانی کے قانون جہاد کا سرقہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ___ پرانی شراب نئی بوتل۔ماہ نامہ ساحل مئی ۲۰۰۷ء میں ان کے سرقوں کی مکمل تفصیل حوالوں کے ساتھ موجود ہے[ساحل کراچی، مئی ۲۰۰۷ء]۔ساحل کی اشاعت کے بعد مقامات غامدی صاحب نے بازار سے غائب کرادی اور مقامات کے نام سے صرف اردو میں ایک کتاب ۲۰۰۸ء میں شائع کرائی جس پر درج ہے مقامات طبع اول ۲۰۰۸ء۔

مقامات ۲۰۰۶ء عربی انگریزی اردو کے تین حصوں پر مشتمل تھی عربی حصے میں غامدی صاحب کا پہلا اور آخری عربی مضمون'' شرح شواہد الفراہی '' بھی شامل تھا جس میں تذکیر وتانیث، صرف ونحو، املاء، انشاء کی چھ سو سے زیادہ غلطیاں تھیں۔ ساحل اپریل ۲۰۰۷ء میں غامدی صاحب کی کچر اعربی کا تنقیدی، تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا[ساحل کراچی، اپریل ۲۰۰۷ء] تو اس کے بعد مقامات کو غائب کرانا اور چھپانا لازمی تھا کیونکہ غامدی صاحب کی ہی تحقیق ہے کہ انسان اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے۔آدم کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کردینے کے بعد اس کی لاش چھپانے کی کوشش کی تھی تو ظاہر ہے کہ احساس گناہ ہی کی وجہ سے کی تھی[میزان ۲۰۱۳ء، ص ۱۹۸]

۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۷ء تک اشراق اور غامدی صاحب کی تمام کتابوں وکتابچوں میں ان کی عربی تفسیر'' الاشراق'' کے جزاء الفاتحہ اور الملک تا الناس کی اشاعت کا اعلان شائع ہوتا رہا ہے اشتہار میں بار بار لکھا گیا کہ دونوں اجزاء زیر طبع ہیں کہ عربی کے اجزاء کی تفسیر زیر طبع ہیں مگر ۲۰۰۷ء کے ساحل میں ان کی

عربی استعداد کی حقیقت اور اصلیت کھل جانے کے بعد اس تفسیر کا اشتہار روک دیا گیا اور غامدی صاحب نے مقامات طبع اول ۲۰۰۸ء اور طبع سوم ۲۰۱۴ء میں اپنی تصانیف مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کی جو فہرست دی ہے اس میں عربی تفسیر کا ذکر حذف کر دیا گیا ہے [مقامات ۲۰۱۴ء، ۲۹ تا ۳۰] جس شخص کی عربی استعداد اور دیانت داری کا یہ حال ہو وہ دین کے عالم ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے۔

جہاد سے نفرت، مجاہدین اسلام سے عداوت، تمام جدیدیت پسندوں کا مشترکہ و متفقہ اصول ہے اس اصول کی شرح میں غامدی صاحب لکھتے ہیں (مسلمان) وہ جب دوسروں سے لڑ کر اس سے (زوال سے) نکلنا چاہتے ہیں تو درحقیقت خدا سے لڑ رہے ہوتے ہیں۔ جس نے اپنے اُولِـــیْ بَـــاْسٍ شَـــدِیْـــدٍ بندے اپنے اوپر مسلط کر دیے ہیں (مسلمانوں کا زوال اور ان پر کفار کا غلبہ) یہ خدا کا عذاب ہے اس سے بچنے کے راستے وہ نہیں ہیں (یعنی جہاد یا جدوجہد) جوان کے مذہبی اور سیاسی رہنما بتا رہے ہیں [مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۷۴] دوسرے معنوں میں خلافت عثمانیہ سے لے کر اب تک مسلمانوں نے کفار کے غلبے سے بچنے کے لیے یا کفار پر غلبے کے لیے جو جہاد کیے وہ مسلمانوں کی کفار، مشرکین، ملحدین سے نہیں، خدا سے جنگ تھی۔ دوسرے معنوں میں مشرکین و کفار = خدائے واحد------- یعنی کفار اور مشرکین اور خدا میں (نعوذ باللہ) کوئی فرق نہیں ہے۔ کفار، مشرکین کے خلاف عصر حاضر میں مسلمانوں کا ہر جہاد دراصل خدا کے خلاف ہی جہاد ہے۔ جس میں کامیابی کبھی نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا---- کفر کے ساتھ ہے، خدا اور کفار نعوذ باللہ متحد ہیں، ظاہر ہے خدا سے لڑ کر کون جیت سکتا ہے۔ غامدی صاحب کی تنقید کا رخ کسی خاص تحریک مثلاً داعش، طالبان کے کسی گروہ، بوکوحرام وغیرہ کی طرف ہوتا تو یہ نقد قابل قبول ہو سکتا تھا۔ مگر امت کے ہر جہاد کا انکار قادیانیت نوازی کے سوا کچھ نہیں------- محترم عمار ناصر اور غامدی صاحب آج کل قادیانیت کے دفاع میں بہت سے دلائل دے رہے ہیں۔ عمار صاحب نے اپنی کتاب کا نام مرزا صاحب کی کتاب ''براہین احمدیہ'' کی تقلید میں صرف براہین رکھا ہے۔ ان کی غیر معمولی تخلیقی صلاحیتیں نام کے انتخاب میں بھی مرزا صاحب کی تقلید سے اجتناب نہیں کر سکیں۔

غامدی صاحب میزان کے باب ایمانیات میں اللہ تعالیٰ کی سات سنتوں کے حوالے سے عذاب سے متعلق قرآنی اصول بتاتے ہوئے لکھتے ہیں موت کے بعد جزا و سزا تو اٹل حقیقت ہے لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات یہ اس دنیا میں بھی دی جاتی ہے۔ (جزا و سزا) خدا کی عدالت کے ظہور کی تمہید ہے۔ اس کی صرف دو صورتیں اللہ نے بالکل متعین طریقے پر بیان فرمائی ہیں اولاً طالب دنیا اور آخرت سے بے پروا لوگوں کا حساب---- اللہ تعالی جس کو جتنا چاہتے ہیں دے کر اسی دنیا میں بے باق کر دیتے ہیں اور ان کی تمام کارگزاریوں کا پھل یہیں مل جاتا ہے۔ ثانیاً رسولوں کے ذریعے سے اتمام حجت کے بعد ان کے منکرین پر اسی دنیا میں عذاب آ جاتا ہے اور ماننے والوں کے لیے اللہ تعالی زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں [میزان ۲۰۱۳ء، ص ۱۱۷] یہ جزا و سزا اللہ تعالی کی ساتویں سنت ہے۔ سنن الٰہی کے بارے میں وہ لکھتے ہیں، یہ سنن ناقابل تغیر ہیں، ان میں ہر گز کوئی تبدیلی نہیں ہوتی [میزان ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۵] رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد عذاب آتا ہے [میزان ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۱] غامدی صاحب کے ان اصولوں کی روشنی میں امت کے زوال کو خدا کا عذاب کہنا اپنے اصولوں کی نفی ہے، یہ عذاب نہیں آزمائش ہے کیونکہ مسلمان یہ سمجھنے لگے کہ ان پر زوال نہیں آ سکتا مِّـــنْ قَبْـلُ مَـا لَـكُـمْ مِّـنْ زَوَالٍ۔

غزوۂ حنین کے موقع پر جو فتح مکہ کے بعد ہوا، مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار اور مدمقابل کی تعداد بہت کم تھی مگر اس کثرت کے باوجود انہیں شکست ہوئی

تو یہ عذاب نہیں آزمائش تھی لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ[۹:۲۵] مسلمانوں کی کفار سے ہجرات وبرات کے بعد یہ جنگ غامدی صاحب کے قانون اتمام حجت کے تحت اللہ کا عذاب تھا جو رسول اور صحابہ کی تلواروں سے کفار پر نازل ہو رہا تھا[میزان کا باب قانون دعوت، قانون جہاد دیکھئے جہاں تفصیلات موجود ہیں] مقامات میں لکھتے ہیں قانون اتمام حجت کے تحت رسول اللہؐ نے اور آپ کے صحابہ نے کفر کے خلاف جو جنگیں لڑی ہیں وہ محض جنگیں نہ تھیں بلکہ خدا کا عذاب تھا جو سنت الٰہی کے عین مطابق نازل کیا گیا چنانچہ لوگوں کے خلاف محض کفر کی وجہ سے جنگ اور کفار کو محکوم بنا کر رکھنے کا حق بھی آپ اور صحابہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے[مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۰۳] کفر کے خلاف جنگ قتال فی سبیل اللہ کی پہلی صورت ہے اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ کے قانون اتمام حجت سے ہے[مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۰۲] مگر یہ عجیب عذاب تھا کہ کفار غالب اور عذاب لانے والے مغلوب ہو گئے---اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غامدی صاحب کا قانون اتمام حجت محض لفظوں کی تماشہ گاہ اور تضادات کی جلوہ گاہ ہے۔

امت یہود پر اللہ نے قیامت تک عذاب مسلط کیا ہے اور قرآن میں اس عذاب کی صراحت ہے۔غامدی صاحب بھی امت یہود پر قیامت تک مغلوبیت کے عذاب کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں اللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل پر اب ہمیشہ کے لیے مسیح کو ماننے والوں کا غلبہ ہوگا اور وقتاً فوقتاً ایسے لوگ ان پر مسلط ہوتے رہیں گے جو انہیں نہایت بُرے عذاب چکھائیں گے وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۷:۱۶۷ [میزان ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۹]قرآن نے اور غامدی صاحب کی میزان نے عذاب کی بشارت یہود کو دی ہے مگر غامدی صاحب یہود سے متعلق عذاب کی بشارت کو مسلمانوں سے ملحق قرار دیتے ہیں، آخر کیوں؟ امت یہود سے اس تعلق قلبی کی کیا وجہ ہے؟ اس تعلق کا اظہار میـــزان میں جگہ جگہ چھلک پڑتا ہے حتیٰ کہ قانونِ دعوت میں بھی یہود سے محبت کے باعث امت مسلمہ کو یہود کے مماثل قرار دیتے ہیں اور امت یہود کی محبت میں قیامت تک ان کے غلبے کے امکان کا بھی اظہار کرتے ہیں جبکہ یہ امکان ان کے اپنے اصول اور قرآن کی نص صریح کے منافی ہے۔ایک طرف لکھتے ہیں کہ اللہ نے بنی اسمٰعیل کو امت وسط قرار دیا جس کے ایک طرف خدا اور اس کا رسول اور دوسری طرف ''الناس''، یعنی دنیا کی سب اقوام ہیں اور فرماتا ہے کہ جو شہادت رسول نے تم پر دی ہے اب وہی شہادت باقی دنیا پر تمہیں دینا ہوگی[میزان ۲۰۰۸ء، ص ۵۵۰] دوسری طرف بنی اسرائیل کو بنی اسمٰعیل کے مساوی درجہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل دونوں اس وقت عذابِ الٰہی سے دوچار ہیں[میزان ۲۰۰۸ء، ص ۵۵۰] بنی اسرائیل کا عذاب تو ہمیشگی کا عذابِ مغلوبیت ہے [میزان ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۹] یہ عذاب اللہ نے قیامت تک مسلط کیا اس کا بنی اسمٰعیل سے کیا تعلق؟ یہ دونوں بیانات ہی [oxymoron] ہیں۔

غامدی صاحب نے امت یہود کے لیے----امت رسالت مآبؐ کی طرح قیامت تک کبھی بھی غلبے کا امکان ظاہر کیا ہے جو محال ہے۔کیونکہ ہمیشگی کا عذاب ان پر اس لئے مسلط کیا گیا کہ انہوں نے مسیح کا انکار کیا، انہیں قتل کیا، اور کتاب میں تحریف کر کے دین کو مسخ کر دیا۔----اب مسخ شدہ، محرف دین کے ساتھ وہ حق کیسے پا سکتے ہیں۔اور جب حق سے محروم ہیں تو وہ حق پر کیسے قائم ہو سکتے ہیں۔اور جب حق ان کے پاس موجود ہی نہیں ہے تو وہ اسے قطعیت سے دوسری اقوام تک کیسے پہنچا سکتے ہیں، جب وہ حق پہنچانے کے قابل ہی نہیں ہیں تو دنیا پر وہ کیسے غالب ہو سکتے ہیں زوال اور انحراف میں فرق ہے۔یہود نے دین

سے عقیدے سے انحراف کیا دین کو کھیل تماشہ بنالیا اور اپنے قلم سے خودئی شریعت لکھی لہٰذا انحراف کی سزا عذاب ہے زوال عمل کی کوتاہی ہے عقیدے کا انحراف نہیں خود غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ یقیناً امت مسلمہ کبھی ضلالت (بدعت،حرام) پر مجتمع نہیں ہوسکتی بدیہیات دین سے انحراف نہیں کرسکتی اس کا اجماع غلطی پر ہوسکتا ہے مگر عقلاً محال ہے کہ پوری امت کسی ضلالت پر جمع ہوجائے کیونکہ دین کے معاملے میں ہدایت اور ضلالت کا فرق اتمام حجت کے درجے میں واضح کر دیا گیا ہے[مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۱] جب امت عقیدے کے معاملے میں کامل ہدایت پر ہے تو اس پر عذاب کا کیا سوال؟ عذاب ان پر آتا ہے جو اپنی کتاب میں تحریف کرتے ہیں شریعت کے احکامات بدل دیتے ہیں توحید کے نام پر شرک اختیار کر لیتے ہیں یہود عقیدے کے معاملے میں کامل گمراہی پر ہیں لہٰذا مسلمان اور یہود یکساں درجے کے مجرم نہیں مانا کہ تلاطم میں سفینہ ہے ہمارا لیکن یہ سفینہ ابھی ڈوبا تو نہیں ہے۔عذاب ڈوبنے والوں پر آتا ہے ممکنہ طور پر ابھرنے والوں کے لئے نہیں آتا حالت زوال حالت عذاب نہیں ہے لیکن غامدی صاحب لکھتے ہیں:

ذریت ابراھیم [یہودی،عیسائی،مسلم] کا یہی منصب ہے جس کے تحت اگر یہ حق پہ قائم ہوا اور اسے قطعیت سے دنیا کی سب قوموں تک پہنچاتی رہے تو ان کے نہ ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اسے غلبہ عطا فرماتے ہیں اور انحراف کرے تو ذلت اور محکومی کے عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں منی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل دونوں اس وقت اسی عذاب سے دوچار ہیں[میزان ۲۰۰۸ء ص ۵۵۰] امت مسلمہ کو امت کے عذاب میں مبتلا دکھانا غامدی صاحب کا کمال فن ہے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حق اب صرف الکتاب والوں کے پاس ہے لہٰذا امت یہود کے غلبے کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کریں لیکن غامدی صاحب کے منہاج فکر میں امت یہود کا غلبہ آج بھی ممکن ہے یہود پر خدا کا عذاب نازل ہو چکا مگر غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ امت مسلمہ پر بھی خدا کا عذاب نازل ہوگیا ہے۔قرآن سے اخذ کردہ ان دو اصولوں کی روشنی میں امت مسلمہ کے زوال کو خدا کا عذاب لکھنا[مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۷۴] خود قرآن کی بھی نفی ہے۔یا تو قرآن غلط ہے یا غامدی صاحب کے دونوں اصول غلط اور حسب معمول ان کے دونوں اصول غلط بھی ہیں اور [oxymoron] بھی ہیں۔یہود شہادت حق کے منصب سے ہمیشہ کے لیے ہٹا دیے گئے وہ اب قیامت تک عذاب میں مبتلا ہیں،انہیں کبھی غلبہ نہیں مل سکتا۔اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو یہود نہیں رہیں گے۔قرآن میں صراحت ہے کہ دین کی شہادت کے لیے بنی اسمٰعیل بھی اسی طرح منتخب کئے گئے جس طرح ان سے پہلے بنی اسرائیل منتخب کئے گئے تھے وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ [۲۲:۷۸] جب بنی اسمٰعیل چن لیے گئے تو اب بنی اسرائیل کا کردار خود بخود ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔

جب غامدی صاحب یہ لکھتے ہیں کہ زوال مسلم عذاب الٰہی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے زوال کو قرآن نے اللہ کا عذاب کہا ہے؟ زوال کا سبب مسلمانوں کے اعمال ہیں یعنی مسلمان خود ہیں یا اللہ کا عذاب اصل سبب ہے؟ کیا قرآن کی کوئی ایک آیت مسلمانوں کے زوال یا شکست کو عذاب الٰہی ثابت کرتی ہے۔؟ اللہ کے عذاب کے نزول کے بعد توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے یا بند ہوجاتا ہے۔عذاب کے زمانے میں برکتیں نازل ہوتی ہیں یا رُک جاتی ہیں؟ کیا عذاب کے زمانے میں فتنہ کے خلاف بھی جہاد منسوخ ہوجاتا ہے؟ عذاب کی علامات کیا ہوتی ہیں؟ عذاب صرف افراد پر آتا ہے یا مسلم حکومتوں اور حکمرانوں پر بھی آتا ہے؟ عذاب کے زمانے میں کیا قومی ترقی ہوتی رہتی ہے جیسے کہ ترکی،ملیشیاء،سعودی عرب،ایران اور پاکستان نے بہت سے معاشی

میدانوں میں عذاب کے دوران ہی بہت ترقی کی ہے۔ کیا عذاب الٰہی معاشی، مادی، دنیاوی ترقی پر اثر انداز نہیں ہوتا؟ کیا عذاب دنیا کے ایک ارب مسلمانوں پر نازل ہوا یا خاص ملکوں کے مسلمانوں پر۔ یہ عذاب امت پر آیا ہے یا مسلم قوموں پر۔ عذاب عالمی ہے، قومی، مقامی یا علاقائی۔ کیونکہ غامدی صاحب نے ان تمام ممالک کے بارے میں جہاں مساجد، حکومت کے نظم ونسق [control] میں ہیں بڑے فخر سے لکھا ہے "ضروری ہے کہ مسلمانوں کی حکومت جہاں بھی قائم ہو وہ مسجدوں پر اپنا اقتدار پوری قوت کے ساتھ قائم رکھے۔ یہ اقدام ناگزیر ہے اس کی برکات اگر کوئی شخص دیکھنا چاہے تو ان ملکوں میں جا کر دیکھ سکتا ہے جہاں مسجدوں کے انتظام کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے [میزان ۲۰۱۴ء، ص ۲۰۱، ۲۰۲] ظاہر ہے برکات کا نزول عذاب کے مرحلے میں ممکن نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ سعودی عرب، ترکی، شام، مصر، متحدہ عرب امارات وغیرہ وغیرہ۔ اللہ کے عذاب سے محفوظ علاقے ہیں جہاں برکات وانوار ربانی کا نزول ہوتا رہتا ہے او رامت عذاب والی ان بستیوں سے ان برکات والے خطوں میں منتقل ہو سکتی ہے۔ مساجد پر سرکار کا سب سے زیادہ سخت نظام شام میں ہے۔ شام پر اللہ کی کتنی برکتیں نازل ہو رہی ہیں۔ امت اس سے بخوبی واقف ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت کو عذاب کہنا نص کے خلاف ہے غامدی صاحب عذاب کا تعین نہیں کر سکتے یہ صرف اللہ جانتا ہے کہ کسے بخش دے کسے عذاب دے لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ [۳: ۱۲۸، ۱۲۹] اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ [۵: ۴۰] اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ النَّاسَ شَیۡئًا وَّ لٰکِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ [۱۰: ۴۴] قوم اپنے عمل کے باعث نعمت سے محروم ہوتی ہے ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمۡ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعۡمَةً اَنۡعَمَهَا عَلٰی قَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ [۸: ۵۳] مصیبت قوموں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ [۴۲: ۳۰] قرآن کہتا ہے مایوس نہ ہو اور طالب رحمت بنو قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ [۳۹: ۵۳] اور قُلۡ لِّمَنۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ قُلۡ لِّلّٰهِ کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ [۶: ۱۲] اللہ کی سنت ہے کہ وہ مہلت عمل دیتا ہے وَ رَبُّکَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَةِ لَوۡ یُؤَاخِذُهُمۡ بِمَا کَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَهُمُ الۡعَذَابَ بَلۡ لَّهُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ یَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا [۱۸: ۵۸] غامدی صاحب قرآن کی ان نصوص کو نظر انداز کر کے مسلمانوں کو یہودیوں کی طرح دائمی عذاب کی بشارت کیسے دے رہے ہیں؟

اسی لیے فتنے کے دور میں غامدی صاحب جیسے مجتہدین سے نہیں صاحب عزیمت لوگوں سے فتویٰ لیا جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارک کا ایک جیسا قول امہات کتب میں نقل ہوا ہے کہ فتنہ کا دور آ جائے تو جن لوگوں کی طرف (دشمنان دین کے) تیر ہیں اور جو پہاڑوں پر ہیں ان سے رجوع کرو۔ یعنی وہ لوگ جنہیں دین کے دشمن اپنا دوست سمجھتے ہیں اور وہ جو کفار ومشرکین سے موالات کا اور اپنی امت سے بغض وعناد کا تعلق رکھتے ہیں ان سے فتویٰ نہ لیا جائے۔

''دعوۃالامیر'' مرزابشیرالدین محمودصاحب قادیانی کادعوتی خط ہے یہ خط افغانستان کے امیر امان اللہ خان کودعوت دین کے سلسلے میں لکھا گیا تھا اورقادیانیت کے بارے میں ان حقائق کا غلط سلط جواب دینے کی کوشش کی گئی تھی جوعلماء کی تنقید کے باعث قادیانی فرقے کے بارے میں عالم اسلام میں عام ہوگئے تھے۔افغانستان میں قادیانیوں کوعلماء کی مخالفت کے باعث خطرات کا سامنا تھا۔کتاب میں قادیانی جماعت کے صحیح عقائد بیان کئے گئے ہیں۔یہ مکتوب کتابی شکل میں جلال الدین شمس انچارج تالیف وتصنیف ربوہ کے زیراہتمام شائع کیا گیا۔

ہمارے پیش نظر اشاعت کے ابتدائیے میں عبداللطیف بھاول پوری کے حوالے سے حاشیے میں تحریر موجود ہے کہ یہ کتاب اب نویں بار شائع ہورہی ہے۔آپ میزان ۲۰۱۳ء کے باب قانون جہاد کے صفحہ۵۹۲ سے لے کر۵۹۹ تک کا تقابلی مطالعہ مرزاصاحب کی عبارتوں سے کیجئے آپ کوکوئی فرق محسوس نہیں ہوگا وہی قالب وہی روح وہی ظاہر وہی باطن وہی ادعا وہی دلائل وہی فلسفہ وہی جوہر_____ غامدی صاحب کی خوب صورت اردو میں بیان ہوئے ہیں شاعر نے شاید اسی صورت حال کی ترجمانی کی ہے۔

انہی کے مطلب کی کہہ رہاہوں،زباں میری ہے بات ان کی انہی کی محفل سنوارتا ہوں، چراغ میرا ہے رات ان کی

اس مکتوب میں مرزاصاحب لکھتے ہیں:

چوتھااعتراض ہم پر یہ کیا جاتا ہے کہ ہم جہاد کے منکر ہیں۔مجھے ہمیشہ تعجب آیا کرتا ہے کہ اس قدر جھوٹ انسان کیونکر بول سکتا ہے کیونکہ یہ بات کہ ہم جہاد کے منکر ہیں، بالکل جھوٹ ہے، ہمارے نزدیک تو بغیر جہاد کے ایمان ہی کامل نہیں ہوسکتا۔جب قرآن کریم کے بیسوں مقامات پر جہاد کی تعلیم دی گئی ہے تو بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اور قرآن کریم کے شیدائی ہونے کے ہم جہاد کے منکر کس طرح ہوسکتے ہیں،ہاں ہم ایک بات کے سخت مخالف ہیں اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے نام پر خونریزی اور فساد اور غداری اور ڈاکہ زنی اور غارتگری کی جائے (غامدی صاحب مرزا قادیانی صاحب کے ان الفاظ کی جگہ اب دہشت گردی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں)۔

مرزاقادیانی لکھتے ہیں میں چاروں طرف سے جہاد جہاد کی آواز سنتا ہوں،مگر وہ کونسا جہاد ہے جس کی طرف خدا اور اس کا رسولؐ لوگوں کو بلاتے تھے اور آج کونسا جہاد ہے جس کی طرف لوگوں کو بلایا جاتا ہے قرآن کریم جس جہاد کی طرف ہمیں بلاتا ہے وہ تو یہ ہے کہ فَلاَ تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا [۲۵ : ۵۲] یعنی کافروں کی بات نہ مان اور اس قرآن کے ذریعہ سے کفار کے ساتھ ایک بہت بڑا جہاد کر مگر کیا آج مسلمان اسی جہاد بالقرآن کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں کس قدر لوگ ہیں جو قرآن کریم ہاتھ میں لے کر کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں کیا اسلام اور قرآن میں کوئی بھی ذاتی جوہر نہیں ہے جس سے وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ سکے صرف خدا ہی کا کلام ایسا بے اثر ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کے دل فتح نہیں ہوسکتے اس لئے تلوار کی ضرورت ہے جس سے لوگوں کو منوایا جائے۔اگر اسلام کے پھیلانے کے لئے تلوار کا جہاد جائز ہوتا تو اسلام بتاتا پس یہ بات غلط ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعے سے غیر مذاہب والوں کو اسلام میں داخل کرنے کا حکم دیتا ہے،اسلام تو سب سے پہلا مذہب ہے جو کہتا ہے کہ مذہب کے متعلق آزادی ہونی چاہیئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ [۲ : ۲۵۶] دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہیئے

کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوگئی ہے۔ پس ہر ایک شخص دلائل کے ساتھ دین کو قبول کرنے یا ردّ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اسی طرح فرماتا ہے وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْن[۲ : ۱۹۰] اور دین کی لڑائی ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر یہ خیال رکھو کہ زیادتی نہ کر بیٹھو، پس جب کہ اسلام صرف ان لوگوں سے دینی جنگ کرنے کا حکم دیتا ہے جو دین کے نام پر مسلمانوں سے جنگ کریں اور مسلمانوں کو جبراً اسلام سے پھیرنا چاہیں اور ان کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ زیادتی نہ کرو بلکہ اگر وہ باز آجائیں تو تم بھی اس قسم کی لڑائی کو چھوڑ دو۔ تو پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا حکم ہے کہ غیر مذہب والوں سے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ تو مختلف مذہبوں کو مٹانے کے لئے نہیں بلکہ مختلف مذہبوں کی حفاظت کے لئے جنگ کا حکم دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْر . الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْز[۲۲ : ۳۹ تا ۴۰] یعنی اجازت دی گئی ہے ان لوگوں کو جن سے بلاوجہ جنگ کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے ہیں ان کا کوئی قصور نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا رب ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعے بعض کا ہاتھ نہیں روکتا تو مسیحیوں کے معبد اور راہبوں کے خلوت خانے اور یہود کی عبادت کی جگہیں اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں۔

یہ آیات کس قدر کھلے الفاظ میں بتاتی ہیں کہ مذہبی جنگیں تبھی جائز تھیں جبکہ کوئی قوم ربنا اللہ کہنے سے روکے یعنی دین میں دخل دے اور ان کی غرض یہ نہیں کہ دوسری اقوام کے معابد ان کے ذریعہ سے گرائے جائیں اور ان سے ان کا مذہب چھڑوا دیا جائے یا اُن کو قتل کیا جائے بلکہ ان کی غرض یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے تمام مذاہب کی حفاظت کی جائے اور سب مذاہب کے معابد کو قائم رکھا جائے اور یہی غرض اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے کیونکہ اسلام دنیا میں بطور شاہد اور محافظ کے آیا ہے نہ کہ بطور جابر اور ظالم کے۔

غرض جہاد جس کی اسلام نے اجازت دی ہے، یہ ہے کہ اس قوم کے خلاف جنگ کی جائے جو اسلام سے جبراً لوگوں کو پھیرے یا اس میں داخل ہونے سے جبراً باز رکھے اور اس میں داخل ہونے والوں کو صرف اسلام کے قبول کرنے کے جرم میں قتل کرے، اس قوم کے سوا دوسری قوم سے جہاد نہیں ہوسکتا، اگر جنگ ہوگی تو صرف سیاسی اور ملکی جنگ ہوگی جو دو مسلمان قوموں میں بھی آپس میں ہوسکتی ہے۔

یہ ظالمانہ جنگ (یعنی جہاد) جو بعض دفعہ ڈاکہ اور خونریزی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوتی، بدقسمتی سے غیر مذاہب سے مسلمانوں میں آئی ہے ورنہ اسلام میں اس کا نام ونشان نہ تھا وہ (مسلمان) نہیں دیکھتے وہ ظالمانہ جنگیں جن کا نام جہاد رکھا جاتا ہے اسلام کو فائدہ نہیں بلکہ نقصان پہنچا رہی ہیں۔ وہ کون سی طاقت ہے جس نے اس ہتھیار کے ذریعے فتح پائی ہو۔ جنگ میں تعداد کام نہیں آیا کرتی بلکہ ہنر اور انتظام اور تعلیم اور سامان اور جوش اور دوسری قوموں کی ہمدردی کام آتی ہے۔ بعض چھوٹی چھوٹی قومیں ان امور کی وجہ سے بڑی بڑی حکومتوں کو شکست دے دیتی ہیں اور اگر یہ باتیں نہ ہوں تو بڑے بڑے لشکر بھی کم زور

اور بے فائدہ ہوتے ہیں۔ پس بہتر ہوتا کہ مسلمان اپنی حفاظت کے لئے ان سامانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے نہ کہ جہاد کے غلط معنی لے کر اسلام کو بدنام کرتے اور خود بھی نقصان اُٹھاتے کیوں کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی قوم اپنے مذہب کی آڑ میں دنیاوی جنگیں کرتی ہے تو سب اقوام اس کی مخالفت میں اکٹھی ہو جاتی ہیں کیوں کہ وہ اس سے ایک ایسا خطرہ محسوس کرتی ہیں جس سے عادل سے عادل حکومت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی ہر ایک غیر مذہب کی حکومت خیال کر لیتی ہے کہ مَیں اس سے کتنا ہی اچھا معاملہ کروں مجھے اس سے امن حاصل نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس کی جنگ ظلم یا فساد کی بناء پر نہیں بلکہ مذہب کے اختلاف کی بناء پر ہے۔ غرض ہم جہاد کے منکر نہیں ہیں بلکہ جہاد کے ان غلط معنوں کے مخالف ہیں جن سے اس وقت اسلام کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور ہمارے نزدیک مسلمانوں کی ترقی کا راز اس مسئلے کو سمجھنے میں مخفی ہے اگر وہ اس امر کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جہاد کبیر قرآن کریم کے ذریعے سے ہو سکتا ہے، نہ کہ تلوار سے۔ [مرزا بشیر الدین محمود، دعوۃ الامیر ، تحفۃ الملوک الحمدللہ کہ مجلد سوم از کتاب تحفۃ الملوک مسمّٰی بہ ''دعوۃ الامیر'' امام جماعت احمدیہ خلیفہ دوم مرزا غلام احمد قادیانی بخدمت عالی امیر امان اللہ خان افغانستان ناشر الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ سال اشاعت ندارد، ص۴۲ تا ۴۶]

غامدی صاحب نے بھی میزان کے باب قانون، دعوت اور قانون جہاد میں یہی بات لکھی ہے۔ یہی اصول بیان کئے ہیں، انہی دلائل سے اپنے مؤقف کو آراستہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے آزادانہ فیصلے سے جو دین اور جو نقطہ نظر چاہیں اختیار کریں جو گروہ دوسروں کو بالجبر ان کا دین چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے تو یہ درحقیقت اللہ کی پوری اسکیم کے خلاف اعلان جنگ ہے [میزان ۲۰۰۸ء ص ۵۹۵] مرزا صاحب کے الفاظ بھی حرف بہ حرف یہی ہیں۔ اگر واقعتاً یہی دین ہے تو اللہ نے اور رسول اللہؐ نے سورہ توبہ کے ذریعے کفار مشرکین اہل کتاب کو جبراً دین قبول کرنے اور دین قبول نہ کرنے کی صورت میں مشرکین کو قتل اور اہل کتاب کو مغلوب بنا کر رکھنے کا حکم کیوں دیا؟ کیا اللہ اپنی اسکیم کے خلاف خود ہی رسول کو حکم دے رہا تھا ___ اہل مکہ تو رسولؐ کے دشمن تھے مگر مکہ کے اردگرد آٹھ قوموں کے بادشاہوں نے تو مسلمانوں پر کوئی ظلم نہیں کیا وہ سب عربی بھی نہیں جانتے تھے انہوں نے قرآن بھی نہیں سنا تھا مگر رسالت مآبؐ نے سب کو صرف ایک خط لکھ کر حکم دیا کہ اسلام قبول کرلو جزیہ دو یا جنگ کے لئے اور قتل کے لئے تیار ہو جاؤ یہ اللہ کی کونسی اسکیم تھی کہ اپنا مذہب چھوڑ دو؟ غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ کسی کو مذہب بدلنے پر مجبور کرنا فتنہ ہے اس کی سزا قتل ہے صرف اس کے خلاف اسلام جہاد کا حکم دیتا ہے [میزان ۲۰۱۳ء قانون جہاد ص ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۹۲، ۵۹۳] اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے اللہ کی اسکیم کے خلاف، آزادی کے خلاف اعلان جنگ کیا اور فتنہ برپا کر کے لوگوں کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کیا (نعوذ باللہ)۔

دوسروں کو بالجبر مذہب سے برگشتہ کرنے کی روایت اب بڑی حد تک دنیا سے ختم ہو گئی ہے لیکن انسان جب تک انسان ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کب اور کس صورت میں پھر کبھی زندہ ہو جائے اور اللہ کی زمین پر اس طرح کا فتنہ سر اُٹھائے اور مسلمانوں کی حکومت اگر اتنی طاقت رکھتی ہو کہ وہ اسکا استحصال کر سکے تو اس پر لازم ہے کہ مظلوموں کی مدد کے لئے اٹھے (یہاں مظلوموں سے مراد مسلمان نہیں بلکہ ہر وہ شخص ہے جسے اس کا مذہب بدلنے پر مجبور کیا جا رہا ہو عیسائی، ہندو، یہودی، جین مت، بدھ مت کسی بھی مذہب کا ماننے والا) اور اللہ کی اس راہ میں جنگ کا اعلان کر دے یہ قرآن کا ابدی حکم ہے [میزان ۲۰۰۸ء ص ۵۹۵] ظلم و عدوان کے خلاف جہاد شریعت کا ابدی حکم ہے اس کے لئے سورہ الحج میں قرآن نے تلوار اٹھانے کا حکم دیا تا کہ امن و آزادی کی فضا دنیا میں بحال ہو اگر یہ اجازت نہ دی جاتی تو قوموں کی سرکشی اس انتہا کو پہنچ جاتی کہ تمدن کی بربادی تو کیا معبد تک ویران کر دئے جاتے اور ان جگہوں پر خاک اڑتی جہاں اب روز و

شب اللہ کا نام لیا جاتا ہے

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْر . الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ

النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْز[۲۲ : ۳۹ تا ۴۰] [میزان ۲۰۰۸ ص ۵۷۹] قرآن میں جہاد کا حکم اصلاً فتنہ کے استیصال کے لیے آیا ہے اس کے معنی کسی شخص کو ظلم و جبر کے ساتھ اس کے مذہب کے برگشتہ کرنے کی کوشش کے ہیں اسے Persecution کہتے ہیں۔ یہ ظلم وعدوان ہے، صرف اس کے خلاف جہاد کیا جا سکتا ہے [مقامات ۲۰۱۴ء، ص۲۰۴] بلا شبہ جہاد اسلام کا حکم ہے۔قرآن اپنے ماننے والوں سے تقاضہ کرتا ہے کہ ان کے پاس طاقت ہو تو وہ ظلم وعدوان کے خلاف جنگ کریں یہ ہدایت اصلاً فتنہ کے استیصال کے لیے کی گی ہے۔ظلم و جبر کے ساتھ کسی کو مذہب سے برگشتہ کرنا Persecution ہے [مقامات ۲۰۱۴ء، ص۳۰۹]

ظلم وعدوان کو فتنہ بھی کہہ سکتے ہیں فتنہ کے معنی کسی شخص کو ظلم و جبر کے ساتھ اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کے ہیں انگریزی میں اسے Persecution کہتے ہیں (مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش یہاں ہر مذہب کے لئے صرف اسلام کے لئے نہیں کسی کو بھی اس کا مذہب بدلنے پر مجبور کرنا) قرآن میں یہ لفظ جگہ جگہ اس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یہ قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے کیونکہ اللہ نے یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی ہے اس میں انسانوں کو حق دیا گیا ہے کہ وہ آزادانہ فیصلے سے جو دین چاہے اختیار کریں [میزان ۲۰۰۸ ص ۵۹۴ تا ۵۹۵] ایک جانب غامدی صاحب تمام لوگوں کو کفر پر قائم رہنے کی مذہبی آزادی قرآن کے ذریعے عطا کر رہے ہیں دوسری جانب اسی میزان میں لکھتے ہیں مسلمان مشرکین کو جہاں پائیں قتل کر دیں۔ اگر وہ ایمان لائیں، نماز، زکوٰۃ کا اہتمام کریں تو انہیں چھوڑ دیا جائے۔جن مشرکین سے معاہدہ ہے معاہدے کی مدت کے خاتمے پر انہیں بھی قتل کر دیا جائے یا وہ اسلام قبول کر لیں [میزان ۲۰۰۸ء، ص۶۰۰] رسول اللہؐ نے سرزمین عرب پر غلبے کے بعد عرب کے اردگرد کی آٹھ قوموں کو خط لکھ کر ان پر بھی اتمام حجت کر دیا۔صحابہ ان اقوام پر اسی اعلان کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ اسلام قبول کرو یا جزیہ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔اس کے سوا اب زندہ رہنے کی کوئی صورت تمہارے لیے باقی نہیں ہے۔ان میں سے کوئی قوم شرک کی علم بردار نہ تھی ورنہ ان کو بھی مشرکین عرب کی طرح قتل کر دیا جاتا [میزان ۲۰۰۸ء، ص۶۰۱] مشرکین عرب کو قتل کر دیا جائے، اہل کتاب کو غلام بنایا جائے اس لیے قتال کا حکم دیا گیا جس کا تعلق قانون اتمام حجت سے ہے [میزان ۲۰۰۸ء، ص۵۹۷] اس قانون کو ایک سنت الٰہی کے طور پر دیکھنا چاہیے۔انسانی اخلاقیات سے اس کا تعلق نہیں [میزان ۲۰۰۸ء، ص۵۸۰]

اللہ اور اس کے رسول نے اس آزادی کی اسکیم کے حکم پر خود عمل کیوں نہیں کیا۔حیرت یہ ہے کہ سورہ توبہ کا نزول غامدی صاحب کے اسی اصول کے خلاف ہوا اور مشرکین اور اہل کتاب کو اپنا دین جبراً چھوڑ کر---جبر، قتال اور عذاب کے ذریعے اسلام قبول کرنے یا سزا کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا گیا۔جہاد کا مقصد دنیا سے فتنہ ختم کرنا ہے اور جہاد صرف فتنہ ختم کرنے کے لیے ہو سکتا ہے۔جہاد کا حکم اسلام نے دیا مگر سورہ توبہ کے احکامات تو اسی فتنے (Religious Persecution) کا حکم دے رہے ہیں تو سوال یہ ہے کہ اسلام انسانوں کو دین کے معاملے میں آزادانہ فیصلے کا حق دینے م، فتنہ ختم کرنے آیا تھا یا فتنہ

پھیلانے آیا تھا۔ غامدی صاحب کے اس فلسفے کی زد اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب تک پہنچتی ہے۔ دوسرے معنوں میں دین اسلام دنیا میں رسول اور صحابہ کے ذریعے فتنہ پھیلانے ہی آیا تھا۔

مرزا قادیانی صاحب نے لکھا ہے کہ جہاد صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب کسی پر مذہب بدلنے کے لئے ظلم کیا جائے غامدی صاحب کا مؤقف بھی حرف بہ حرف یہی ہے ___ سوال یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے کفار مکہ کے خلاف جو جنگیں کی وہ جہاد ہیں یا نہیں ____ یہاں غامدی صاحب اور مرزائے قادیان دوم میں تھوڑا سا اختلاف ہے مرزا صاحب کے مطابق رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو دین سے جبراً روکنے پر جہاد کیا غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے کبھی جہاد نہیں کیا بلکہ جو کچھ جنگیں رسول اللہؐ نے لڑیں ان کا تعلق قتال کی دوسری صورت اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف خوں ریزی سے ہے اس کا تعلق شریعت سے نہیں اللہ کے قانون اتمام حجت سے ہے [میزان ۲۰۰۸ء ص ۵۷۷] یہ قتال خونریزی جنگ اور جہاد مرزا قادیانی صاحب کی نظر میں صرف جہاد ہے اور شریعت کا حکم ہے جو سورہ حج سے ثابت ہے۔

غامدی صاحب مرزا قادیانی صاحب سے آگے بڑھ کر لکھتے ہیں رسول اللہؐ نے کفار و مشرکین مکہ اور عرب کے اردگرد آٹھ قوموں کے خلاف جو قتال کیا وہ جہاد نہیں تھا وہ قتال کی دوسری صورت تھی اس دوسری صورت اتمام حجت کے بعد منکرین کے قتال کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ دوسری صورت کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ کے قانون اتمام حجت سے ہے جو اس دنیا میں ہمیشہ اس کے براہ راست حکم سے اور انھی ہستیوں کے ذریعے روبہ عمل ہوتا ہے جنھیں وہ رسالت کے منصب پر فائز کرتا ہے انسانی تاریخ میں یہ منصب آخری مرتبہ محمد رسول اللہ ؐ کو حاصل ہوا۔ اس قانون کی رو سے اللہ کی حجت جب رسول کے ذریعے کسی قوم پر پوری ہو جاتی ہے تو ان کے منکرین پر اسی دنیا میں عذاب آجاتا ہے [میزان ۲۰۰۸ء ص ۵۸۰] قتال کی دو صورتیں قرآن میں ہیں (۱) کفر کے خلاف جنگ (۲) ظلم و عدوان کے خلاف جنگ پہلی صورت کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ کے قانون اتمام حجت سے ہے جو رسولؐ کے ذریعے روبہ عمل ہوتا ہے اس قانون کے تحت آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے جو جنگیں لڑیں وہ محض جنگیں نہ تھیں بلکہ خدا کا عذاب تھا جو پہلے مشرکین عرب اور پھر بعد میں جزیزہ نمائے عرب سے باہر کی بعض قوموں پر نازل کیا گیا [مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۰۲ تا ۲۰۳] جہاد کا حکم اصلاً فتنے کے استیصال کے لئے آیا ہے فتنہ کو Persecution کہتے ہیں [مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۰۴] ظاہر ہے غامدی صاحب کے فلسفہ اتمام حجت کے تحت رسولؐ کی ساری جنگیں اتمام حجت کے قانون کے تحت لڑی گئیں مگر غامدی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ زمانہ رسالت کی یہ جنگیں زیادہ تر اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت کے تحت لڑی گئیں [میزان ۲۰۰۸ء، ص ۶۰۷] یعنی عذابِ الٰہی کو جنگ کہا جاسکتا ہے اور کچھ جنگوں کا تعلق عذاب سے نہیں تھا۔ ایک جگہ وہ اس عذاب کو مہمات لکھتے ہیں۔ اور ان مہمات کی دو قسمیں بتاتے ہیں۔ یہی معاملہ مہمات کی ضرورت کے لحاظ سے بھی ہوا اور احد، تبوک کے مواقع پر ہر مسلمان کو اس ذمہ داری (کفار پر عذاب نازل کرنے) کا مکلّف ٹھہرایا گیا جنہوں نے نکلنے میں کمزوری دکھائی۔ انہیں سخت محاسبے کا سامنا کرنا پڑا [میزان ۲۰۰۸ء، ص ۵۸۴] لیکن جن مہمات کے لیے سب مسلمانوں کے (کفار پر عذاب نازل کرنے کے لیے) نکلنے کی ضرورت نہ تھی ان کے موقع پر اللہ نے واضح فرمادیا کہ اب معاملہ [کفار پر عذاب نازل کرنے کا معاملہ] درجۂ فضیلت حاصل کرنے کا ہے۔ مگر جہاد کے لیے نکلنے کی ذمہ داری اس وقت تمام مسلمانوں پر عائد نہیں ہوتی۔ عذاب مہمات جہاد کی اصطلاح کے ساتھ ایک اور اصطلاح اقدام کا حق، جارحیت کے خلاف تلوار اٹھانا، فتنہ کے خلاف جنگ بھی استعمال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ اور صحابہ عذاب نازل نہیں کر رہے تھے، اپنا

دفاع کررہے تھے۔ لکھتے ہیں سورہ حج میں بانھم ظلموا کا اشارہ انہی مظالم کی طرف ہے۔قرآن نے مسلمانوں کو (صحابہ کو) یہ حق دیا کہ اب وہ جارحیت کے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں۔یہ اقدام کا حق ہے جو نظم اجتماعی کو حاصل ہے [میزان ۲۰۰۸ء،ص۵۸۱] غامدی صاحب اس عذاب کو جو اتمام حجت اور ہجرات وبرات کے بعد نازل ہوا اسے جہاد کہتے ہیں، لکھتے ہیں 'اس سرزمین میں محمدﷺ کے لیے فتنہ کی جو حالت پیدا کردی گئی ہے اسے ختم کرنے کے لیے تلوار اٹھانے کا حکم دیا گیا[میزان ۲۰۰۸ء،ص۵۹۵] پھر لکھتے ہیں کہ رسولؐ کے معاملے میں یہی دوسری صورت پیدا ہوئی چنانچہ اتمام حجت کے بعد عذاب کا فیصلہ رسول اور اس کے ساتھیوں کی تلواروں کے ذریعے نافذ کیا جاتا ہے [میزان ۲۰۰۸ء،ص۵۹۸] اتمام حجت کے بعد تو ہجرات وبرات اور عذاب آجاتا ہے پھر یہ جہاد وغیرہ کہاں سے آگئے؟ یعنی عذاب کو مہمات کہتے ہیں،اسے جہاد،اقدام کا حق، جارحیت کے خلاف تلوار اٹھانا کہتے ہیں اوراللہ تعالیٰ کا یہ عذاب دوقسم کا ہوتا ہے۔پہلی قسم کا عذاب فرض جس میں ہر مسلمان حصہ لے گا۔دوسری قسم کا عذاب ہلکا جس میں حصہ لینا محض فضیلت کا معاملہ رہ جاتا ہے۔

غامدی صاحب نے میزان کے باب قانون جہاد میں اس قتال کے پانچ مرحلے انہوں نے بیان کئے ہیں۔قرآن بتاتا ہے کہ عذاب کا یہ فیصلہ رسولوں کی طرف سے انذار، انذار عام، اتمام حجت، ہجرت وبرات کے مرحلے سے گزرکر صادر ہوتا ہے قیامت صغریٰ برپا ہوجاتی ہے (میزان ۲۰۰۸ء ص ۵۹۷) عذاب کے آخری مرحلے کو غامدی صاحب قانون دعوت میں جزاوسزا کہتے ہیں[میزان ۲۰۰۸ء ص۵۴۳] اس مرحلے سے پہلے مرحلہ ہجرات وبرات ہے[میزان ۲۰۰۸ء ص۵۴۱] ہجرت وبرات کے بارے میں غامدی صاحب لکھتے ہیں اللہ کا پیغمبر تبلیغ کا حق آخری درجے میں ادا کر کے حجت تمام کردیتا ہے اس لئے اپنی قوم کی تکفیر کر کے اس کے عقیدے اور مذہب سے بےزاری کا اعلان کر کے اسے چھوڑنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے(یعنی ہجرت کرتا ہے)[میزان ۲۰۰۸ء ص۵۴۱] واضح رہے کہ ہجرت کا یہ فیصلہ پیغمبر خود نہیں کرتا۔ہجرت کا حکم اللہ ہی دیتے ہیں۔[میزان ۲۰۰۸ء،ص۵۴۲] اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کے لیے اپنی عقل ورائے سے یہ فیصلہ کر لینا کہ اس کی طرف سے حجت پوری ہوگئی ہے اور قوم سے کسی مثبت ردعمل کی توقع نہیں کی جاسکتی، کسی طرح ممکن نہیں ہے۔[میزان ۲۰۰۸ء،ص۵۴۲]

ہجرت کے بعد کیا ہوتا ہے غامدی صاحب لکھتے ہیں جزاوسزا یہ آخری مرحلہ ہے اس میں آسمان کی عدالت زمین پر قائم ہوتی ہے خدا کی دینونت کا ظہور ہوتا ہے اور پیغمبر کی قوم کے لئے ایک قیامت صغریٰ برپا ہوجاتی ہے[میزان ۲۰۰۸ء ص۵۴۳] غامدی صاحب میں اور مرزا قادیانی صاحب میں بس ایک فقہی جزوی اختلاف ہے ورنہ دونوں حضرات کے افکار ہوبہو ایک جیسے ہیں مرزا صاحب اور غامدی مشترکہ طور پر فرماتے ہیں کہ کفار مکہ کے مظالم کے خلاف رسول اللہؐ نے جہاد کیا لہٰذا دنیا میں جس کسی مذہب والے پر جبراً مذہب بدلنے کا ظلم ہو مسلمانوں کو مذہب کی اس جبری تبدیلی کے خلاف رسول کی طرح جہاد کرنا چاہیے۔

ہر شخص کو اس کے مذہب پر قائم رکھنے کے لیے خواہ وہ مذہب اسلام نہ ہو دنیا بھر میں جہاد اللہ کا حکم ہے دوسرے معنوں میں غامدی صاحب اور قادیانی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر شخص کو اس کے کفر پر قائم رکھنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے اس امر کے سوا جہاد حرام ہے اور اسلام کے فروغ، غلبے اور اسلامی حکومت، خلافت، ریاست، سلطنت، بادشاہت کے لیے بھی جہاد حرام ہے مرزا صاحب تو لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو مختلف مذہبوں کو مٹانے کے لئے نہیں

بلکہ مختلف مذہبوں کی حفاظت کے لئے جنگ کا حکم دیتا ہے [مرزا بشیر قادیانی دعوت الامیر، ص ۴۷] یہی بات غامدی صاحب نے لکھی ہے

اسلام میں جہاد کیوں حرام ہے غامدی صاحب کی تحقیق ہے کہ کیونکہ اسلام دنیا میں اپنے ماننے والوں کی حکومت قائم کرنے کے لیے نہیں آیا [مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۸۲] اسلام کا مخاطب فرد ہے وہ اس کے دل ودماغ پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے [مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۸۱] اسلامی حکومت کے قیام کا حق نہ تورات میں ہے نہ قرآن میں (حکومت اور غلبے) اس وعدے کا ظہور تکوینی طور پر ہوتا ہے اوراس کے اسباب بھی اسی طریقے سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ان کا کام صرف یہ ہے کہ خدا کے سب حکموں پر عمل کریں اور شہادت کی ذمہ داری ادا کریں [مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۵]

غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق امت مسلمہ کا دنیا پر غلبہ اور امامت وحکومت شریعت کے تمام حکموں پر ان کے مکمل عمل سے مشروط ہے ۔اگر امت شریعت پر کامل عمل کرے اور دین حق کو قطعیت کے ساتھ پہنچاتی رہے تو اللہ تعالیٰ جہاد، قتال، جدوجہد، کوشش، مصائب، مسائل، آزمائش، تکالیف کے بغیر اسے غلبہ تکوینی طور پر خود عطا کردیتے ہیں لیکن اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ دین کے تمام حکموں پر کامل عمل کے لیے اسلامی ریاست، خلافت کا ہونا لازمی ہے ۔کیونکہ موکول علی السلطان کے لیے ریاست کا وجود امر لازم ہے۔دین کے پانچ اہم ترین احکامات پر ریاست، حکومت کے بغیر عمل نہیں ہوسکتا۔انہی معنوں میں اسلام مغرب کی نظر میں دنیا کا واحد مذہب ہے جو احکامات شریعت کے نفاذ اور شریعت پر کامل عمل کے لیے ریاست کا طالب ہے ۔اسلام کی جبلت سیاست ہے یہ Political Islam ہے یعنی اسلامی شریعت کی تکمیل، اس کا نفاذ، نفوذ اور اس پر کامل عمل ریاست اسلامی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔خود غامدی صاحب نے برہان میں یہی لکھا ہے کہ نماز جمعہ، زکوٰۃ، جہاد، فے، اقامت حدود کے لیے ریاست کا ودجود لازمی ہے۔وہ لکھتے ہیں اسلامی شریعت سے واقف ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اس میں جمعہ، زکوٰۃ، فے، قتال اور اقامت حدود، یہ پانچ حکم ایسے ہیں جن کے لیے سلطان یعنی اقتدار اور صاحب اقتدار کا وجود ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے [جاوید غامدی، برہان، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء، ص ۲۲۹] جب ریاست موجود ہی نہیں ہے اور اسلام کو مقصود و مطلوب بھی نہیں ہے تو مسلمان غامدی صاحب کے اصول کے تحت ''خدا کے سب حکموں'' پر کبھی عمل نہیں کرسکیں گے لہٰذا تکوینی طور پر بھی مسلمانوں کا قیامت تک کبھی غلبہ ممکن ہی نہیں ہے یہ سب نتائج غامدی صاحب کے متضاد اصولوں [oxymoron principles] کے منطقی اور لازمی نتیجہ ہیں۔مسلمانوں کو جہاد سے بچانے کے نتیجے میں جہاد تو ختم ہوجائے گا اور حکومت وریاست جہاد کے بغیر قائم نہیں ہوگی۔اور جب ریاست نہیں ہوگی تو پانچ اہم ترین احکاماتِ شریعت پر عمل بھی نہیں ہوسکے گا تو مسلمانوں کا غلبہ قیامت تک کبھی ممکن نہیں ہوگا۔اس سے غامدی صاحب کا یہی مقدمہ ثابت ہوگیا کہ -----اسلام دنیا میں اپنے ماننے والوں کی حکومت قائم کرنے نہیں آیا [مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۸۲] لہٰذا نہ جہاد کی ضرورت ہے، نہ قتال کی ضرورت ----- نہ ریاست کی نہ حکومت کی اور نہ اقتدار کی ضرورت ہے۔غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق صرف جہاد نہیں ہجرت بھی اب نہیں ہوسکتی۔رسالت مآبؐ کی ہجرت کے بعد ہجرت ختم ہوگئی ۔اب ہجرت کی جگہ صرف منتقلی ہوسکتی ہے، مقامات میں لکھتے ہیں مسلمانوں کو مذہبی جبر کا نشانہ بنایا جائے تو وہ تشدد کا جواب تشدد سے دینے کے بجائے صبر کریں اور ممکن ہو تو اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسے مقام کی طرف منتقل ہوجائیں جہاں دین پر علانیہ عمل پیرا ہوسکیں [مقامات ۲۰۱۴ء۔ص ۱۶۹] سورہ نساء کی یہ آیت ،آیت ہجرت ہے مگر غامدی صاحب نے ہجرت ترجمہ منتقل ہونا کیا ہے۔کیونکہ ہجرت اب دینی اصطلاح نہیں رہی۔ہجرت کا حکم بھی معطل ہوگیا۔وہ صرف

رسول اللہ کے لیے تھا۔لہٰذا برہان میں لکھتے ہیں ہجرت صرف اللہ کے فیصلے سے ہوسکتی ہے۔وہ ہجرت ہمیشہ کے لیے ختم ہوئی۔دعوتِ دین کے مراحل میں اب ہجرت کا ذکر بے معنی بات ہے۔جس کی تائید نہ عقل سے ہوتی ہے نہ قرآن وسنت سے [جاوید غامدی برہان، لاہور، المورد، طبع چہارم، ۲۰۰۶ء، ص ۲۹۵]

غلبۂ دین کی جدوجہد: غامدی صاحب کا Oxymoron فلسفہ

رسالت محمدیؐ آفاقی نہیں قومی مقامی، علاقائی، نسلی، لسانی عربی تھی: جاوید غامدی، دیباچہ البیان، جلداول،۲۰۱۴ء، طبع دوم، ص ۹، ۱۱، ۱۲

غامدی صاحب نے یہی موقف میزان کے مقدمے میں بھی پیش کیا ہے میزان مقدمہ ۲۰۱۵ ص ۵۳، ۵۴

رسالت مآبؐ کی قوم بنی اسمٰعیل نے ام القریٰ سے اپنی قومی زندگی کا آغاز کیا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۷۰

قرآن نے رسالت مآبؐ کو صرف ادیان عرب اور سرزمین عرب پر غلبے کی بشارت دی تھی: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۱۷، ۱۰۷، ۱۷۴، ص ۵۹۵

رسالت مآبؐ ہر پیغمبر کی طرح صرف اور صرف اپنی قوم کے لئے مبعوث کئے گئے تھے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ ص ۱۷۰

سورہ توبہ کی آیات کی روشنی میں قتال کے اقدامات سے جنگ کا مقصد تو بالکل آخری درجے میں پورا ہو گیا جو یکون الدین کله الله میں بیان ہوا ہے: غامدی ۲۰۱۵ء، ص ۵۹۹

بقرہ اور انفال دونوں میں بالترتیب یکون الدین لله اور یکون الدین کله لله کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ اس سے پہلے جنگ کا حکم قتلو هم کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ سیاق کلام سے واضح ہے کہ اس میں ضمیر منصوب کا مرجع مشرکین عرب ہیں لہٰذا یہ بات تو بالکل قطعی ہے کہ ان الفاظ کے معنی یہاں اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ دین سرزمین عرب میں پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۵

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جو اقدامات کیے اور انھیں قتال کا جو حکم دیا گیا اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت جب کسی قوم پر پوری ہو جاتی ہے تو منکرین حق پر اسی دنیا میں اللہ کا عذاب آ جاتا ہے۔ غامدی، میزان ۲۰۱۵ ص ۵۹۵

البیان کے دیباچے اور میزان کے پہلے باب میں غامدی صاحب نے نصوص قرآن اور نظم قرآن کے فلسفے سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کا موضوع صرف رسالت محمدی، جزیرۃ العرب، اہلِ کتابِ عرب اور مشرکین تھے اور رسالت محمدی کا غلبہ صرف جغرافیۂ عرب اور صرف ادیان عرب تک محدود تھا۔ رسالت محمدیؐ کی آفاقیت کے بارے میں میزان خاموش ہے

وضاع کون محترم عمار ناصر صاحب یا غامدی صاحب

محترم عمار ناصر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ

سیّد خالد جامعی

البیان کے دیباچے میں غامدی صاحب رسالت محمدیؐ کے قومی، علاقائی عربی ہونے کے دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن میں اس کی تفصیلات کے مطابق رسول اپنے مخاطبین (اپنی قوم) کے لئے خدا کی عدالت بن کر آتا ہے اور ان کا فیصلہ کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ رسولوں کی دعوت میں یہ فیصلہ (۱) انذار، (۲) انذار عام، (۳) اتمام حجت اور (۴) ہجرت و براءت کے مراحل سے گزر کر صادر ہوتا اور اس طرح صادر ہوتا ہے کہ (۵) آسمان کی عدالت زمین پر قائم ہوتی، خدا کی دینونت کا ظہور ہوتا اور رسول کے مخاطبین (قوم رسول) کے لئے ایک قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی ہے۔ [البیان جلد اول، الفاتحہ -- المائدہ، ص ۸] رسولوں سے متعلق خدا کی وہ سنت لازماً روبہ عمل ہو جاتی ہے جو قرآن میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔ ترجمہ: ''ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا''۔ [سورہ یونس ۴۷]

دوسری صورت میں عذاب کا فیصلہ رسول اوراس کے ساتھیوں کی تلواروں کے ذریعے سے نافذ کیا جاتا ہے۔[جاوید غامدی البیان جلداول، الفاتحہ --المائدہ، لاہور المورد طبع دوم جنوری ۲۰۱۴ء، ص ۸]

نص قرآنی سے غامدی صاحب نے ثابت کیا کہ رسالت مآب ؐصرف اپنی قوم (عرب) کے لیے آئے تھے۔وہ لکھتے ہیں

نبیؐ کے معاملے میں یہی دوسری صورت پیدا ہوئی۔چنانچہ آپ کی طرف سے (۱) انذار، (۲) انذار عام، (۳) اتمام حجت، (۴) ہجرت و براءت اور (۵) اپنے مخاطبین (قوم عرب) کے لئے جزاوسزا کی یہ سرگزشت ہی قرآن کا موضوع ہے۔اِس کی ہر سورہ اسی پس منظر میں نازل ہوئی ہے اوراس کے تمام ابواب اسی لحاظ سے مرتب کیے گئے ہیں۔[البیان جلداول، الفاتحہ ایضاً--المائدہ، ص ۹]

قرآن کی تمام سورتیں آپس میں توام بنا کر اور سات ابواب کی صورت میں جمع کی گئی ہیں۔قرآن کے ان ساتوں ابواب میں سے ہر باب ایک یا ایک سے زیادہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔ان میں سے ہر باب کا ایک موضوع ہے۔

پہلے باب کا موضوع یہود و نصاریٰ پر اتمام حجت، اُن کی جگہ ایک نئی امت کی تاسیس، اُس کا تزکیہ وتطہیر اور اُس کے ساتھ خدا کا آخری عہد و پیمان ہے۔

دوسرے باب میں مشرکین عرب پر اتمام حجت، مسلمانوں کے تزکیہ وتطہیر اور خدا کی آخری دینونت کا بیان ہے۔

تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے باب کا موضوع ایک ہی ہے اور وہ انذار و بشارت اور تزکیہ وتطہیر ہے۔

ساتویں اور آخری باب کا موضوع قریش کے سرداروں کو انذار قیامت ان پر اتمام حجت اس کے نتیجے میں انھیں عذاب کی وعید اور نبیؐ کے لئے سرزمین عرب میں غلبہ حق کی بشارت ہے۔اسے ہم مختصر طریقے پر محض انذار و بشارت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔[البیان جلداول، الفاتحہ--المائدہ محولہ بالا، ص ۱۰، ۱۱]

نبیؐ کی بعثت کے نتیجے میں خدا کی جو عدالت سرزمین عرب میں قائم ہوئی اس کی روداد اس حسن ترتیب کے ساتھ اس کتاب میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دی گئی ہے۔اس لحاظ سے دیکھیے تو قرآن مذہب کا یہ بنیادی مقدمہ بالکل آخری درجے میں ثابت کر دیتا ہے کہ خدا کی عدالت پورے عالم کے لئے بھی ایک دن اسی طرح قائم ہو کر رہے گی۔[البیان جلداول، الفاتحہ--المائدہ، ص ۱۲]

غامدی صاحب نے البیان کے مقدمے میں صاف لفظوں میں واضح کر دیا کہ قانون اتمام حجت صرف قوم رسول اور صرف جزیرۃ العرب کے ساتھ خاص تھا۔

اس قانون کے پانچ مراحل (۱) انذار (۲) انذار عام (۳) اتمام حجت (۴) ہجرأت برات (۵) اور جزاوسزا۔کا تعلق صرف اور صرف رسول کی قوم اور جزیرۃ العرب سے تھا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کے ذریعے قوم عرب پر عذاب الٰہی نازل کر کے۔خدا کی عدالت سرزمین عرب میں قائم کی۔اور خدا کی یہ عدالت پورے عالم کے لیے اب آخرت میں ہی قائم ہو کر رہے گی۔قرآن کے ساتویں باب میں اللہ نے عذاب کی وعید اور غلبہ کی بشارت صرف اور صرف قوم عرب اور سرزمین عرب سے مشروط کی تھی۔یہ غلبہ اور بشارت صرف جزیرۃ العرب تک تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ رسالت محمدی نہ آفاقی تھی نہ عالمگیر وہ صرف اور صرف مقامی قومی علاقائی نسلی اور عربی تھی۔

غامدی صاحب نے اسی موقف کی ترجمانی مقامات ۲۰۱۴ء کے مضمون خدا کے فیصلے میں کی ہے وہ لکھتے ہیں فتح مکہ کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں مشرکین کے تمام معاہدے اسی کے تحت ختم کیے گئے لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب کی ہدایت بھی اسی کے

تحت ہے۔ چنانچہ سرزمین عرب میں اسی بنا پر نہ غیر اللہ کی عبادت کے لیے کوئی معبد تعمیر کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کافر و مشرک کو رہنے بسنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ یہ تمام احکام توحید کے اسی مرکز سے متعلق ہیں۔ ان کا دنیا کے کسی دوسرے علاقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء ص ۱۹۶]

میزان میں بھی غامدی صاحب نے رسالت محمدیؐ اور غلبہ دین کو صرف اور صرف مقامی، قومی، عربی، ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کا قانون اتمام حجت بھی صرف اور صرف قوم عرب کے لئے ہے اس قانون کے پانچوں مراحل کے مخاطب رسول عربی کی قوم ہے میزان کا قانون دعوت ملاحظہ فرمایئے۔ قانون دعوت میں غامدی صاحب نے صرف قوم عرب کو رسول کا مخاطب قرار دیا ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۳۳ تا ۵۳۶، ۵۳۸ تا ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۱، ۵۴۵، ۵۴۵] رسالت محمدی کی عربیت، علاقائیت اور غیر آفاقیت کے دلائل غامدی صاحب نے میزان میں نہایت مفصل طریقے سے پیش کیے ہیں اہم مقامات ملاحظہ کیجیے۔

<u>قرآن کا ساتواں باب صرف سرزمین عرب میں غلبہ سے متعلق ہے: غامدی</u>

غامدی صاحب فراہی صاحب کے فلسفے کے تحت قرآن کو سات ابواب میں تقسیم کرتے ہیں ان تمام ابواب میں ان کی تحقیق کے مطابق خطاب صرف اور صرف رسالت مآبؐ کی قوم مشرکین مکہ اور اہل کتاب عرب سے ہے اور منکرین نبوت کو عذاب کی وعید کے ساتھ رسالت مآب کو صرف سرزمین عرب میں غلبہ حق کی بشارت دی گئی ہے۔ میزان کے پہلے باب اصول ومبادی میں وہ لکھتے ہیں:

دوسرے باب میں مشرکین عرب پر اتمام حجت مسلمانوں کے تزکیہ وتطہیر اور خدا کی آخری دینونت کا بیان ہے

ساتویں اور آخری باب کا موضوع قریش کے سرداروں کو انذار قیامت ان پر اتمام حجت اس کے نتیجے میں انھیں عذاب کی وعید اور نبی ﷺ کے لیے سرزمین عرب میں غلبۂ حق کی بشارت ہے۔ اسے ہم مختصر طریقے پر محض انذار و بشارت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

پہلا باب اس لحاظ سے بالکل الگ ہے کہ مشرکین عرب کے بجائے وہ یہود و نصاریٰ کے لیے خاص ہے۔[میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۴]

<u>قرآن میں غلبہ کی بشارت صرف عرب کے لیے خاص ہے: غامدی</u>

''رسالت'' یہ ہے کہ نبوت کے منصب پر فائز کوئی شخص اپنی قوم کے لیے اس طرح خدا کی عدالت بن کر آئے کہ اس کی قوم اگر اسے جھٹلا دے تو اس کے بارے میں خدا کا فیصلہ اسی دنیا میں اس پر نافذ کر کے وہ حق کا غلبہ عملاً اس پر قائم کر دے ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے رسالت کا یہی قانون ہے جس کے مطابق خاص نبیؐ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے کہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے وہ سر زمین عرب کے تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ یہ بات عرب کے مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۶۹، ۷۰]

<u>قرآن نے صرف عرب پر غلبہ اور فتح مکہ کی پیش گوئی کی ہے: غامدی</u>

اللہ تعالیٰ بعض ایسے امورغیب پر نبی کو مطلع کر دیتے ہیں جن کا جان لینا کسی انسان کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔اس کی مثال وحی الٰہی کی پیشن گوئیاں ہیں جو حیرت انگیز طور پر بالکل صحیح ثابت ہوئیں۔سر زمین عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ، فتح مکہ اور لوگوں کے جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے کی پیشن گوئی سے قرآن کا ہر طالب علم واقف ہے[میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۳۴]

مکہ فتح ہوا بیت اللہ کی تولیت مسلمانوں کو منتقل ہوگئی خدا کے اس گھر کو بتوں سے پاک کر کے نماز اور قربانی دونوں اللہ کے لیے خاص کردی گئیں پورا عرب مسلمان ہوگیا اور ہر شخص نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ قرآن کی تعبیر کے عین مطابق لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں۔چنانچہ دین کو تمکن حاصل ہوا خدا کی شریعت نافذ ہوگئی اور کسی دوسرے دین کا اقتدار سر زمین عرب میں باقی نہیں نہیں رہا۔اس کے بعد بھی جو لوگ انکار پر قائم رہے ان کے متعلق ۹ ہجری میں حج اکبر کے موقع پر اعلان کر دیا گیا کہ حرام مہینے گزر جانے کے بعد وہ عذاب کی زد میں ہوں گے اور مسلمان ان کے مشرکین کو جہاں پائیں گے قتل کر دیں گے اور اہل کتاب کو محکوم بنا کر ان سے جزیہ لیں گے۔[غامدی،میزان ۲۰۱۵ء،ص ۱۷۴]

<u>نبیوں میں سے جو رسول ہوتے ہیں وہ اپنی قوم کا فیصلہ کرنے آتے ہیں:غامدی</u>

نبیوں میں سے جو رسول کے منصب پر فائز ہوتے ہیں وہ خدا کی عدالت بن کر آتے اور اپنی قوم کا فیصلہ کر کے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کے یہ پیغمبر اپنے پروردگار کے میثاق پر قائم رہتے ہیں تو اس کی جزا اور اس سے انحراف کرتے ہیں تو اس کی سزا انہیں دنیا ہی میں مل جاتی ہے[میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۳۴]

<u>پیغمبر کی قوم کے لیے قیامت صغریٰ برپا ہوتی ہے:غامدی</u>

تمام مراحل ختم ہوجانے کے بعد صرف جزا وسزا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔جزا وسزا کے آخری مرحلے میں پیغمبر کی قوم کے لیے قیامت صغریٰ برپا ہوجاتی ہے[میزان ۲۰۱۵ء،ص ۵۴۱]

<u>قوم کو انذار کی شرط یہ ہے کہ قرآن کے ذریعے کیا جائے:غامدی</u>

قرآن بتاتا ہے کہ (رسول) وہ اس انذار کو اپنی قوموں پر شہادت کے مقام تک پہنچا دینے کے لیے بھی مامور تھے[میزان ۲۰۱۵ء،ص ۵۳۳]

غامدی صاحب نے قانون دعوت میں لکھا ہے کہ انذار کا ذریعہ قرآن مجید کو بنایا جائے یہ حکم قرآن نے سورہ ق آیت پینتالیس[۵۰:۴۵] اور فرقان کی آیت باون[۲۵:۵۲] میں دیا ہے قرآن میں آتا ہے اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعے سے تمہیں انذار کروں اور ان کو بھی جنھیں یہ پہنچے[میزان ۲۰۱۵ء،ص ۵۵۳،۵۵۴] غامدی صاحب کے اصول کے تحت کسی بھی

قوم کوانذار،انذار عام۔قرآن کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

<u>رسول اللہ ﷺ صرف اپنی قوم کے لئے اتمام حجت کے لئے آئے: غامدی</u>

ام القریٰ سے بنی اسمٰعیل نے اپنی قومی زندگی کا آغاز کیا اور خدا کی زمین پر بیت الحرام کی تولیت انھیں عطا کی گئی[میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۷۰]

اس شخصیت اور اس سیرت و کردار کے ساتھ آپ نے اپنی دعوت پیش کی، مگر قوم نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔آپ نے انہیں خبردار کیا کہ نبوت کے ساتھ آپ رسالت کے منصب پر بھی فائز ہیں اور خدا کی عدالت بن کر آئے ہیں۔لہٰذا جو قیامت صغریٰ قوم نوح، قوم لوط، قوم شعیب اور عاد و ثمود کے لئے برپا ہوئی تھی وہ آپ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد آپ کی قوم کے لئے بھی برپا ہو جائے گی۔[میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۷۱] یہ ایک غیر معمولی اعلان تھا اس کے معنی یہ تھے کہ آپ کے منکرین پر عذاب آئے گا اور آپ کے ماننے والوں کو اس سرزمین (عرب) میں لازماً غلبہ حاصل ہوگا[میزان ص ۱۷۱] آپ ؐ کی قوم نے آپ کو صادق و امین کہا نبوت کے بعد بھی آپ کی قوم کے لوگوں نے آپ کے متعلق ہر موقع پر یہی شہادت دی حالانکہ وہ آپ کی جان کے دشمن ہو چکے تھے[میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۷۰]

<u>قرآن کی نص ہے کہ رسالت محمدیؐ کا غلبہ سرزمین عرب تک تھا: غامدی</u>

مدینہ پہنچنے کے بعد پورا عرب آپ کو اور آپ کی دعوت کو مٹا دینے کے درپے ہوا یہ ناقابل قیاس تھا کہ آپ ان لوگوں پر (اپنی قوم پر) غالب آسکتے ہیں۔قرآن نے ہر موقع پر اسی اعتماد اور قطعیت کے ساتھ فرمایا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ان مخالفتوں کے علی الرغم اللہ آپ کو غالب کر کے رہے گا۔[میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۷۲]

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے وہ (سرزمین عرب کے) تمام ادیان پر غالب کر دے، اگرچہ یہ مشرک اسے کتنا ہی ناپسند کریں''[الصّف: ۹]''یہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں، یہی ذلیل ہوں گے۔اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول بھی''۔[مجادلہ: ۲۰۔۲۱][میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۷۲]

<u>رسول کا غلبہ صرف سرزمین عرب کے تمام ادیان پر تھا: غامدی</u>

اللہ سرزمین عرب کے تمام ادیان پر اسلام کو غالب کر دے گا چاہے یہ مشرکین کو کتنا ہی ناپسند ہو۔[میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۷۲، ۵۹۵]

اللہ سرزمین عرب کے تمام ادیان پر دین حق کو غالب کر دے گا اگرچہ یہ بات عرب کے مشرکین کو کتنی ناگوار ہو[میزان ۲۰۱۵ء ص ۷۰] کسی دوسرے دین کا اقتدار سرزمین عرب میں باقی نہ رہا۔[میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۷۴]

<u>صالحؑ، شعیبؑ اور سب رسول صرف اپنی قوم کے لئے مبعوث کئے گئے: غامدی</u>

قرآن نے سیدنا صالح کے متعلق فرمایا: ''اس نے کہا: میری قوم کے لوگو، تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں'' [ہود: ۶۳]

(شعیبؑ نے کہا) ''اس نے کہا: میری قوم کے لوگو، (مجھے بتاؤ) اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں'' [ہود: ۸۸] [میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۳۷]

<u>قرآن کی نص ہے کہ رسول صرف اور صرف اپنی قوم کے لیے آتا ہے: غامدی</u>

قانون اتمام حجت آخری مرتبہ قوم رسول عربی کے لیے استعمال ہوا

نبی انسانیت کا مظہر اتم ہونے کے ساتھ وہ اپنی قوم کے بھی کامل ترین فرد ہوتے ہیں۔ اُن کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کا عطر اور خلاصہ، اس کی تہذیبی روایت کا امین اور اس کے محاسن اخلاق کا جامع ہوتا ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۳۷]

ثانیاً، رسولوں کے ذریعے سے اتمام حجت کے بعد ان کے منکرین پر اسی دنیا میں عذاب آجاتا ہے اور ماننے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں: ''ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب کسی قوم کے پاس اس کا رسول آجاتا ہے تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور اس کے لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا'' [یونس: ۴۷] یہ خدا کی غیر متبدل سنت ہے۔ قوم نوح، قوم لوط، قوم شعیب، عاد و ثمود اور اس طرح کی دوسری قوموں کے جو واقعات قرآن میں بیان ہوئے ہیں، وہ اسی دینونت کی سرگذشت ہیں۔ انسانی تاریخ میں یہ دینونت آخری مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے لیے برپا ہوئی اور اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی ہے: [میزان ۲۰۱۵ء، ۱۱۸]

قرآن کی نص سے غامدی صاحب ثابت کرتے ہیں کہ ہر رسول کو کسی خاص بستی کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے۔

''اور ہم نے جس بستی میں بھی کسی نبی کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اُس کے رہنے والوں کو جان و مال کی مصیبتوں سے ضرور آزمایا ہے تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں''۔۔۔ اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے جھٹلا دیا تو ان کے کرتوتوں کی پاداش میں ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ [میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۱۸]

آپ نے اپنی دعوت پیش کی مگر قوم نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ آپ نے انہیں خبردار کیا کہ نبوت کے ساتھ آپ رسالت کے منصب پر بھی فائز ہیں اور خدا کی عدالت بن کر آئے ہیں۔ لہٰذا جو قیامت صغریٰ قوم نوح قوم لوط قوم شعیب اور عاد و ثمود کے لیے برپا ہوئی تھی وہ آپ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد آپ کی قوم کے لیے بھی برپا ہو جائے گی۔ [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۷۱]

<u>نص صریح ہے کہ رسالت مآبؐ امیون کی طرف بھیجے گئے تھے: غامدی</u>

امیوں سے مراد بنی اسرائیل کی شاخ قوم بنی اسمٰعیل ہےغامدی صاحب کی تحقیق ہے کہ رسالت مآب صرف امیوں قوم رسول عربی کی طرف بھیجے گئے تھے''وہی ذات ہے جس نے ان امیوں میں ایک رسول انھی میں سے اٹھایا ہے جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور (اس کے لیے) انھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے''[الجمعہ:۲][میزان ۲۰۱۵ء ص ۷۸]

<u>رسول صرف اپنی قوم کے لئے خدا کی عدالت بن کر آتا ہے: غامدی</u>

نصوص سے ثابت ہے کہ رسالت محمدی آفاقی نہیں صرف عربی تھی

''رسالت'' یہ ہے کہ نبوت کے منصب پر فائز کوئی شخص اپنی قوم کے لئے اس طرح خدا کی عدالت بن کر آئے کہ اس کی قوم اگر اسے جھٹلا دے تو اس کے بارے میں خدا کا فیصلہ اس دنیا میں اس پر نافذ کر کے وہ حق کا غلبہ عملاً اس پر قائم کردے۔[میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۹ تا ۷۰]

<u>ہر رسول صرف اور صرف اپنی قوم کے لئے آتا ہے: غامدی</u>

قانونِ اتمام حجت خدا کا اخلاقی قانون ہے

پانچویں چیز دنیا میں خدا کی دینونت کا ظہور ہیں۔ یہ ان ہستیوں کے وجود سے ہوا ہے جنھیں نبیوں میں سے رسالت کے منصب پر فائز کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی معجزات دیے، روح القدس سے ان کی تائید کی، پھر قیامت سے پہلے ایک قیامت صغریٰ ان کے ذریعے سے اس دنیا میں برپا کردی۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ آخرت کا تصور بھی اسی معیار پر ثابت کردیا جائے جس معیار پر سائنسی حقائق معمل (Laboratory) کے تجربات سے ثابت کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد، ظاہر ہے کہ کسی کے پاس کوئی عذر اللہ کے حضور پیش کرنے کے لئے باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ ان رسولوں نے حق کی دعوت پیش کی، پھر اعلان کیا کہ اپنی قوم کے لئے وہ خدا کی عدالت بن کر آئے ہیں۔ ایمان و عمل کی بنیاد پر جزا و سزا کے جس معاملے کی خبر دی گئی ہے، وہ ان کی قوم کے ساتھ اس دنیا میں ہونے والا ہے۔ طبعی قوانین جس طرح اٹل ہیں اور ہر حال میں نتیجہ خیز ہوجاتے ہیں، خدا کا اخلاقی قانون بھی ان کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اسی طریقے سے نتیجہ خیز ہوجائے گا۔ لہٰذا ان کی قوم کے جو لوگ ان کی دعوت قبول کریں گے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نجات پائیں گے اور ان کے مخالفین پر انھیں غلبہ حاصل ہوگا۔ اور جو نہیں کریں گے وہ ذلیل ہوں گے اور ان پر خدا کا عذاب آجائے گا۔

یہ پیشین گوئی جس وقت اور جس قوم میں بھی کی گئی اس سے زیادہ ناممکن الوقوع اور ناقابل یقین کوئی چیز نہیں تھی لیکن تاریخ کا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ یہ ہر مرتبہ پوری ہوئی ''ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان کا وہ رسول آجائے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ یہ معاملہ قوم نوح کے ساتھ ہوا اس کے بعد یہی معاملہ دنیا کی ہر قوم کے ساتھ ہوا قوم عاد، ثمود، لوط، شعیب یونس اور اس طرح کی بعض دوسری قوموں کے واقعات قرآن میں بیان

ہوئے ہیں۔[میزان ۲۰۱۵ء، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷]

<u>قانون اتمام حجت کا انسانی اخلاقیات سے کوئی تعلق نہیں: غامدی</u>

غامدی صاحب نے میزان میں یہ دعویٰ کیا کہ ''اللہ نے یہ دنیا آزمائش کے لیے بنائی ہے اس میں انسانوں کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے آزادانہ فیصلے سے جو دین اور جو نقطۂ نظر اختیار کرنا چاہیں اختیار کریں کوئی شخص یا گروہ اگر دوسروں کو بالجبران کا دین چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے تو یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی پوری اسکیم کے خلاف اعلان جنگ ہے[میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۳] غامدی صاحب کا قانون اتمام حجت بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہی اسکیم کے خلاف انبیاء کو بھیج بھیج کر لوگوں کو جبراً اپنا پسندیدہ دین چھوڑ کر انبیاء کا دین اختیار کرنے پر مجبور کیا تمام انبیاء اور رسولوں کا ظہور اللہ نے اپنی اسکیم کے خلاف خود ہی کیا اس Paradox کو حل کرنے کے لیے غامدی صاحب نے میزان میں الٰہی اخلاقیات اور انسانی اخلاقیات کے دو مناہج قائم کیے تا کہ لوگ قانون اتمام حجت کے جبر کو انسانی قوانین کے تناظر میں نہ پرکھیں لہٰذا قانون جہاد میں قانون اتمام حجت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

رسول اللہ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد ان کی قوم پر عذاب آیا یہ خدا کا کام تھا جو انسان کے ہاتھوں سے انجام پایا اسے ایک سنت الٰہی کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے اس کا انسانی اخلاقیات سے کوئی تعلق نہیں[میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۷۸] دوسرے معنوں میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مشرکین مکہ اور اہل کتاب مکہ پر عذاب نازل کرنے کے بعد آئندہ کسی مشرک و کافر کے خلاف قتال کرنا انسانی اخلاقیات کے خلاف ہے چونکہ وہ عذاب تھا جو اللہ نے نازل کیا تھا اللہ جو چاہے کر سکتا ہے اس کے کاموں کا انسانی اخلاقیات سے موازنہ نہ کیا جائے اور اللہ کا وہ عذاب اب مسلمان قیامت تک کافروں مشرکوں پر کبھی نازل نہیں کر سکتے۔ واضح رہے کہ اسی میزان میں غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ یہود پر مغلوبیت کا عذاب ہمیشہ کے لیے مسلط کر دیا گیا ہے وہ عیسیٰ کے ماننے والوں کے زیر دست رہیں گے[میزان پہلا باب، اخلاقیات، قانون جہاد) یعنی گمراہ یہود تو ہمیشہ گمراہ عیسائیوں کے زیر تسلط رہیں گے مگر مسلمانوں کے تسلط میں کوئی نہیں رہے گا۔

<u>رسول صرف اپنی قوم کے لئے حق و باطل کی میزان بن کر آتا ہے: غامدی</u>

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید بتایا کہ آپ کی بعثت جن لوگوں میں ہوئی، ان کے لئے اس کی ابتدا اس سوال سے ہوگی کہ وہ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی بالکل واضح ہے۔ اپنی بعثت کے بعد رسول ہی اپنی قوم کے لئے حق و باطل میں امتیاز کا واحد ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر ایمان کے بعد پھر کسی سے اور کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔[میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۸۵]

سورۂ بقرہ کی آیت كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّنَ مُبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ [۲:۲۱۳] میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔ ان

نبیوں میں سے اللہ تعالیٰ نے جنھیں رسالت کے منصب پر فائز کیا ان کے بارے میں البتہ قرآن بتاتا ہے کہ وہ اس انذار کو اپنی قوموں پر شہادت کے مقام تک پہنچا دینے کے لیے بھی مامور تھے——انھیں بتا دیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ اپنے میثاق پر قائم رہیں گے تو اس کی جزا اور اس سے انحراف کریں گے تو اس کی سزا انھیں دنیا ہی میں مل جائے گی۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۵۳۳]

<u>قانون اتمام حجت کے پانچ مراحل صرف قوم رسول کے لیے ہیں: غامدی</u>

غامدی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ رسول صرف اور صرف اپنی ہی قوم کو انذار کرتا ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۳۳] یہ انذار وہ قرآن سے کرتا ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۵۳]

۱۔انذار: یہ اس دعوت کا پہلا مرحلہ ہے——قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول اپنی قوم کو ہمیشہ دو عذابوں سے خبردار کرتے رہے ہیں: ایک وہ جس سے ان کے منکرین قیامت میں دوچار ہوں گے اور دوسرا وہ جو ان کی دعوت کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرنے والوں پر اسی دنیا میں نازل ہوگا۔ وہ اپنی قوم کو بتاتے ہیں کہ وہ زمین پر ایک قیامت صغریٰ برپا کر دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ خدا کی حجت جب ان کی دعوت سے پوری ہو جائے گی تو ان کی قوم کو اپنی سرکشی کا نتیجہ لازماً اسی دنیا میں دیکھنا ہوگا۔قرآن کے چھٹے باب میں سورۂ قمر اس انذار کی بہترین مثال ہے——اس انذار کو چونکہ اس دنیا میں لازماً ایک حتمی نتیجے تک پہنچنا ہوتا ہے، اس لیے اس میں اصلاً انھی لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہے جو کسی نہ کسی پہلو سے اپنی قوم میں اثر و رسوخ رکھتے ہوں۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۳۴]

۲۔انذار عام: یہ اس دعوت کا دوسرا مرحلہ ہے——لیکن دعوت کے اس مرحلے میں پیغمبر کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کھلم کھلا اپنی قوم کو پکارنے کے لیے اٹھے اور جس حد تک اور جن ذرائع سے بھی ممکن ہو، اپنی دعوت ہانکے پکارے ان کے سامنے رکھ دے——دعوت کی ترتیب اس مرحلے میں بھی وہی رہتی ہے اور اصلاً قوم کے پیشوا اور ارباب حل و عقد ہی پیغمبر کے مخاطب ہوتے ہیں۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۵۳۵، ۵۳۶]

۳۔اتمام حجت: یہ اس دعوت کا تیسرا مرحلہ ہے——چنانچہ اس موقع پر پیغمبر اپنے مخاطبین کا انجام بھی بڑی حد تک واضح کر دیتا ہے اور دعوت میں بھی بالکل آخری تنبیہ کا لب ولہجہ اختیار کر لیتا ہے۔قرآن مجید کی سورہ فیل اور سورہ قریش میں جو نبی ﷺ کی دعوت کے اسی مرحلۂ اتمام حجت کے اختتام پر نازل ہوئی ہیں۔ [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۵۳۸] واضح رہے کہ ان سورتوں کے مخاطب بھی اہل عرب اور قریش ہیں۔

۴۔ہجرت و براءت: ہجرات و براءت رسول صرف اپنی قوم سے کرتا ہے۔ یہ اس دعوت کا چوتھا مرحلہ ہے——اللہ کے پیغمبر جب تبلیغ کا حق بالکل آخری درجے میں ادا کر دیتے ہیں اور حجت تمام ہو جاتی ہے تو یہ مرحلہ آ جاتا ہے۔اس میں قوم کے سرداروں کی فرد قرارداد جرم بھی پوری وضاحت کے ساتھ انھیں سنا دی جاتی ہے——اس لیے اپنی قوم کی تکفیر اور اس کے عقیدہ و مذہب سے بے زاری کا اعلان

کر کے وہ اب اسے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جائیں۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۳۹]

اس کے بعد پیغمبر کو ہجرت کا حکم دے دیا جاتا ہے۔قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ہجرت کا حکم اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں، اس کا فیصلہ کوئی پیغمبر اپنے اجتہاد سے نہیں کر سکتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کے لیے اپنی عقل و رائے سے یہ فیصلہ کر لینا کہ اس کی طرف سے حجت پوری ہوگئی ہے اور قوم کی طرف سے دعوت حق کے لیے اب کسی مثبت ردعمل کی توقع نہیں کی جا سکتی، کسی طرح ممکن نہیں ہے ——— رسول اپنی رائے سے یہ خیال کر کے کہ اس کی طرف سے فرض دعوت کافی حد تک ادا ہو چکا اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔اس پر لازم ہے کہ وہ جس ذمہ داری پر مامور ہوا ہے۔اس میں برابر لگا رہے یہاں تک کہ اس کا پروردگار ہی یہ فیصلہ کر دے کہ حجت پوری ہوگئی قوم کی مہلت ختم ہوئی اور اب پیغمبر انھیں چھوڑ کر جا سکتا ہے[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۴۰، ۵۴۱]

۵۔جزاء وسزا: یہ اس دعوت کا آخری مرحلہ ہے ——— اس میں آسمان کی عدالت زمین پر قائم ہوتی ہے، خدا کی دینونت کا ظہور ہوتا ہے اور پیغمبر کی قوم کے لیے ایک قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی ہے ——— دوسری صورت میں قوم پر عذاب کا یہ فیصلہ رسول اور اس کے ساتھیوں کی تلواروں کے ذریعے سے نافذ کیا جاتا ہے۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۴۱]

<u>پیغمبر کی عدالت اور عذاب صرف اپنی قوم کے لیے ہوتا ہے: غامدی</u>

پیغمبر کے مخاطبین میں موافقین اور مخالفین کے یہ دونوں فریق جب پوری طرح ممیّز ہو جاتے ہیں اور پیغمبر بھی اپنے ساتھیوں کی معیت میں جنگ کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو خدا کی عدالت اپنی فیصلہ سنا دیتی ہے۔نبی ﷺ کی دعوت میں یہ فیصلہ جس طرح صادر ہوا اس کی تفصیلات یہ ہیں: (۱) قریش کی قیادت میں سے تمام معاندین بدر کے موقع پر ہلاک کر دیے گئے۔(۲) مشرکین عرب کے تمام متربصین اور مغفلین کو الٹی میٹم دے دیا گیا کہ ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔(۳) ۹ ہجری میں حج اکبر کے موقع پر اعلان کر دیا گیا کہ حرام مہینے گزر جانے کے بعد مسلمان ان مشرکین کو جہاں پائیں گے قتل کر دیں گے۔(۴) اہل کتاب کے تمام گروہوں کے بارے میں حکم دیا گیا کہ وہ اب جزیہ دے کر اور مسلمانوں کے زیردست کی حیثیت سے جئیں گے۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۴۵]

غامدی صاحب کے قانون اتمام حجت کے پانچوں مراحل کا خطاب صرف اور صرف رسول کی قوم سے ہے لہٰذا یہ قانون صرف عربی علاقائی نسلی اور مقامی قانون ہے جو صرف عرب والوں کے لیے نازل کیا گیا۔

<u>سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۲ رسول کی دعوت کو قومی قرار دیتی ہے: غامدی</u>

ہر داعی کا فرض ہے کہ صرف اپنی قوم میں رہ کر انذار کرے

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ [التوبہ ۹:۱۲۲] ''اور سب مسلمانوں کے لیے تو یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس کام کے لیے نکل کھڑے ہوتے لیکن ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے تا کہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو انذار کرتے، جب (علم حاصل کر لینے کے بعد) ان کی طرف لوٹتے، اس لیے کہ وہ بچتے''—— دعوت کا یہ حکم علماء کے لیے ہے—— وہ دین کا علم حاصل کریں اور اپنی قوم کے لیے نذیر بن کر اُسے آخرت کے عذاب سے بچانے کی کوشش کریں—— چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس دعوت کے ہر داعی کے لیے اصل مخاطب کی حیثیت اس کی اپنی قوم کو حاصل ہے۔ چنانچہ فرمایا وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ (اور اپنی قوم کے لوگوں کو آگاہ کرتے جب ان کی طرف لوٹتے)۔ آیت کا یہی حصہ ہے جس سے اس دعوت کا دائرہ بالکل متعین ہو جاتا ہے اور اس چیز کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس کے داعی اصل حق داروں کو چھوڑ کر یہ دولت جہاں تہاں دوسروں میں بانٹتے پھریں۔ [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۴۹، ۵۵۰] وہ اپنی قوم کے حکمرانوں کو ان کے فرائض و ذمہ داریوں سے خبردار کرتے رہیں انھیں حق کی طرف بلائیں یہاں تک کہ ظالم حکمرانوں کا ظلم بھی انھیں اس کام سے باز نہ رکھ سکے [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۱] حیرت ہے کہ قرآن کے اس نص کی خلاف ورزی کر کے غامدی صاحب ملائشیا منتقل ہو گئے جبکہ پاکستانی حکومت، ریاست، تمام قانون نافذ کرنے والے ادارے ان کے حامی تھے صرف عوام ان کے خلاف تھے غامدی صاحب نے اپنے ہی قانون کی خلاف ورزی کی یہ کہنے کے بعد کہ داعی کا دائرہ قومی مقامی ہے اور سورہ توبہ نے متعین کر دیا ہے غامدی صاحب اس نص کی خلاف ورزی کر کے بیرون ملک چلے گئے حق و باطل کی تاریخ کے یہ پہلے داعی ہیں جنھیں حکمراں پسند کرتے ہیں عوام پسند نہیں کرتے حکمران ان پر کوئی ظلم نہیں کر رہے تھے مگر یہ عوام کے ظلم کے خوف سے ہجرت کر گئے حیرت ہے کہ قرآن و سنت میں عوام کے ظلم کے بارے میں کوئی حکم نہیں ہے۔ غامدی صاحب کی یہ نقل مکانی ان کے اصول کے خلاف اور ضمیر کے ساتھ خیانت ہے میزان میں لکھتے ہیں آدمی اگر اپنے اجتہاد کے مطابق کسی چیز کو دین و شریعت کا تقاضہ سمجھتا ہے تو اس کی خلاف ورزی اس کے لیے جائز نہیں چنانچہ قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا۔ [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۶]

یہ ہمارا فیصلہ نہیں غامدی صاحب کے اصول کا نتیجہ ہے اور غامدی صاحب کے لیے ان کا اصول حجت ہے کیوں کہ وہ صرف اپنے اصولوں کو مانتے ہیں۔ کیا ضمیر کے خائن سے دین لیا جا سکتا ہے؟

<u>داعی اور رسول اپنی قوم کو خبردار کرتے رہیں: غامدی</u>

اس سے واضح ہے کہ سورہ توبہ کی یہ آیت دین میں بصیرت رکھنے والوں کو اس بات کا مکلّف ٹھیراتی ہے کہ **جاھدوا الله حق جھادہ** —— وہ اپنی قوم اور اس کے ارباب حل وعقد کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کے بارے میں پوری دردمندی اور دل سوزی کے

ساتھ خبردار کرتے رہیں۔ان کے لیے ہر سطح پر دین کی شرح ووضاحت کریں۔انھیں ہر پہلو اور ہر سمت سے حق کی طرف بلائیں۔اس سے اعراض کے نتائج سے خبردار کریں اور جب تک زندہ رہیں ان نتائج سے انھیں خبردار کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ ظالم حکمرانوں کا ظلم بھی انھیں اس کام سے باز نہ رکھ سکے۔[غامدی، میزان،۲۰۱۵ء،ص۵۵۱]

<u>قرآن کی آیات غلبہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ سرزمین عرب میں دین صرف اللہ کا ہوجائے</u>

قرآن کے نصوص کی روشنی میں رسالت محمدی کا غلبہ صرف سرزمین عرب تک محدود تھا

بقرہ اور انفال دونوں میں بالترتیب یکون الدین للّٰہ اور یکون الدین کلہ للّٰہ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔اس سے پہلے جنگ کا حکم قتلوھم کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔سیاق کلام سے واضح ہے کہ اس میں ضمیر منصوب کا مرجع مشرکین عرب ہیں لہٰذا یہ بات تو بالکل قطعی ہے کہ ان الفاظ کے معنی یہاں اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ دین سرزمین عرب میں پورا کا پورا اللہ کے لیے ہوجائے ـــــــ اس مقصد کے لیے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے جو اقدامات کیے اور انھیں قتال کا جو حکم دیا گیا اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے۔اس کتاب میں جگہ جگہ اس قانون کی تفصیل کی گئی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت جب کسی قوم پر پوری ہو جاتی ہے تو منکرین حق پر اسی دنیا میں اللہ کا عذاب آجاتا ہے۔قرآن بتاتا ہے کہ عذاب کا یہ فیصلہ رسولوں کی طرف سے انذار انذار عام اتمام حجت اور اس کے بعد ہجرت و براءت کے مراحل سے گزر کر صادر ہوتا اور اس طرح صادر ہوتا ہے کہ آسمان کی عدالت زمین پر قائم ہوتی خدا کی دینونت کا ظہور ہوتا اور رسول کے مخاطبین کے لیے ایک قیامت صغریٰ برپا ہوجاتی ہے ـــــــ دوسری صورت میں عذاب کا یہ فیصلہ رسول اور اس کے ساتھیوں کی تلواروں کے ذریعے سے نافذ کیا جاتا ہے ـــــــ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں یہی دوسری صورت پیدا ہوئی۔چنانچہ اتمام حجت کے بعد پہلے یہود مغلوب ہوئے۔[غامدی، میزان،۲۰۱۵ء،ص۵۹۵،۵۹۶] (مشرکین عرب اور اہل کتاب عرب کے خلاف قتال کے اقدامات سے) جنگ کا وہ مقصد تو بالکل آخری درجے میں پورا ہوگیا جو یکون الدین کلہ للّٰہ میں بیان ہوا ہے۔[میزان ۲۰۱۵ء،ص۵۹۹])

نسخ قرآن سے متعلق غامدی صاحب کے دونوں اصول Oxymoron ہیں

<u>قرآن کی آیتوں کو صرف قرآن کے سوا کوئی منسوخ نہیں کرسکتا: غامدی برہان ص ۲۰۱۳ ص ۵۱، ۵۲</u>

قرآن کی آیتوں کو صرف اور صرف تحقیق سے منسوخ کیا جاسکتا ہے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۴۹

کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت مشرکانہ تہذیب پر دین کے غلبے سے مشروط تھی غامدی میزان ص ۴۱۷

مسلمان ذلت و محکومی کے عذاب میں مبتلا ہیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۴۹ مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۷۳، ص ۱۷۴۔ ظاہر ہے عذاب میں مبتلا

مسلمان کتابیہ سے نکاح نہیں کر سکتے لہٰذا اہل کتاب سے نکاح کی اجازت کی آیات بھی منسوخ ہیں

صرف مشرکین عرب سے نکاح ممنوع تھا مسلمان عورتیں مشرک مردوں سے نکاح کرسکتی ہیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۴۱۶

عہدرسالت میں مسلمان عورتیں اہل کتاب مردوں سے شادی کرسکتی تھیں: غامدی میزان ص ۴۱۶

خدا کا پیغمبر بھی قرآن کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص ترمیم نہیں کرسکتا: غامدی میزان ص ۲۵

مگر خدا کا نیک بندہ غامدی صاحب تحقیق کے ذریعے قرآن کی آیات کی ترمیم کرسکتا ہے: غامدی میزان ص ۴۹

حکمت مستقل ہے مگر شریعت متغیر رہی ہے لہٰذا پورا قرآن بھی مستقل اور ابدی نہیں متغیر ہے: غامدی میزان ص ۶۸

قرآن کی نوسورتوں کی کئی آیات متغیر ہیں مطلق نہیں حجت بھی نہیں اور منسوخ بھی ہیں

قرآن کی نوسورتوں کی چالیس آیات نص صریح یا حدیث کے بغیر غامدی صاحب کی تحقیق صریح سے منسوخ ہوچکی ہیں

<u>قرآن صرف قرآن سے منسوخ ہوسکتا ہے تو قرآن غامدی صاحب کی تحقیق سے کیسے منسوخ ہوگیا؟</u>

وضاع کون محترم عمار ناصر صاحب یا غامدی صاحب؟

سیّد خالد جامعی

غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق دین حکمت اور قانون کے مجموعے کا نام ہے حکمت تو مستقل مطلق اور غیر متغیر رہی ہے مگر قانون یعنی شریعت یعنی اللہ کی کتاب ہمیشہ بدلتی رہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو اجتہاد کی مشقت سے بچا کر۔ حالات زمانے کے مطابق خود ہی اجتہاد کر کے تمام امتوں پر بدلتے ہوئے حالات کے مطابق شریعت نازل کرتے رہے لہٰذا الکتاب شریعت ہمیشہ متغیر رہی ہے۔ میزان میں لکھتے ہیں عبادت کی مابعد الطبیعیاتی اساسات کو قرآن الحکمۃ اور مراسم حدود و قیود کو الکتاب کہتا ہے اس الکتاب کو وہ شریعت بھی کہتا ہے ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلاَ تَتَّبِعُ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لاَ یَعْلَمُوْنَ [۱۸:۴۵]۔ الحکمۃ ہمیشہ سے ایک ہی ہے لیکن شریعت انسانی تمدن میں ارتقاء و تغیر کے باعث البتہ بہت کچھ مختلف رہی ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۸، ۶۹]

ظاہر ہے اسی فلسفے اور اسی اصول کے تحت کہ شریعت البتہ مختلف رہی ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۸] شریعت یعنی الکتاب یعنی قرآن

بھی مطلق نہیں متغیر ہے کیونکہ انسانی تمدن مسلسل ارتقاء وتغیر پذیر ہے لہٰذا اس بدلتے ہوئے تہذیب وتمدن کے ساتھ شریعت کو اور۔ الکتاب یعنی قرآن کو بھی بدلتے رہنا چاہیے۔

<u>قرآن کو قرآن حدیث اجماع نہیں تحقیق سے منسوخ کیا جا سکتا ہے</u>

لہٰذا غامدی صاحب میزان کے باب اصول ومبادی میں لکھتے ہیں اس قرآن میں غلبۂ حق، استخلاف فی الارض اور جہاد وقتال کی آیات سے متعلق یہ بات پوری تحقیق سے متعین کرنی چاہیے کہ ان میں کیا چیز شریعت کا حکم اور خدا کا ابدی فیصلہ ہے اور کیا چیز اسی انذار رسالت کے مخاطبین کے ساتھ خاص قانون ہے جواب لوگوں کے لیے باقی نہ رہا [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۴۹] اس تحریر کے ذریعے غامدی صاحب نے قرآن یعنی شریعت کے احکامات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک قطعی ابدی دوسرے غیر قطعی اور غیر ابدی جواب منسوخ ہو چکے ہیں انہوں نے یہ اصول بھی بتا دیا کہ قرآن یعنی شریعت کے وہ حصے جو منسوخ ہو چکے ہیں ان کی منسوخی کا فیصلہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے نہیں ہوگا بلکہ صرف اور صرف تحقیق سے ہوگا۔ دوسرے معنوں میں قرآن کی آیات کی منسوخی کا ثبوت نص صریح سے نہیں نفس غامدی سے ملتا ہے جو نص صریح کا متبادل ہے۔ حالانکہ برہان میں ان کا اصول موجود ہے کہ قرآن کی آیتوں کو قرآن کے سوا کوئی منسوخ نہیں کر سکتا [برہان ۲۰۱۳ء ص ۵۱، ۵۲] مگر ۲۰۱۵ء کی میزان میں وہ فرماتے ہیں کہ تحقیق کے ذریعے قرآن کو منسوخ کیا جا سکتا ہے [میزان ص ۴۹] یہ دونوں اصول بھی Oxymoron ہیں۔

<u>قرآن اور سنت کی بعض نصوص ابدی نہیں ہیں</u>

باجماعت نماز کی سنت متروک ہو چکی ہے

غامدی صاحب نے میزان ۲۰۱۵ء کے باب قانون معاشرت میں بھی ''نکاح'' کے موضوع سے پہلے یہ بات واضح کر دی ہے کہ قرآن وسنت کی کچھ نصوص ابدی ہیں اور کچھ نصوص غیر ابدی۔ لکھتے ہیں ذیل میں ہم ان نصوص کی وضاحت کریں گے جو قرآن وسنت میں اب خدا کی ابدی شریعت کے طور پر بیان ہوئی ہیں [میزان ۲۰۱۵ء ص ۴۰۹] اس بیان سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن کی تمام نصوص ابدی نہیں ہیں بلکہ سنت کی نصوص بھی ابدی نہیں ہیں جیسے باجماعت نماز کی سنت جس کے بارے میں غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ تمام انبیاء کی مشترکہ سنت تھی [میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۱۳] لیکن رسالت مآب کی رحلت کے بعد اب باجماعت نماز کی ادائیگی (سنت نہیں) محض فضیلت کی چیز ہے [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۱۴]

غامدی صاحب نے میزان کے صفحہ ۴۹ کی مختصر ترین عبارت میں نسخ قرآن سے متعلق بارہ اصول بیان کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں (۱) قرآن شریعت ہے [میزان ص ۴۹] (۲) شریعت کے کچھ احکام ابدی ہیں [میزان ص ۴۹] (۳) قرآن کے کچھ احکام کو خاص قانون کہتے ہیں [میزان ص ۴۹] (۴) یہ خاص قانون اب شریعت نہیں ہے البتہ خیر القرون میں کفار ومشرکین پر عذاب آنے سے پہلے یہ خاص قانون شریعت کا حصہ تھا [میزان ص ۴۹] (۵) یہ خاص قانون صرف رسالت مآب ﷺ کے مخاطبین (ان کی قوم یعنی اہل عرب)

کے لئے خاص تھا[میزان ص ۴۹](۶) یہ خاص قانون عارضی [Temporary] تھا ابدی [Eternal] نہیں[میزان ص ۴۹] (۷) لہٰذا یہ خاص قانون اب ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو چکا ہے[میزان ص ۴۹](۸) چونکہ یہ خاص قانون جو خاص قوم عرب کے لئے تھا اب منسوخ ہو گیا لہٰذا اب یہ شریعت نہیں ہے نہ خدا کا ابدی فیصلہ ہے[میزان ص ۴۹](۹) قرآن کی نص یا آیت کو منسوخ کرنے کا اختیار نہ قرآن کو ہے نہ رسول کو ان آیات کی منسوخی کے بارے میں قرآن بھی خاموش ہے اور خدا کا رسول بھی خاموش ہے(۱۰) آیتوں کی منسوخی کا فیصلہ ہر شخص پوری تحقیق سے متعین کر سکتا ہے۔(۱۱) رسالت مآب کی احادیث اور آثار میں ان آیتوں کی منسوخی سے متعلق کوئی حکم نہیں ملتا لہٰذا اس معاملے میں انسانی تحقیق ہی حجت ہے تحقیق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی آیت منسوخ ہو گئی ہے اور کون سی شریعت ابدی نہیں ہے اس معاملے میں انسان خود کفیل ہے اور قرآن حدیث آثار روایات کا سرے سے محتاج نہیں تحقیق کو پرکھنے کا پیمانہ صرف تحقیق ہی ہے پیمانہ ہمیشہ باہر ہوتا ہے لیکن قرآن کی آیات کی منسوخی کے لیے کی گئی تحقیق کو پرکھنے کا پیمانہ اس کے اندر ہے یعنی تحقیق ہی اصل پیمانہ ہے(۱۲) اس تحقیق کو پرکھنے کا پیمانہ خود انسان ہی ہے اسے کسی دوسرے پیمانے پر نہیں پرکھا جا سکتا۔

غامدی صاحب کی اس تحقیق کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت الکتاب القرآن میں خدا کے دو فیصلے موجود ہیں(۱) ایک ابدی فیصلہ یعنی ابدی شریعت [Eternal Shariah] غیر منسوخ (۲) دوسری عارضی شریعت یا عارضی فیصلہ[Temporary Shariah] منسوخ شدہ[میزان ص ۴۹]۔

پھر غامدی صاحب خود ہی قرآن یعنی شریعت یعنی آخری کامل، ناقابل تغیر کتاب —— یعنی کتاب متغیر(کیوں کہ غامدی صاحب کے فلسفے میں شریعت متغیر ہے میزان ۲۰۱۵ء، ص ۶۸) کی ان غیر ابدی، غیر شرعی (نعوذ باللہ) آیات احکام کی فہرست میزان کے باب قانون جہاد میں پیش کرتے ہیں جو اب منسوخ ہو چکی ہیں یہ آیات اب شریعت کا حصہ نہیں کیونکہ یہ صرف رسالت مآب کی قوم کے لیے نازل ہوئی تھیں ان منسوخ شدہ آیات کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) سورۂ مجادلہ کی آیات ۲۰، ۲۱ منسوخ ہیں، (۲) سورۂ توبہ کی آیت ۲۹ منسوخ ہے، (۳) سورۂ حشر کی آیت ۳ منسوخ ہے، (۴) سورۂ توبہ کی آیات ۳ تا ۵ منسوخ ہیں، (۵) سورۂ محمد کی آیت ۴ منسوخ ہے، (۶) سورۂ نساء کی آیات ۷۵، ۷۶ منسوخ ہیں، (۷) سورۂ بقرہ کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۴ منسوخ ہیں، (۸) سورۂ یونس کی آیت ۴۷ منسوخ ہے، (۹) سورۂ الحج کی آیت ۴۰ منسوخ ہے، (۱۰) سورۂ نور کی آیت استخلاف فی الارض منسوخ ہے۔

قانون معاشرت، قانون معیشت اور قانون جہاد میں غامدی صاحب نے ان تمام آیتوں کو بھی منسوخ کر دیا ہے جو لونڈی اور غلاموں سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ بقرہ اور ممتحنہ کی ان آیتوں کو بھی منسوخ کر دیا ہے جو مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں سے نکاح کو حرام قرار دیتی ہیں کیونکہ غامدی صاحب کا یہ اجتہاد ہے کہ جن مشرکین سے نکاح کی مخالفت کی گئی تھی وہ عرب کے مشرکین تھے غامدی صاحب کے اصول کے تحت مسلمان مردوں اور کتابیہ سے نکاح کی آیات بھی منسوخ ہیں کیونکہ اس نکاح کے لیے جو بنیادی شرط تھی کہ توحید کے

معاملے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا اور مشرکانہ تہذیب پر مسلمانوں کا غلبہ ہر لحاظ سے قائم ہو گیا [میزان ۲۰۱۵ء ص ۴۱۷] چونکہ آج مسلمان مغلوب ہیں شرک کا غلبہ ہے لہٰذا یہ آیتیں بھی منسوخ ہوگئی ہیں مقامات میں غامدی صاحب لکھتے ہیں مسلمان ذلت و محکومی کے عذاب میں مبتلا ہیں [مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۹۴] بنی اسمٰعیل اس وقت اسی عذاب سے دوچار ہیں [میزن ۲۰۱۵ء ص ۵۴۹] مسلمان بنی اسرائیل جیسے جرائم میں مبتلا ہیں [مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۷۳] مسلمان انحطاط و زوال کی حالت میں ہیں [مقامات ص ۱۷۳] مسلمانوں پر خدا کا عذاب ہے اس نے اپنے شدید بندے ان پر مسلط کر دیے ہیں [مقامات ص ۱۷۴] چونکہ مسلمان زوال اور ذلت اور عذاب کی زندگی بسر کر رہے ہیں لہٰذا ان حالات میں کسی کتابیہ سے کسی مسلمان کا نکاح حرام ہے لہٰذا یہ تمام آیات بھی فی الحال منسوخ ہو چکی ہیں اگر مسلمانوں کو کبھی غلبہ ملا اور شرک کا زور ختم ہو گیا اور عذاب کی یہ حالت تبدیل ہوئی تب مسلمان کتابیہ عورت سے نکاح کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان احکامات میراث کو بھی غامدی صاحب نے منسوخ کر دیا جو مسلمانوں کے کفار ورثاء سے متعلق تھے ان کا فتویٰ یہ ہے کہ وہاں کفار سے مراد عرب کے مشرکین اور اہل کتاب تھے وہ نہیں رہے لہٰذا مسلمانوں کی میراث سے اب کافر ورثاء بھی حصہ پا سکتے ہیں لہٰذا معیشت، معاشرت اور جہاد سے متعلق قرآن کی کئی آیتوں کو غامدی صاحب نے خود ہی منسوخ قرار دیا ہے جبکہ برہان میں انہوں نے یہ اصول نہایت کروفر سے خود بیان کیا ہے کہ قرآن کو صرف قرآن منسوخ کر سکتا ہے قرآن پر قرآن سے باہر کی کوئی چیز ___ جب تک وہ خود اس کی اجازت نہ دے کسی طرح اثر انداز نہیں ہو سکتی [غامدی برہان لاہور المورد طبع ہشتم جولائی ۲۰۱۳ء ص ۵۱، ۵۲]

<u>مسلمانوں کی میراث میں کافر رشتہ دار کو حصہ مل سکتا ہے</u>

غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق حضور ؐ نے سورہ نساء کی آیت گیارہ کی شرح میں جو حدیث بیان کی کہ نہ مسلمان ان میں سے کسی کافر کے وارث ہوں گے اور نہ یہ کافر کسی مسلمان کے (بخاری رقم ۶۷۶۴) [میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۹] اس کا تعلق قیامت تک کے تمام کفار منکرین مشرکین سے نہیں ہے رسالت مآب کا یہ حکم خاص کفار عرب سے متعلق تھا اور اب یہ حکم باقی نہیں رہا۔ غامدی صاحب کے الفاظ پڑھیے:

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ وَ اِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ وَ لِاَبَوَیْہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗٓ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ فَاِنْ کَانَ لَہٗٓ اِخْوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا [۴:۱۱] اگر کوئی اپنے مورث کے لیے منفعت کے بجائے سراسر اذیت بن جائے تو حکم کی علت کا تقاضہ یہ ہے کہ (وارث کو) اسے وراثت سے محروم قرار دیا جائے نبیؐ نے اسی کے پیش نظر جزیرہ نمائے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے یعنی اتمام حجت کے بعد یہ منکرین حق خدا اور مسلمانوں کے دشمن بن کر سامنے آ گئے (میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۹) غامدی صاحب نے یہی عبارت یہی دلیل قانون معیشت میں میراث کے تحت بھی پیش کی ہے [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۲۳] لہٰذا سورہ نساء کی آیت چار بھی اب ہمیشہ کے لیے منسوخ ہوگئی اور

اب کافر و مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں کیوں کہ یہ اب ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں صرف عہد رسالت کے منکرین مشرکین اہل کتاب مسلمانوں کے اور مسلمان ان کے دشمن تھے۔

مسلمان عورتیں مشرک مردوں سے نکاح کر سکتی ہیں

عہد رسالت میں اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح حلال تھا

قانون معاشرت میں لکھتے ہیں البقرہ کی آیت ۲۲۱ اور سورہ ممتحنہ کی آیت ۱۰ میں جن کافروں سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا ہے (یعنی مسلمان عورتوں سے جن کافروں کا نکاح ممنوع ہے) اس کا باعث بھی شرک ہے آیت سے واضح ہے کہ اس میں کافروں سے مراد مشرکین عرب ہیں [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۴۱۶] اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تمام مسلمان عورتیں تمام مشرکین اور کفار اور اہل کتاب سے شادی کر سکتی ہیں بلکہ آیت سے یہ انکشاف بھی ہوا کہ عہد رسالت میں بھی مسلمان عورتوں کا نکاح صرف اور صرف مشرک مردوں (مشرکین عرب) سے حرام تھا اور اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح جائز تھا۔ یہ تمام نتائج غامدی صاحب کے اصول استقراء کے تحت نکالے جا رہے ہیں کیوں کہ وہ قرآن سے اسی ذریعے طریقے اور منطق سے احکام اخذ کرتے ہیں ایک ٹی وی چینل پر ڈاکٹر زبیر سے گفتگو میں انہوں نے فرمایا کہ مسلمان مرد کسی بھی عورت سے مصافحہ کر سکتا ہے قرآن نے اسے ممنوع قرار نہیں دیا اسی اصول کی بنیاد پر انہوں نے سور کے گوشت کو صرف کھانا حرام قرار دیا اس کے دیگر تمام استعمالات [All other uses] کو انہوں نے جائز قرار دیا [میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۳۷]

غامدی صاحب کے فلسفے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بقرہ کی آیت ۲۲۱ اور ممتحنہ کی آیت ۶۰ بھی منسوخ ہو چکی ہیں ان کا حکم اب مسلمان عورتوں کے لیے باقی نہیں رہا۔

مسلمان مرد پانچ شرائط کے ساتھ کتابیہ سے نکاح کر سکتا ہے

مسلمان عورت بغیر کسی شرط کے مشرک مرد سے نکاح کر سکتی ہے

مسلمان مرد اگر کسی کتابیہ سے شادی کرنا چاہے تو اس کی پانچ شرطیں غامدی صاحب نے یہ بیان کیں (۱) عورت پاک دامن ہو، (۲) عورت کسی کتاب اللہ کو ماننے والی ہو (۳) نکاح کے وقت مشرکانہ تہذیب پر اسلام کا غلبہ ہر لحاظ سے قائم ہو (۴) کتابیہ سے اسلام نے نکاح کی اجازت دی تو یقیناً اس وقت کے حالات اور مسلمانوں کے غلبے کا بھی اس اجازت سے تعلق تھا۔ (۵) کتابیہ سے نکاح کے وقت توحید کے معاملے میں سرزمین عرب میں کوئی ابہام باقی نہ رہا تھا۔

غامدی صاحب ان پانچ شرائط کے ساتھ آج بھی مسلمان مرد کو کتابیہ سے نکاح کی اجازت کے قائل ہیں مگر مسلمان عورت کی مشرک مرد سے شادی کے سلسلے میں انھوں نے ان پانچ شرائط کو سرے سے نظر انداز کر دیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا قانون معاشرت بھی Oxymoron ہے۔ اور اس کا مقصد مسلمان عورتوں کو کافر شوہروں کے سپرد کر دینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر مسلمان عورتیں مشرکین اور کفار سے نکاح کر سکتی ہیں تو کیا مسلمان مرد بھی کتابیہ اور مشرکہ عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں اس کے جواب میں غامدی صاحب میزان کے باب قانون معاشرت میں لکھتے ہیں قرآن نے یہود و نصاریٰ کی پاک دامن عورتوں سے مسلمانوں کو نکاح کی اجازت دی ہے المائدہ ۵:۵ اس آیت کے سیاق سے واضح ہے کہ یہ اجازت اس وقت دی گئی جب توحید کے معاملے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا اور مشرکانہ تہذیب پر اس کا یہ غلبہ ہر لحاظ سے قائم ہو گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت میں وقت کے حالات کو بھی یقیناً دخل ہے چنانچہ اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے وقت یہ چیزیں بھی اس زمانے میں لازماً ملحوظ رہنی چاہیے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۴۱۷]

ایک جانب غامدی صاحب مسلسل قرآن کی آیات کو مسلسل منسوخ کر رہے ہیں لیکن غامدی صاحب ہی کے اصول کے تحت قرآن کو صرف قرآن ہی منسوخ کر سکتا ہے [برہان ۲۰۱۳ء ص ۵۰، ۵۱] لہٰذا اس اصول کے تحت ان آیتوں کے بارے میں قرآن کی کوئی آیت وضاحت کرے کہ یہ آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں لیکن غامدی صاحب نے قرآن کو منسوخ کرنے کے لیے کوئی آیت پیش نہیں کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ غامدی صاحب خود اپنے تخلیق کردہ اصولوں کی پیروی بھی نہیں کرتے حالانکہ انہی کا اصول ہے کہ مجتہد کا غلط اجتہاد بھی کم از کم اس کے لیے حجت ہے میزان کے باب قانون عبادات میں لکھتے ہیں آدمی اپنے اجتہاد کے مطابق کسی چیز کو دین و شریعت کا تقاضہ سمجھتا ہے تو اس کی خلاف ورزی اس کے لیے جائز نہیں ہے چنانچہ قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۶۶] جو شخص ضمیر کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہو کیا اس سے دین اخذ کیا جا سکتا ہے؟

<u>غامدی صاحب کے اصول کے تحت کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی</u>

غامدی صاحب کی تحقیق ہے کہ جہاد سے پہلے جہاد کی اجازت کے لیے نازل ہونے والی پہلی سورت محمد کی آیت چار میں غلام و لونڈی بنانے کی ممانعت کر دی گئی تھی قیدیوں سے یا احسان ہو گا یا انھیں فدیہ لے کر چھوڑ اجائے گا [میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۰۲] لہٰذا یہ آیت بھی جو غلام و لونڈیوں سے متعلق تھی منسوخ ہو گئیں اور قرآن میں جہاں جہاں لونڈی غلام سے متعلق آیات ہیں مثلاً النساء کی آیت ۲۲ تا ۲۴ [میزان ۲۰۱۵ء ص ۴۰۹] سورہ احزاب کی آیت ۵۰، ۵۱، ۵۲ [میزان ص ۴۲۸] المومنون کی آیت ۵ تا ۷ [مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۶۰] النور آیت ۳۳ [میزان ص ۴۷۷] النساء کی آیت ۲۵ [میزان ص ۴۷۹] توبہ کی آیت ۶۰ (میزان ص ۴۸۰) النساء کی آیت پندرہ سولہ (میزان ص ۶۲۲) وہ سب منسوخ ہو گئیں لیکن قرآن کی کسی آیت میں ان کی منسوخی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا غامدی صاحب کے اصول کے تحت کہ قرآن کو صرف قرآن منسوخ کر سکتا ہے [برہان ۲۰۱۳ء ص ۵۰، ۵۱] قرآن کی کوئی آیت سرے سے منسوخ ہی نہیں ہوئی۔

قصاص پر غامدی صاحب کے متضاد ومتناقض [Oxymoron] افکار کا جائزہ

اسلامی حکومت عدالت ریاست قصاص کے لیے ضروری ہے مگر ضروری نہیں ہے: غامدی

قتل کے معاملے کا تعلق صرف اللہ اور مقتول کے اولیاء کے ساتھ بھی ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۲۹

قرآن میں قاتل کو معاف کرنے کا پورا اختیار اللہ نے صرف اس کے اولیاء کو دیا ہے۔: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۲۹ اور ص ۶۱۵

اولیاء کی مرضی کے بغیر کوئی عدالت قاتل کو کوئی رعایت نہیں دے سکتی: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۲۹

اولیاء اگر قصاص پر اصرار کریں تو ریاست ان کی (اولیاء کی) مدد کرے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۲۹

اولیا جو کچھ چاہیں ریاست پوری قوت کے ساتھ (ان کی مرضی) ٹھیک ٹھیک نافذ کردے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۲۹

ریاست کا کام صرف مقتول کے اولیاء کی مرضی کا نفاذ ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۲۹

مقتول کے اولیاء کی مرضی کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ نہایت حکیمانہ ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۶۱۸

مقتول کے اولیاء کو اللہ نے پورا اختیار دیا ہے ان کی مرضی کے بغیر دنیا کی کوئی عدالت قاتل کو کوئی رعایت نہیں دے سکتی: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۲۹

(اولیاء کی طرف سے قاتل کو معافی کی اجازت) پروردگار عالم کی طرف سے لوگوں کے لیے ایک رعایت اور عنایت ہے چنانچہ جرم کے متاثرین اگر اسے اختیار کریں گے تو اللہ کے حضور میں ان کی یہ معافی ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۱۷

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ مقتول کے اولیا کی مرضی کو پوری قوت کے ساتھ اور ٹھیک ٹھیک نافذ کردے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۲۹

قاتل کی جان پر مقتول کے وارثوں کو براہ راست اختیار دیا گیا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۶۱۸

قرآن قصاص کا اختیار سورہ بنی اسرائیل میں صرف اور صرف ولی کو دیتا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۶۱۸

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ قانون کے مطابق قصاص لے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۶۱۷

اسلامی حکومت ریاست اور عدالت کے بغیر بھی مقتول کا قصاص لیا جاسکتا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۲۹

اسلامی ریاست اسلامی عدالت اور حکومت موجود نہ ہو تو اولیاء قاتل کو خود قتل کرسکتے ہیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۲۹

(حدود و تعزیرات) کی سزا کا حکم پورے مسلمان معاشرے کو دیا گیا ہے یہ ان کے نظم اجتماعی سے متعلق ہے یہ بدیہی بات ہے یہی وجہ ہے کہ (حدود و تعزیرات) کا حکم قرآن کی ان سورتوں میں بیان ہوا ہے جو اس وقت نازل ہوئیں جب مدینہ کا اقتدار رسول اللہ کو منتقل ہو چکا تھا مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہوگئی تھی غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۰۹

کوئی شخص یا جماعت اگر سیاسی اقتدار نہیں رکھتی تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ (پانچ جرائم محاربہ، قتل و جراحت وغیرہ وغیرہ: میزان ،ص ۶۰۸) ان میں سے کوئی سزا کسی مجرم پر نافذ کردے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۰۹

مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت اگر کسی جگہ قائم نہ ہو تو مقتول کے قصاص کا معاملہ اولیا ہی سے متعلق ہو جاتا ہے (اولیا قصاص لے سکتے ہیں) تو وہ

مگر اپنی اس حیثیت میں وہ حدود سے تجاوز نہ کریں جوش انتقام میں قاتل کے علاوہ دوسروں کو قتل نہ کریں مجرم کو عذاب نہ دیں لاش پر غصہ نہ نکالیں آگ میں نہ جلائیں مثلہ نہ کریں چنانچہ جب رسول اللہ مکہ میں تھے اور مدینہ میں آپ کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی تو اللہ نے فرمایا وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیّٖهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا [۱۷:۳۳] جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے لہٰذا وہ قتل میں تجاوز نہ کرے: غامدی میزان ۲۰۱۵ ص ۶۱۸

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں حکومت ریاست عدالت سیاسی اقتدار کے بغیر ولی کو دارالکفر میں بھی قصاص لینے کی اجازت دی ہے غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ قصاص صرف حکومت لے سکتی ہے یعنی وہ نص قرآنی کے منکر ہیں ان کے دونوں اصول Oxymoron ہیں

قصاص حکومت اور معاشرے پر فرض کیا گیا ہے جو مقتول کے وارثوں کی رعایت کو قبول کرنے سے انکار کر سکتے ہیں: غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۸۸

قصاص لینا ولی پر فرض کیا گیا ہے لیکن جوش انتقام میں ولی حد سے تجاوز نہ کرے: غامدی میزان ۲۰۱۵ ص ۶۱۸

قرآن کی سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۳۳ کے تحت قصاص لینا ولی پر فرض ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ ص ۶۱۸

حکومت مقتول کے ورثاء کی طرف سے (قصاص میں) رعایت کے فیصلے کو قبول کرنے کی پابند نہیں: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۸۸

حکومت کو حق ہے کہ وہ اولیاء کے معاف کر دینے کے بعد بھی قاتل کے لیے قصاص پر اصرار کرے: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۸۸

قرآن نے معافی کے لیے وارثوں کی مرضی لازمی کی ہے اگر وہ معاف کر دیں تب بھی حکومت کے لیے قاتل کو چھوڑنا ضروری نہیں: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۸۹

وارث کی مرضی و اجازت سے قاتل سے نرمی کی جا سکتی ہے مگر اس نرمی پر عمل کرنا حکومت کے لیے لازم نہیں: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۸۸

ریاست مقتول کے اولیاء کی مرضی کو پوری قوت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک نافذ کر دے [غامدی، میزان ۲۲۹] ٹھیک ٹھیک نافذ کرنے کا مطلب غامدی صاحب کے فلسفے میں یہ ہے کہ اولیاء کی مرضی کو حکومت اپنی مرضی سے تبدیل کر دے معطل کر دے منسوخ کر دے اور قرآن کے حکم کو ماننے سے انکار کر دے ولی کہے معاف کر دے تو حکومت کہہ دے ہم تو معاف نہیں کرتے ہم تمہاری مرضی کے پابند نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ نے ولی کی مرضی کو ٹھیک ٹھیک نافذ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کا مطلب یہ کیسے ہو گیا کہ یہ مرضی حکومت ریاست عدالت کی مرضی کے تابع ہے یہ تحریف فی القرآن اور تحریف فی الدین ہے

اسلامی حکومت اولیاء کو معاف کرنے سے روک سکتی ہے جس کے نتیجے میں ان کا یہ عمل ان کے گناہوں کا کفارہ نہ بن سکے گا کیوں کہ غامدی صاحب نے ہی یہ اصول بیان کیا ہے کہ اولیاء کی یہ معافی (قاتل سے قصاص نہ لینا) ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔ غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۱۷ لہٰذا لوگوں کے گناہ معاف نہ ہو سکیں گے اس کی ذمہ دار اسلامی حکومت ہو گی۔

قصاص لینا ولی پر فرض ہے غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۶۱۸ ظاہر ہے ریاست حکومت عدالت ولی کے قائم مقام نہیں ہو سکتے مگر غامدی

صاحب کہتے ہیں کہ حکومت کو اختیار ہے کہ اللہ کے حکم کو ماننے سے انکار کردے اور ولی کا معافی کا قرآنی اختیار سلب کرلے روز قیامت اللہ تعالیٰ بھی اپنی عدالت میں مقتول کی اجازت کے بغیر قاتل کو کوئی رعایت نہیں دے سکیں گے یعنی اللہ تعالیٰ بھی مقتول کی مرضی کو ماننے کے پابند ہیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۲۲۹

اللہ مجبور ہے کہ مقتول کے حکم پر عمل کرے مگر اسلامی ریاست مجبور نہیں ہے کہ مقتول کے اولیاء کا حکم مانے وہ ان کی مرضی اور ان کے حکم کو مسترد کرسکتی ہے غامدی مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۸۹

اللہ تعالیٰ کی نظر میں کافر اور مسلمان کا خون برابر نہیں ہے صرف مسلمان کو قتل کرے والا ابدی جہنم کا مستحق ہے (غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۶۱۶) دوسرے معنوں میں غامدی صاحب انسانیت پرستی Humanism کے فلسفے کا انکار کرتے ہیں تمام انسانوں کی مساوات (Equality) کے قائل نہیں ہیں اور مسلمان کے خون کو کافر کے خون پر فوقیت دیتے ہیں

وضاع کون محترم عمار ناصر صاحب یا غامدی صاحب؟

محترم عمار ناصر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ

سیّد خالد جامعی

غامدی صاحب کے تمام افکار، اصول اصلاً Oxymoron ہیں قصاص کے بارے میں غامدی صاحب میزان کے قانون اخلاقیات میں لکھتے ہیں:

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [النساء ۴:۹۳] ''اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوئی اور اس کے لیے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

اسی طرح یہ بات بھی قرآن نے واضح کردی ہے کہ اس جرم کے مرتکبین کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہے مقتول کے اولیاء کے ساتھ بھی ہے اور ان کو اللہ نے پورا اختیار دے دیا ہے لہٰذا دنیا کی کوئی عدالت ان کی مرضی کے بغیر قاتل کو کوئی رعایت نہیں دے سکتی۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اگر قصاص پر اصرار کریں تو ان کی مدد کرے اور جو کچھ وہ چاہیں اسے پوری قوت کے ساتھ اور ٹھیک ٹھیک نافذ کردے۔ تاہم اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ حکومت اگر کسی جگہ قائم نہ ہو اور قصاص کا معاملہ مقتول کے اولیا ہی سے متعلق ہو جائے تو وہ اپنی اس حیثیت سے حدود سے تجاوز کریں اور مثال کے طور پر جوش انتقام میں قاتل کے علاوہ دوسروں کو بھی قتل

کرنے کی کوشش کریں۔اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ قیامت میں یہی اختیار مقتول کو بھی حاصل ہوگا اور اس کی مرضی کے بغیر قاتل کو وہاں بھی کوئی رعایت نہ مل سکے گی۔[غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، قانون اخلاقیات، ص ۲۲۹]

غامدی صاحب نے میزان کے باب حدود و تعزیرات میں بھی یہی موقف اختیار کیا ہے اور قتل کو اللہ اور مقتول کے اولیاء کا معاملہ قرار دیا ہے اور اولیاء کو معافی کا مکمل اختیار دیا ہے اور ریاست کو اس اختیار کے نافذ کرنے کا پابند کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

اس قانون میں مجرم کے لیے کسی رعایت کا فیصلہ کرتے وقت مقتول کے اولیا کی مرضی کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ نہایت حکیمانہ ہے ——— قاتل کی جان پر مقتول کے وارثوں کو براہ راست اختیار مل جانے سے ایک تو ان کے بہت بڑے زخم کے اندمال کی ایک شکل پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے اگر اس صورت میں یہ کوئی نرم رویہ اختیار کریں تو قاتل اور اس کے خاندان پر یہ ان کا براہ راست احسان ہوتا ہے جس سے نہایت مفید نتائج کی توقع ہو سکتی ہے۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۶۱۸]

اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق بتایا ہے کہ اس جرم (قتل) کے مرتکبین اس کے حضور میں کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں ——— دوسرا فریق مقتول کے وارث ہیں (النساء آیت ۹۳)۔قرآن کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قاتل کی جان پر پورا اختیار دیا ہے، لہٰذا دنیا کی کوئی عدالت یا حکومت ان کی مرضی کے بغیر اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کر سکتی۔عدالت اور حکومت دونوں کی ذمہ داری ہے کہ مقتول کے ورثا اگر قصاص پر اصرار کریں تو ان کی مدد کریں اور جو کچھ وہ چاہیں اسے پوری قوت کے ساتھ اور ٹھیک ٹھیک نافذ کردیں۔[غامدی، ۲۰۱۴ء، مقامات، ص ۲۸۴]

حکومت کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ مقتول کا قصاص اس پر فرض ہے۔ چنانچہ وہ پابند ہے کہ اس کے دائرۂ اختیار میں اگر کوئی شخص قتل کردیا جائے تو اس کے قاتل کا سراغ لگائے اسے گرفتار کرے اور قانون کے مطابق اس سے قصاص لے۔[غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۵] ظاہر ہے قصاص کا قانون یہ ہے کہ اگر قاتل کو اولیاء معاف کردیں تو اسے معاف کر کے اولیاء کو خوں بہا اچھے طریقے سے ادا کردیا جائے اس کے سوا قرآن نے کوئی دوسرا قانون بیان نہیں کیا۔اس قانون میں تمام تر اختیار صرف مقتول کے اولیاء کے پاس ہے اسلامی حکومت معاشرے عدالت ریاست کا کام صرف اور صرف یہ ہے کہ اولیاء کی مرضی کو بالکل ٹھیک طریقے سے اس کی روح کے مطابق نافذ کردے۔

خود مجروح یا مقتول کے اولیا اگر جان کے بدلے میں جان، عضو کے بدلے میں عضو اور زخم کے بدلے میں زخم کا مطالبہ نہ کریں اور مجرم سے نرمی برتیں تو عدالت کم تر سزا بھی دے سکتی ہے ——— قرآن کا ارشاد ہے کہ یہ پروردگار عالم کی طرف سے لوگوں کے لیے ایک

رعایت اوران پراس کی عنایت ہے۔ چنانچہ اس جرم کے متاثرین اگر اسے اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان کی یہ معافی ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی——— چہارم یہ کہ مجروح یا مقتول کے اولیا کو اس صورت میں مجرم کی طرف سے دیت دی جائے گی [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۲۱۷]

اسلامی شریعت میں قصاص دیت کے احکامات بیان کرتے کرتے اچانک حضرت غامدی صاحب کا ارتقاء ہوجاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اولیاء کی معافی کا اختیار غیر مشروط نہیں مشروط ہے اور وہ ہے حکومت اور عدالت کی مرضی اگر عدالت چاہے تو اولیاء کی معافی قبول کر کے قاتل کو رہا کردے اور اگر عدالت چاہے تو معافی کو مسترد کر کے اس سے قصاص لے۔ دوسرے معنوں میں ولی کی کوئی حیثیت نہیں ولی کی مرضی کو قبول کرنا حکومت کی صواب دید پر ہے عہد رسالت سے لے کر آج تک کسی اسلامی عدالت نے ولی کی مرضی کو مسترد نہیں کیا یہ رسالت مآب کے حکم اجماع صحابہ اور اجماع امت کی سنگین خلاف ورزی ہے غامدی صاحب اس کے عادی ہیں کیوں کہ ان کے عقلی منطقی پیمانے بدلتے رہتے ہیں شاہ رخ جتوئی اور ریمنڈ ڈیوس کے مسئلے میں عوام کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے ولی کو اللہ کی طرف سے دیا گیا معافی کا قرآنی اختیار اپنے فلسفے سے منسوخ کر دیا اور تمام اختیارات ولی سے لے کر معاشرے حکومت اور عدالت کے سپرد کر دیے حالانکہ قصاص کی آیات میں سرے سے معاشرے اور عدالت کا کوئی ذکر نہیں قرآن نے جب ولی کو قصاص یا معافی کا اختیار دیا اور ولی نے قاتل کو معاف کر دیا تو اس کے بعد حکومت کی طرف سے قاتل کو قصاص میں قتل کرنے کی کوشش قرآن کا انکار ہے غامدی صاحب عقلی اور استقرائی طریقے سے اپنی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب مقتول کے ورثا جان کے بدلے میں جان کا مطالبہ نہ کریں اور مجرم کے ساتھ نرمی برتنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس کے بعد عدالت اور حکومت کا اختیار ہے کہ چاہے تو قصاص پر اصرار کرے اور مقتول کے وارثوں کی طرف سے کی گئی رعایت کو قبول کرنے سے انکار کردے۔ [غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۶]

قرآن کو اس بات پر یقیناً اصرار ہے کہ وارثوں کی مرضی کے بغیر قاتل کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاسکتی لیکن اس بات پر ہرگز اصرار نہیں ہے کہ وارث اگر نرمی برتنے پر تیار ہو جائیں تو اسے (قاتل کو) چھوڑ نا ضروری ہے۔ [غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۹]

حکومت اور معاشرہ جن پر قصاص فرض کیا گیا ہے، ہرگز اس کے پابند نہیں ہوئے کہ مقتول کے وارثوں نے اگر رعایت کا فیصلہ کیا ہے تو اسے لازماً قبول کرلیں۔ ان کی طرف سے رعایت کے بعد قصاص کی فرضیت ختم ہوئی ہے، اس کا جواز ختم نہیں ہوا۔ چنانچہ حکومت اور معاشرے کو پورا حق ہے کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کے پیش نظر وہ قصاص ہی پر اصرار کریں اور اس رعایت کو قبول کرنے سے انکار

کردیں۔[غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۸] دوسرے معنوں میں حکومت کو حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے سے انکار کردے اور اللہ نے ولی کو معافی کا جو اختیار دیا ہے اسے سلب کرلے۔

<u>صرف مسلمان کا قاتل ابدی جہنم کا مستحق ہے: غامدی</u>

صرف ولی کو اختیار ہے قصاص لے یا معاف کردے: غامدی

بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر وارثوں کی مرضی معافی کے لیے بنیادی شرط ہے اور انہوں نے معاف کردیا تو اس معافی کو قبول کرنے سے انکار کی دلیل قرآن کے نصوص سے کیوں مہیا نہیں کی گئی کیوں کہ قرآن نے واضح الفاظ میں قصاص کے مطالبے یا قاتل کی معافی کا اختیار صرف اور صرف ولی کو دیا ہے **وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا** [۱۷:۳۳]، **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ...... وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** [۲:۱۷۸،۱۷۹] ان آیات میں عدالت یا معاشرے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے لہٰذا قرآن کی آیت میں ولی کے ساتھ ساتھ حکومت عدالت کو معافی یا سزا کے اختیار میں —— برابر کی سطح پر داخل کرنا تحریف فی الدین ہے قرآن نے قصاص کا اختیار حکومت یا معاشرہ کو نہیں ولی کو دیا ہے معاشرے وحکومت اور عدالت کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ قصاص میں ولی کی مدد کریں۔

مکی سورت سورہ بنی اسرائیل میں قصاص کا جب حکم دیا گیا تب مسلمانوں کی حکومت مدینہ میں قائم نہ ہوئی تھی یعنی دارالحرب میں کفار کے غلبے کے باوجود مسلمان کا قصاص لیا جاسکتا ہے کیوں کہ زمین پر ایک مسلمان کی زندگی کی حفاظت سب سے عظیم کام ہے قرآن نے بھی یہی بات کی ہے اور غامدی صاحب بھی میزان میں تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان کو قتل کرنے والا ابدی جہنم کا حق دار ہے —— قرآن مجید نے قتل کے مرتکبین کو بالخصوص جب وہ کسی مسلمان کو قتل کریں قیامت میں ابدی جہنم کا مستحق قرار دیا اور پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے: **وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا** [۴:۹۳] (میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۱۶) [غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۶۱۶] اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کافر اور مسلمان کے خون میں فرق کرتا ہے قرآن کی نص صریح نے صرف مسلمان کے قاتل کو ابدی جہنم کا مستحق قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن انسانیت [Humanism] پر یقین نہیں رکھتا

اس کی نظر میں تمام انسان برابر نہیں ہیں ایک مسلمان کو کافر پر فوقیت اس کے ایمان کی وجہ سے حاصل ہے ــــــ

جب مدینہ میں حکومت قائم ہوگئی تب بھی قصاص کا اختیار ولی کو ہی حاصل تھا مگر اسلامی حکومت ریاست اور معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری یہ تھی کہ وہ قصاص یا معافی کے مطالبے کو اپنی قوت سے نافذ کردیں اولیاء کی مرضی معافی یا قصاص کے سلسلے میں اولیاء کی بھرپور مدد کریں۔سورہ نساء کی آیت ۹۲،۹۳۔بنی اسرائیل کی آیت ۳۳۔المائدہ کی آیت ۴۵۔البقرہ کی آیات ۱۷۸،۱۷۹ میں جو قتل کے جرم اور قصاص سے متعلق ہیں قصاص لینے کی ذمہ داری حکومت یا عدالت پر نہیں ایمان والوں پر ڈالی گئی ہے البقرہ میں آتا ہے اے ایمان والو تم میں سے جو قتل کردیے جائیں ان کا قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے رعایت تم قبول کرسکتے خوں بہا ادا کرو۔ان آیات میں حکومت اور عدالت کو کوئی ذمہ داری سپرد نہیں کی گئی ہے

<u>قصاص لینے کا اختیار صرف اسلامی حکومت کو ہے: غامدی</u>

کوئی شخص اقتدار کے بغیر خود قصاص نہیں لے سکتا: غامدی

قصاص کون لے گا ولی، معاشرہ، ریاست، حکومت یا نظم اجتماعی؟ غامدی صاحب کی تحقیق میزان کے صفحہ ۶۰۹ پر یہ ہے کہ قصاص صرف اور صرف اسلامی حکومت لے سکتی ہے لکھتے ہیں:

ان جرائم (قتل، محاربہ، فساد فی الارض وغیرہ) کے بارے میں یہ چیز ابتداء ہی میں واضح رہنی چاہیے کہ ان کی سزا کا حکم مسلمانوں کو ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں۔ بلکہ پورے مسلمان معاشرے کو دیا گیا ہے اور اس لحاظ سے ان کے نظم اجتماعی سے متعلق ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا حکم ہی قرآن کی ان سورتوں میں بیان ہوا ہے۔ جو اس وقت نازل ہوئی ہیں جب یثرب کا اقتدار رسول اللہ ﷺ کو منتقل ہو چکا تھا اور مسلمانوں کی ایک باقاعدہ حکومت وہاں قائم ہوگئی تھی۔ چنانچہ کوئی شخص یا جماعت اگر کسی خطۂ ارض میں سیاسی اقتدار نہیں رکھتی تو اسے یہ حق ہرگز حاصل نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کوئی سزا کسی مجرم پر نافذ کرے۔قرآن کے عرف میں فاجلدوا اور فاقطعوا کے مخاطب مسلمانوں کے امرا و حکام ہیں عام مسلمان ان احکام کے مخاطب ہی نہیں ہیں۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء،ص ۶۰۹]

مقتول کے قصاص کے معاملے میں مقتول کے وارثوں یا حکام کی مدد کرنا بھی درحقیقت مقتول کو زندگی بخشنا ہے۔اس لیے کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ ''قصاص میں زندگی ہے'' قصاص ایک فرض ہے جو مسلمانوں کے نظم اجتماعی پر اللہ نے عائد کیا ہے(میزان ۲۰۱۵ء،ص ۶۱۷

——— مجروح یا مقتول کے اولیا ——— مجرم کے ساتھ نرمی برتنے کے لیے تیار ہو جائیں تو عدالت جرم کی کم تر سزا بھی دے سکتی ہے۔قرآن کا ارشاد ہے کہ یہ پروردگار عالم کی طرف سے لوگوں کے لیے ایک رعایت اور ان پر اس کی عنایت ہے۔ چنانچہ اس جرم کے متاثرین اگر اسے اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان کی یہ معافی ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی ——— مجروح یا مقتول کے اولیاء کو اس صورت میں مجرم کی طرف سے دیت دی جائے گی۔(غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۶۱۷)

اس قانون میں مجرم کے لیے کسی رعایت کا فیصلہ کرتے وقت مقتول کے اولیا کی مرضی کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ نہایت حکیمانہ ہے۔ یہ چیز نہ صرف یہ کہ ان کی آتش انتقام بجھا دیتی ہے بلکہ قتل و جراحت جیسے جرائم سے مسموم معاشروں میں اس زہر کا تریاق بن جاتی ہے ——— قاتل کی جان پر مقتول کے وارثوں کو براہ راست اختیار مل جانے سے ایک تو ان کے بہت بڑے زخم کے اندمال کی ایک شکل پیدا ہوتی ہے دوسرے اگر اس صورت میں یہ کوئی نرم رویہ اختیار کریں تو قاتل اور اس کے خاندان پر یہ ان کا براہ راست احسان ہوتا ہے جس سے نہایت مفید نتائج کی توقع ہو سکتی ہے (میزان ۲۰۱۵ء، ص ۶۱۸)

<u>قصاص لینے کا اختیار صرف ولی کو ہے: غامدی</u>

قصاص دارالحرب میں بھی لیا جا سکتا ہے: غامدی

ابھی تک دعویٰ تھا کہ قصاص صرف اسلامی حکومت یا نظم اجتماعی لے سکتا ہے مگر میزان کے ص ۶۱۸ پر قرآن کے نص سے غامدی صاحب ثابت کرتے ہیں کہ قصاص صرف معاشرہ حکومت عدالت نہیں مقتول کا ولی براہ راست لے سکتا ہے حتی کہ اگر ولی دارالحرب میں ہے تب بھی دارالحرب میں اسلامی معاشرے، اسلامی حکومت، اقتدار اور نظم اجتماعی کے بغیر بھی کفار سے قصاص لیا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

تاہم اس کے یہ معانی نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ حکومت اگر کسی جگہ قائم نہ ہو اور قصاص کا معاملہ مقتول کے اولیا ہی سے متعلق ہو جائے تو وہ اپنی اس حیثیت میں حدود سے تجاوز کریں اور مثال کے طور پر جوش انتقام میں قاتل کے علاوہ دوسروں کو بھی قتل کرنے کی کوشش کریں ——— چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے اور یثرب میں آپ کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا [بنی اسرائیل ۱۷:۳۳] ''اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے لہٰذا وہ اب قتل میں حدود سے تجاوز نہ کرے۔ اس لیے کہ اس کی مدد کی گئی ہے'' ۔(غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۶۱۸) قصاص سے متعلق غامدی صاحب کے تمام اصول محض [Pure Oxymoron] ہیں۔

غامدی صاحب کا ہر اصول اور ہر بیان ہی Oxymoron ہے

میزان میں کعبۃ اللہ کی تاریخ کا بیان بھی متضاد افکار کا شاہکار ہے

حضرت ابراہیمؑ پر اللہ نے الہام کر کے بتایا کہ کعبہ کی پرانی بنیادیں کہاں ہیں وہاں کھدائی کرو

حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کی پرانی تعمیر کا ایک چمکتا پتھر دیکھ کر اسی کے نیچے کھدائی شروع کر دی

دونوں بیانات Oxymoron ہیں میزان کے بیانات ان کے اپنے لفظوں میں پڑھیے

۱۔ بیت اللہ کا کوئی نام ونشان باقی نہ تھا اللہ سے الہام پا کر ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی پرانی بنیادیں دریافت کیں: غامدی میزان ص ۲۰۱۵ء، ص ۳۸۲

۲۔ ابراہیمؑ کعبہ پہنچے تو اس کی پرانی تعمیر کا صرف ایک چمکتا پتھر باقی رہ گیا تھا اسی یادگار پتھر کے نیچے باپ اور بیٹے نے زمین کھودنا شروع کی پرانی بنیادیں نکل آئیں تو انھیں بلند کیا اور اس پتھر کو عمارت کے ایک گوشے میں نصب کر دیا: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۹

جب کعبہ کا کوئی نام ونشان باقی ہی نہیں رہا تو ایک چمکتا ہوا پتھر کیسے باقی رہ گیا اور یہی پتھر کعبہ کی عمارت میں کیسے نصب ہو گیا؟

عقلی و منطقی طور پر غامدی صاحب کا یہ دعویٰ ناقابل قبول ہے

اللہ نے ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اس معبد (کعبہ) کو دوبارہ تعمیر کرو: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۹

ابراہیمؑ اس (کعبۃ اللہ کو) کو تلاش کرتے ہوئے یہاں (مکہ) پہنچے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۹

ابراہیم اللہ کے حکم پر بابل سے یہاں (مکہ) آئے تھے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۸۲

ابراہیمؑ مکہ خانہ کعبہ تلاش کرنے آئے تھے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۹

ابراہیمؑ خانہ کعبہ تعمیر کرنے آئے تھے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۸۲

ابراہیمؑ نے مکہ آکر بیت اللہ کی تعمیر کا آغاز کیا: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۸۲

ابراہیمؑ بابل سے ہجرت کر کے مکہ آئے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۹

ابراہیمؑ نے اسمٰعیل کی قربانی کے بعد کعبہ کی تعمیر کا آغاز کیا: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۹

ابراہیم نے اپنے فرزند اسمٰعیل کی مدد سے ایک بے چھت کی عمارت کھڑی کر دی [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۸۲] دوسرے معنوں میں یہ عمارت اللہ کے حکم کے بغیر بنائی گئی

قرآن نے واضح کیا کہ بیت اللہ پر کسی خاندان کا اجارہ نہیں ہے: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۷۳

وہ (قریش) اسے (کعبہ کو) تمام دنیا کے لیے عبادت کا مرکز بنائیں اور تمام انسانوں کو دعوت دیں کہ اس کی (کعبہ کی) برکتوں سے بہرہ یاب ہونے کے لیے اس پر حاضر ہوں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۷۴

قریش کی جانب سےتمام انسانوں کوکعبہ کی زیارت کی دعوت عجیب بات ہے: قرآن نے قریش کوحکم دیا کہ مشرکین سےاور بتوں سے کعبہ کو پاک کرو مشرکین اس گھر کی تولیت کے حق دار نہیں صرف نماز پڑھنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اس گھر کے وارث ہوسکتے ہیں۔غامدی صاحب کا یہ عقیدہ وحدت ادیان کا ثبوت ہے حالانکہ کعبہ کی تولیت مشرکین وکفار کے سپرد کی جاسکتی نہ ہی غیر مسلمان کفار اور مشرکین کو کعبہ کی زیارت کی دعوت دی جاسکتی ہے یہ قرآن کے نصوص صریحہ اور صحابہ وامت کے اجماع سے ثابت ہے غامدی صاحب حدود حرم کو دنیا کے تمام انسانوں کے لیے وسیع کرنے کی دعوت دے رہے ہیں حالانکہ مقامات میں لکھتے ہیں جزیرہ العرب میں کسی کافر مشرک کو رہنے بسنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی [مقامات ۲۰۱۴ء،ص ۱۹۶] جب کافر کو رہنے بسنے کی ہی اجازت نہیں تو اللہ کے پاک گھر میں کافر ومشرک عبادت کے لیے کیسے داخل ہوسکتے ہیں غامدی صاحب نے میزان میں لکھا ہے کہ کعبہ کے حق میں ازل سے طے کردیا گیا کہ توحید سے انحراف کرنے والوں کو (کافر ومشرکوں کو) اپنے سے دور پھینکتا رہے (میزان ۲۰۱۵ء،ص ۲۹۹) جب اللہ نے طے کردیا کہ کعبہ کفار ومشرکین کو اپنے سے دور پھینکے تو غامدی صاحب پوری دنیا کے انسانوں کو کعبہ آنے اور اس کی زیارت کرنے کی دعوت کیسے دے رہے ہیں؟ غامدی صاحب کے یہ افکار بھی Oxymoron ہیں

امام زہری ایک ہی چیز کے متعلق تین طرح کے جواب دیتے تھے اس لیے ان کی کوئی روایت قابل قبول نہیں [غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۳۱] غامدی صاحب ایک ہی چیز کے کئی جوابات دیتے ہیں تو ان کا حکم ان کے اپنے اصول کے تحت کیا ہوگا؟

غامدی صاحب امام زہری کے مقلد ہیں لہٰذا اگر امام زہری کی روایات قبول نہیں کی جاسکتیں تو غامدی صاحب کے اتباع میں غامدی صاحب کا دین بھی قبول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ غامدی صاحب بھی ایک چیز کے متعلق چار پانچ چھ قسم کے جوابات دیتے ہیں۔

<u>وضاع کون محترم عمار ناصر یا جناب غامدی صاحب؟</u>

عمار ناصر کے اعتراضات کا جائزہ

سیّد خالد جامعی

جناب غامدی صاحب کی میزان Oxymoron خیالات کا دفتر ہے ہر سطر ہر صفحہ متضاد افکار سے منور ہے۔حج وعمرہ کے باب میں غامدی صاحب نے کعبۃ اللہ کی تاریخ پر میزان میں صرف دو صفحات لکھے تو یہ تحریر بھی Oxymoron افکار سے آلودہ ہے انھیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ پہلے کیا کہہ چکے اور اب کیا کہہ رہے ہیں ایک ہی چیز کے بارے میں وہ چار پانچ قسم کے اور مختلف ومتضاد Oxymoron جوابات دے رہے ہیں۔اس طریقے کو غامدی صاحب تدلیس وادراج سے تعبیر کرتے ہیں اور امام زہری کی روایات مسترد کرنے کے لیے انھوں نے امام زہری پر یہ الزام لگایا کہ وہ ایک ہی چیز کے متعلق تین طرح کے جوابات دیتے تھے (میزان ۲۰۱۵ء ص

۳۱) لہٰذا غامدی صاحب کے اس اصول کے تحت غامدی صاحب بھی نا قابل اعتبار راوی ہیں لہٰذا اگر امام زہری کی روایات قبول نہیں کی جاسکتیں تو غامدی صاحب کا دین بھی قبول نہیں کیا جاسکتا خود غامدی صاحب کا اصول جو میزان میں بیان ہوا ہے اس کے مطابق آدمی اگر اپنے اجتہاد یا گمان کے مطابق کسی چیز کو دین وشریعت کا تقاضہ سمجھتا ہے تو اس کی خلاف ورزی اس کے لیے جائز نہیں قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۶] اس اصول کے تحت غامدی صاحب نے ضمیر کے ساتھ خیانت کی ہے لہٰذا ان کا دین بھی مسترد کیا جاسکتا ہے کعبۃ اللہ کی تاریخ ——— غامدی صاحب کے قلم سے "میزان" میں پڑھیے:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام بابل سے ہجرت کے بعد اس کو (کعبہ کو) تلاش کرتے ہوئے یہاں (مکہ) پہنچے تو اس کی (کعبہ کی) پرانی تعمیر کا صرف ایک چمکتا ہوا پتھر باقی رہ گیا تھا۔ اسمٰعیل کی قربانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ اس معبد کو دوبارہ تعمیر کریں۔ چنانچہ باپ بیٹے دونوں نے مل کر اسی یادگار پتھر کے نیچے زمین کھودنا شروع کی۔ پرانی بنیادیں کچھ تگ ودو کے بعد نکل آئیں تو انھیں بلند کیا اور اس پتھر کو عمارت کے ایک گوشے میں نصب کر دیا۔ اسمٰعیل اسی گھر کی نذر کیے گئے تھے۔ [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۹] غامدی صاحب کو یاد نہیں رہا کہ وہ کعبہ کے بارے میں کیا لکھ رہے ہیں لہٰذا صرف تیرہ صفحات کے بعد اسی کتاب میزان میں کعبۃ اللہ کے بارے میں صفحہ ۳۸۲ پر بالکل نئی معلومات مگر متضاد پیش فرماتے ہیں۔

سیدنا ابراہیمؑ تقریباً چار ہزار سال پہلے جب اللہ کے حکم سے یہاں آئے تو بیت الحرام امتداد زمانہ اور سیلاب کی ستم رانیوں سے گر چکا تھا اور اس کا کوئی نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ پروردگار سے الہام پا کر انھوں نے اس کی پرانی بنیادیں دریافت کیں اور اپنے فرزند اسمٰعیل کی مدد سے ایک بے چھت کی عمارت کھڑی کر دی [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۸۲] ظاہر ہے غامدی صاحب کے کعبہ کی تاریخ سے متعلق دونوں بیانات بھی Oxymoron ہیں۔

میزان میں غامدی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن نے کہا کہ کعبہ کے پاسبانوں اور خدمت گزاروں کا فرض ہے کہ وہ اسمٰعیل کی طرح اسے عبادت کا مرکز بنائیں اور تمام انسانوں کو دعوت دیں کہ اس کی برکتوں سے بہرہ یاب ہونے کے لیے اس آستانہ پر حاضر ہوں [غامدی، میزان ۲۱۵ ص ۳۷۴] یعنی تمام انسان حج کے لیے بیت اللہ آسکتے ہیں۔ قریش اور امت مسلمہ پابند ہیں کہ دنیا کے تمام انسانوں کو بیت اللہ کے حج کی دعوت دیں کسی کو یہاں آنے سے روکنے کی کوشش نہ کریں مگر اسی میزان میں حضرت والا کی تحقیق یہ بھی ہے کہ ازل سے طے کر دیا گیا ہے کہ بیت اللہ توحید سے انحراف کرنے والوں کو (مشرکوں کو) دور پھینکتا رہے: [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۹] غامدی صاحب کے یہ خیالات بھی Oxymoron ہیں

عمار صاحب بتائیں کہ وضاع کون ہے عمار صاحب یا محترم غامدی صاحب جو دین تاریخ عقیدہ سب کچھ وضع کرنے کے عادی ہیں۔

ایمان بالغیب صرف اور صرف عقل سے حاصل ہوتا ہے، غامدی صاحب کا نیا اجتہاد

غیب پر ایمان کا ماخذ عقل دلیل اور فطرت ہے: غامدی

دلائل عقل وفطرت قطعی ہوتے ہیں: غامدی

غیب عقل کی میزان پر تولا جاتا ہے: غامدی

محترم عمار ناصر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ

وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

غامدی صاحب اس امت کے پہلے محقق مجتہد اور مفکر ہیں جو ایمان بالغیب کی ایک ایسی توجیہہ پیش کرتے ہیں جو اس امت کی تاریخ تہذیب قرآن وسنت اور اسلامی علمیت کے لیے بالکل اجنبی غلط اور نا قابل قبول ہے غیب پر اور تقدیر پر ایمان کے بغیر کسی مسلمان کا ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا اور غیب وہ ہے جو کسی وسیلے اور ذریعے کے بغیر قابل ادراک ہو ظاہر ہے انسان غیب کا براہِ راست ادراک کرنے سے قاصر ہے لہٰذا اس پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

مثلاً خدا کے وجود پر اس کی ہستی پر ایمان اسے بن دیکھے لانا ہے اس کی ہستی کا ادراک ذہن انسانی کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ لامحدود ہے اور انسان محدود وہ خالق ہے یہ مخلوق ہے وہ عقل کلی ہے اور انسان کی عقل محض خالق کی مخلوق جو محسوسات کے بغیر کارآمد ہی نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اللہ اور دیگر امور میں ایمان بالغیب لازم ہے خود غامدی صاحب لکھتے ہیں اللہ کی ذات کسی طرح انسان کے حیطہ ادراک میں نہیں آ سکتی [میزان ۲۰۱۵ء، ص۹۲] ادراک کے ذرائع ذات الٰہ کا احاطہ نہیں کر سکتے کسی شے سے روشنی منعکس نہ ہو تو آنکھ کی بصارت دیکھنے سے قاصر رہ جاتی ہے اللہ کے پیغمبر موسیٰ کے لیے اللہ کو دیکھنا ممکن نہ ہوا [میزان ۲۰۱۵ء، ص۹۲] ذات باری تعالیٰ سے متعلق انسان تشبیہہ تمثیل کا طریقہ بھی اختیار نہیں کر سکتا لہٰذا تشبیہہ وتمثیل کے طریقے کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہے۔ [میزان ۲۰۱۵ء، ص۹۴] لہٰذا خدا کی ذات پر ایمان بالغیب لائے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے یہی صورت حال وحی اور نزول وحی کی کیفیات کے ساتھ درپیش ہے ان پر ایمان بالغیب ضروری ہے خود غامدی صاحب لکھتے ہیں نزول وحی کی کیفیات کو سمجھنا انسان کے حدود علمی سے باہر ہے [میزان ۲۰۱۵ء، ص۱۲۷]۔

بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ انسان Phenomenon مظہر کے بارے میں تو مشاہدے تجربے محسوسات سے جان سکتا ہے لیکن Noumenon معقول بالذات کماہیہ کے بارے میں نہیں جان سکتا۔ کانٹ جیسے فلسفی نے اپنی کتاب تنقید عقل محض میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انسانی علم کا دائرہ مظاہر تک محدود ہے اور مشاہدات، تجربات، محسوسات سے ماوراء کا علم انسانی عقل کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ انسان کو وہ ذرائع میسر ہی نہیں ہیں جو مظاہر کی دنیا سے ماورا دوسری دنیا کی حقیقتوں کا ادراک کر سکیں لہٰذا جو چیز ہمارے حیطہ ادراک میں دائرہ عقلیات اور تجربات میں نہیں آ سکتی وہ اگر وجود بھی رکھتی ہے تو اس کا وجود ہمارے لیے کوئی معانی نہیں رکھتا کانٹ نے عقل کی محدودیت کا اعتراف کرنے کے باوجود عقل کے ذریعے ہی مابعد الطبیعیات کا انکار کر دیا۔ مگر غامدی

صاحب کانٹ سے بڑے مفکر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ محسوسات و تجربات سے ماوراء حقائق ومظاہر کا علم عقل اور فطرت، تدبر و تفکر سے ممکن ہے۔

واضح رہے کہ [Noumenon] معقول بالذات کے بارے میں فلسفی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا تصور انسانی علم کی آخری حد ہے مثبت معنوں میں وہ جو عقل بتائے کہ 'ہے' مگر یہ نہ بتا سکے کہ 'کیا ہے'؟ عقل سے کسی برتر ہستی خالق کے وجود کا ادراک ایک سطح پر تو ہو سکتا ہے مگر اس کی ذات صفات تجلیات اس کی شریعت اس کی رضا اس کے رسولوں اس کی کائنات کے مقاصد اس کو مطلوب زندگی اس کی پیدا کردہ آخرت کا تصور ممکن نہیں اسی لیے ایمان بالغیب۔ ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ ایمان بالغیب یہی ہے کہ وہ حقائق صداقتیں جو آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے محدود عقل کے پیمانے میں نہیں سما سکتے ان پر انسان نبیوں اور رسولوں کی اطلاع پر ایمان لے آئے صرف عقل [Pure Reason] کی بنیاد پر لایا ہوا ایمان کفایت نہیں کرتا اور تشکیک کا خاتمہ بھی نہیں کرتا لہٰذا یونانی عقلیت کانٹ کے عہد میں مابعد الطبیعیات کے انکار کے ساتھ ہی مسترد ہوگئی اور ایک نئی عقلیت نے جنم لیا ایک نئی مابعد الطبیعیات وجود میں آئی جسے ہائیڈیگر حاضر و موجود کی مابعد الطبیعیات [Metaphysics of Presence] کہتا ہے اس مابعد الطبیعیات کی بنیاد پر جو تہذیب تاریخ نظام زندگی وجود میں آیا اس میں خیر و شر کی بحث بے معنی ہے اصل چیز رچرڈ رارٹی کے الفاظ میں صرف یہ ہے کہ What is usefull کون سی شے فائدہ مند ہے انسان اسی ایک اصول کے محور پر گردش کر رہا ہے۔

نامنا، فنامنا کی بحث میں ایک بنیادی بات جو نظر انداز کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ موجود کا دائرہ ہمیشہ معلوم سے بڑا ہوتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جو نظر نہیں آ رہا جو معلوم نہیں ہے وہ وجود ہی نہیں رکھتا آپ اس کے وجود [Existence] سے لاعلم ہیں یہ آپ کا مسئلہ ہے وجود کا مسئلہ نہیں لہٰذا کسی کی شہادت پر مان لیجیے

مگر غامدی صاحب اسے تسلیم نہیں کرتے۔ مقامات میں لکھتے ہیں:

ایمان بالغیب کے معنی یہ ہیں کہ وہ حقائق جو آنکھوں سے دیکھے نہیں جا سکتے، اُنھیں انسان محض عقلی دلائل کی بنا پر مان لے ——— ذات خداوندی ——— نبی ﷺ کی طرف جبرل امین کو وحی کرتے ہم نے نہیں دیکھا، لیکن اس کے باوجود ہم ان سب باتوں کو مانتے ہیں ——— ان حقائق کو ماننے کے لیے ——— قرآن اور کائنات میں ایسے قوی دلائل موجود ہیں جن کا انکار کوئی صاحبِ عقل نہیں کر سکتا ——— چنانچہ ہم انھیں بے سوچے سمجھے نہیں مانتے ——— وہ چیز جو دیکھی نہیں جا سکتی، لیکن عقل کے ذریعے سے سمجھی جا سکتی ہے اسے دیکھنے کا تقاضا ہی سب سے بڑی بے عقلی ہے ——— قرآن نے جو حقائق پیش کیے ہیں ان پر ہمارے ایمان کی بنیاد بھی یہی ہے۔ وہ بے شک حواس سے ماورا ہیں، لیکن عقل سے ماورا نہیں ہیں۔ ہم نے انھیں عقل کی میزان میں تولا ہے اور ان میں رتی بھر کمی نہیں پائی ——— چنانچہ ہم ان پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم انھیں عقل و فطرت کے قطعی دلائل کی بنا پر مانتے ہیں [غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۱۴]

یہاں غامدی صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان عقل و فطرت کے قطعی دلائل کی بنیاد پر غیب پر ایمان لے آتا ہے یعنی عقل و فطرت علم قطعی کے ماخذ ہیں

ان پر تدبر وتفکر سے یقینی علم اور ایمان حاصل ہو جاتا ہے لیکن یہی غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث سے جو علم حاصل ہوتا ہے (وہ قطعی نہیں ہوتا) کیوں کہ وہ درجہ یقین کو نہیں پہنچتا اسے زیادہ سے زیادہ ظن غالب قرار دیا جا سکتا ہے [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء، ص۱۶۴]

حیرت ہے کہ انسان اپنے تدبر وتفکر اور قرآن وکائنات میں غور وفکر سے تو غیب پر ایمان قطعی اور علم یقینی خود حاصل کر سکتا ہے لیکن حدیث پر غور وفکر اور تدبر سے قطعی علم یقینی علم حاصل نہیں ہو سکتا کیا عقل اور فطرت حدیث نبوی سے زیادہ معتبر ہیں؟ـــــــ غامدی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ حدیث سے قطعی علم اس لیے حاصل نہیں ہو سکتا کیوں کہ حدیثوں کو صرف گنتی کے لوگوں نے بیان کیا یہ اجماع وتواتر سے منتقل نہیں ہوتیں [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء، ص۱۶۴] حدیثوں سے یقینی علم اس لیے بھی حاصل نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ نے ان کی حفاظت وتبلیغ کا کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ لوگوں پر چھوڑ دیا کہ چاہیں تو حدیثوں کو آگے پہنچائیں اور چاہیں تو نہ پہنچائیں [میزان ۲۰۱۵ء، ص۱۵] حدیثوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ یقینی وقطعی نہیں ہوتا مگر کلام جاہلیت سے لغت وادب کا حاصل ہونے والا علم یقینی ہوتا ہے اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ کلام جاہلیت اجماع وتواتر سے منتقل ہوتا ہے باللفظ ہوتا ہے اور اس میں داخل منحول کلام کی شناخت آسان ہوتی ہے مگر حدیث کا معاملہ ایسا نہیں ہے یہ غامدی صاحب کی تحقیقات کا عطر خلاصہ اور جوہر ہے جو میزان کے پہلے باب میں موجود ہے۔ لہٰذا غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن کے بعد یہی کلام ہے (کلام عرب/کلام جاہلیت) جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جو صحت نقل اور روایت باللفظ کی بنیاد پر سند وحجت کی حیثیت رکھتا ہے تم لوگ اہل جاہلیت کے اشعار کی حفاظت کرتے رہو ـــــــ کہ ان میں تمہاری کتاب کی تفسیر بھی ہے اور تمہارے کلام (قرآن) کے معنی بھی ہیں [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۹] یعنی قرآن کی تفسیر اور معانی کے لیے کلام جاہلیت حجت سند قطعی اور یقینی ہے یعنی قرآن کلام جاہلیت کا محتاج ہے مگر کلام اللہ کلام رسول اللہ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ مگر قرآن کے معانی سمجھنے کے لیے حدیث قطعی اور یقینی نہیں ہے اس سے بڑی جہالت اور جاہلیت کیا ہو سکتی ہے؟ اسی کو جدید اصطلاح میں جدیدیت (ماڈرن ازم) کہا جاتا ہے جدیدیت کی خاص صفت یہ ہے کہ یہ تاریخ کا انکار کرتی ہے عقل کے سوا کسی پر اعتماد نہیں کرتی اور عقلیت کی بنیاد پر ایک نئی تاریخ تخلیق کرتی ہے لہٰذا جدیدیت اٹھارہویں صدی سے پہلے کے زمانے کو نہایت ناقدانہ طریقے سے دیکھتی ہے۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا عقل حواس کے بغیر کام کر سکتی ہے؟ اگر حواس معطل ہوں تو کیا عقل متحرک رہ سکتی ہے؟ کسی زمانے میں فلسفے میں افضل علم وہ کہلاتا تھا جو قبل تجربی [a priori] یعنی کسی تجربے کے بغیر صرف عقل کے ذریعے حاصل کیا گیا اور سب سے کم تر علم وہ سمجھا جاتا تھا جو تجربے کے ذریعے [a postriori] حاصل ہوا اسی لیے روایتی تہذیبوں میں مابعد الطبیعیات کے عالم فلسفی کو عزت دی جاتی تھی سائنسی علوم کے ماہرین کو کوئی عزت نہیں ملتی تھی کیونکہ وہ علم کی تلچھٹ رکھتے تھے کانٹ کے بعد سائنسی یعنی تجربی علم کو سب سے افضل علم سمجھ لیا گیا۔ ماڈرن ازم میں علم کا ذریعہ عقلیت وتجربیت اور پوسٹ ماڈرن ازم میں علم کا ذریعہ تخلیقی تخیل Creative imagination اور جمالیات Aesthetics ہے۔ جدیدیت نے کانٹ کے فلسفے کے ذریعے عقلیت و تجربیت کو علم کا ماخذ تسلیم کیا لہٰذا جدید سائنس نے زبردست ترقی کی لہٰذا افضل علم اب قبل تجربی نہیں بعد تجربی a Posteriorie یعنی سائنس ہی اصل العلوم

ہے اسی لیے ہر علم کو عہد حاضر میں سائنس کے پیمانے یعنی عقلیت و تجربیت پر پرکھا جا رہا ہے ۔ان معنوں میں غامدی صاحب ایک اسلامی نہیں جدیدیت پسند مفکر ہیں جو عقل کو مغرب کے اتباع میں ماخذ علم سمجھتے ہیں ۔جبکہ مغرب میں عقلیت کی آفاقیت کے دعوے پس جدیدیت کے مفکرین کی جانب سے عقلیت کی بنیاد پر رد کر دیے گئے ہیں ۔غامدی صاحب نے دین کو فلسفے کا اصول بنا دیا ہے لیکن وہ یہ بھول گئے کہ خود عقل صرف حواس کے ہی نہیں جذبات کے بھی تابع ہے [Reason is the slave of Passions] صرف دین انسان کو عقل، جذبات، حواس سے ماوراء کر کے ایمان کی دعوت دیتا ہے عقل ذریعہ [Mean] علم ہے ماخذ [Source] علم نہیں ہے وہ محض ایک آلہ، وسیلہ، ہتھیار [Tool] ہے جس سے ایمان کے تابع کام لیا جا سکتا ہے ۔خود غامدی صاحب اپنے مضمون عقل و وحی میں لکھتے ہیں عقل خدا کی نعمت ہے انسان کی رہنمائی کے لیے اپنی غیر معمولی اہلیت کے باوجود اس کے بعض حدود ہیں اور ان کے ساتھ بعض آفات بھی لگی ہوئی ہیں عقل کا ذریعہ معلومات اگر کچھ ہے تو ہمارے حواس اور ہمارا وجدان ہی ہے عقل مجبور ہے کہ اپنے فیصلوں کے لیے انھی دو ذرائع حواس اور وجدان پر اعتماد کرے یہ دونوں ذرائع اپنا ایک محدود دائرۂ عمل رکھتے ہیں عقل جب تک انھی پر منحصر ہے وہ اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتی [غامدی، مقامات سہ لسانی عربی اردو انگریزی ایڈیشن طبع دوم، لاہور، المورد ۔۲۰۰۶ء، ص ۶۷، عقل اور وحی ۔یہ ایڈیشن بازار سے غائب کرا دیا گیا تھا اب بازار میں مقامات کا صرف اردو ایڈیشن دستیاب ہے غامدی صاحب کی انگریزی شاعری اور عربی مضمون شواہد الفراہی اس میں سے غائب کر دیا گیا ہے کیونکہ اس عربی مضمون میں چھ سو سے زیادہ غلطیاں تھیں اور انگریزی شاعری بڑے انگریزی شعراء کے مصرعوں کا سرقہ تھی ۔ماہنامہ ساحل نے ۲۰۰۷ء کے اپریل، مئی جون، جولائی، اگست کے شماروں میں اس کتاب پر قیمتی تبصرے شائع کیے تھے]

<u>عقل وحی کی رہنمائی کے بغیر باؤلی ہو جاتی ہے: غامدی</u>

عقل پر جذبات تعصّبات غالب آ جاتے ہیں اور حالات اسے متاثر کر لیتے ہیں عقل کے یہی حدود اور آفات ہیں جن کی بناء پر وہ مجبور ہے کہ اپنے لیے کوئی ایسا رہنما تلاش کرے جو اسے ان حقائق تک پہنچائے جو اس کی پہنچ سے باہر ہیں عقل کے اندر اس تلاش کے لیے ابتداء ہی سے بڑا قوی تقاضہ رہا ہے اللہ نے اپنی وحی اسی تقاضے کو پورا کرنے کے لیے نازل کی ہے جس طرح انسان کی رہنما عقل ہے اسی طرح عقل کی رہنمائی وحی الٰہی ہے انسان اگر عقل کی رہنمائی سے محروم ہو جائے تو ہم اسے پاگل کہتے ہیں اگر وحی کی رہنمائی سے محروم ہو جائے تو وہ بھی بالکل باؤلی ہو جاتی ہے ۔[غامدی، مقامات، ۲۰۰۶ء، ص ۶۸]

غامدی صاحب نے ۲۰۰۸ء کے بعد دین کو صرف اور صرف عقلیت کے پیمانے تک محدود کر دیا ہے لہٰذا اب وہ دین کی ہر بات عقل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر کوئی ان سے یہ سوال کرے کہ ایک آدمی جب مباشرت یا احتلام کے بعد غسل کے لیے دریا یا سمندر میں غوطے لگا لیتا ہے اس کے باوجود اسے پاک تسلیم نہیں کیا جاتا اس کی کیا عقلی دلیل ہے؟ تو غامدی صاحب اس کی کوئی دلیل نہیں دے سکتے ۔اس کی دلیل صرف یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے تم سات سمندر میں غسل کر کے آ جاؤ عقلاً شاید پاک ہو جاؤ لیکن دین میں تمہیں ناپاک ہی تصور کیا جائے گا ۔جب تک پاکی حاصل کرنے کا وہ طریقہ اختیار نہ کیا

جائے جو رسالت مآب نے بتایا ہزاروں گیلن پانی بہانے سے پاکی حاصل نہیں ہوسکتی اصل پاکی شریعت کی تقلید میں ہے۔نماز دین کا ستون ہے لیکن عورت کو ایام حیض کی نمازوں کو ادا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا مگر قضا روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس کی عقلی دلیل کیا ہے؟ ظاہر ہے دین کی ہر بات عقل سے ثابت نہیں کی جاسکتی نہ ہر بات عقل کے معیار پر اترتی ہے کیوں کہ عقل مخلوق ہے کلام اللہ مخلوق نہیں خالق کا کلام ہے لہٰذا کمتر برتر کے کلام کے تمام اسرار معارف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کے قابل ہی نہیں ہے۔اسی لیے رسالت مآبؐ کی اتباع فرض ہے ان کے بغیر دین پر عمل ممکن ہی نہیں۔

ہمارے شاگرد رشید جناب ظفر اقبال نے اپنی کتاب اسلام اور جدیدیت کی کشمکش کے تیسرے باب جدید منہاج علم ماخذ و منابع: عقل محض عقل سلیم فرق اور امتیاز میں عقلیت کی نارسائی بےبسی بےکسی پر ہمارے اشارات وتحقیقات کو نہایت عمدہ طریقے سے جمع کیا ہے جدید ذہن کے لیے ظفر اقبال صاحب کی یہ سادہ مختصر اور نہایت مدلل و موثر تحریر ہے علماء کو بھی اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔

ہمارے عزیز شاگرد ظفر اقبال نے جب فلسفے اور سائنس کے مباحث ہماری نگرانی میں پڑھنے شروع کیے تو شروع میں ایک سال تک عقل کی فوقیت کے بارے میں وہ بہت اونچی رائے رکھتے تھے مباحثہ مذاکرہ ہوتا تو وہ عقل کی حمایت میں بہت سے دلائل اور جوابات پیش کرتے عموماً ان کے دلائل معتزلہ یا جدید معتزلیوں سے مستعار ہوتے جیسے سرسید، عبدہ، افغانی، شبلی، خدا بخش، امیر علی، فیضی، اصغر علی، انجینئر، وحید الدین خان، یوسف قرضاوی، مصر کی جماعت وسطانیہ، ملیشیا کی سسٹر آف اسلام، ایران کے عبدالکریم سروش، علی شریعتی، آیت اللہ مطہری، غامدی وغیرہ وغیرہ ایک دن راقم نے انھیں ہدایت کی کہ المعجم المفہرس للفاظ القرآن میں قلب، عقل، فواد اور اس کے مترادفات—— سے متعلق تمام آیات پر وہ پورا دن تدبر و تفکر فرمائیں پورا دن گزر گیا دن کے اختتام پر راقم نے عقل کی محدودیت کا فلسفہ اس فلسفے کے دلائل، عقلیت پرستی پر تنقید کے دلائل اور عقلیت پرستی کے حوالے سے نصوص قرآنی اور اسلامی تاریخ سے چند واقعات ان کی خدمت میں پیش کیے اور ان کے عقلی استدلالات کا تجزیہ پیش کیا، تب ظفر اقبال صاحب کو عقلیت کی حقیقت ماہیت اور حیثیت کا بخوبی اندازہ ہوا ہمارا وہ خطبہ اور اس میں پیش کردہ واقعات اب ان کی کتاب میں ''عقلی موشگافیوں اور دینی مزاج'' کے عنوان سے جمع کر دیے گئے ہیں وہ باب غامدی صاحب کی خدمت میں بھی پیش کیا جا رہا ہے امید ہے وہ توجہ فرمائیں گے:

یہ خیال کہ روشنی اور اندھیرے میں فرق صرف عقل کی بنیاد پر ممکن ہے۔عقل سلیم اور نقل صحیح میں کوئی تضاد ممکن نہیں۔عقل اگر خالص ہو تو وہ اسی نتیجے پر پہنچتی ہے جس نتیجے پر انسان نقل کے ذریعے پہنچتا ہے، پیغمبر ظاہر [انبیا و مرسلین] جس منزل پر لے جاتے ہیں پیغمبر باطن [عقل] بھی اسی منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہے —— درست نہیں۔اگر عقل ہی خیر و شر کو جانچنے کا پیمانہ ہے، تو کیا عقل کو بھی جانچنے کا کوئی پیمانہ ہے؟ یا عقل کو جانچنے کا پیمانہ محض عقل ہے، اگر عقل کو جانچنے کا پیمانہ خود عقل ہی ہے تو پھر عقل کو جانچنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بالفاظ دیگر اگر عقل کو جانچنے کا پیمانہ اس کے اندر، یعنی عقل، سے ہی نکلتا ہے، اگر وہ خود ہی پیمانہ ہے تو اسے پرکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ خیال کہ حسیات سے ورا عقل کچھ نہیں کرسکتی، یعنی وہ عقل کا دائرہ نہیں تو پھر حسیات سے متعلق امور میں اگر اختلاف ہو تو فیصلہ کون کرے گا؟ عقل یا وہ مابعدالطبیعیات جو عقل سے ماورا ہے۔

عقلیت کی تحریک ان خطوں سے اٹھی جہاں انبیا کی تعلیمات بالکل معدوم ہوگئیں، عقل کے طالب عقل کی حدود کو نظر انداز کر کے category mistake کرتے ہیں۔ عقل مقاصد کا تعین نہیں کر سکتی لہٰذا قرآن وسنت کے طے شدہ مقاصد کے لیے عقل جب کام کرتی ہے تو یہ سرگرمی اجماع واجتہاد کی صورت میں ظہور کرتی ہے۔ عقل کے استعمال سے پیدا ہونے والے فطری اختلافات کا حل اجماع اور مسلک جمہور ہے۔ جس طرح بائبل اور قرآن میں تقابل بہ ظاہر عقل کے ذریعے ہوتا ہے، لیکن عملاً یہ تقابل نقل کے منہاج میں ہوگا، عقل یہاں ایک ذریعہ وسیلہ ہوگی جس طرح زبان بھی اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ قرآن و بائبل کا تقابل کرنے کے لیے پہلے قرآن پر ایمان لانا ہوگا پھر اس ایمان کی دلیل عقل کے ذریعے بیان ہوگی، یعنی پہلے ایمان ہے پھر عقل۔ عقل ایمان کے تابع ہے، ایمان عقل سے ماورا ہے اس کا تابع نہیں۔ جو چیز یا تصور انسان کی عقل سمجھنے سے قاصر رہے تو وہ شے خلاف عقل نہیں ماورائے عقل ہوتی ہے۔ خلاف عقل ہونا اور ماورائے عقل ہونا دو مختلف نقطۂ ہائے نظر ہیں جن کے نتائج یک سر مختلف ہوتے ہیں، کسی شے اور وجود کا عقل سے ماورا ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ شے وجود ہی نہیں رکھتی اسی لیے اصول یہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ قرآن ہمیں عقل کے ذریعے نہیں، مشاہدے اور تجربے کے ذریعے نہیں، بلکہ نقل کے ذریعے ملا ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن کتاب اللہ ہے تو ہم نے تسلیم کیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کے بارے میں براہ راست کچھ نہیں بتایا اس ایمان کو بلاشبہ عقلی دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہے لیکن یہ نقل کا اثبات ہے بہ ذریعۂ عقل۔ عقل ہمارے ایمان کی دلیل مہیا کرتی ہے صرف دلیل سے ایمان مہیا نہیں ہوتا، دلیل عقل کی رہنمائی کر دیتی ہے لیکن قلب کی ہدایت یا قبولیت کے بغیر عقل کی رہنمائی کار آمد نہیں رہتی۔ عقل مان لیتی ہے دل نہیں مانتا، دلیل قلبی کے بغیر دلیل عقلی بے معنی ہے اسی لیے ایمان تعقل قلبی کا نام ہے۔ قرآن نے عالم وعاقل اور اہل فکر اس کو قرار دیا جو الحق اور الکتاب کو قبول کرے، جو اس کو رد کر دے وہ کم عقل، جاہل، ظالم اور شر الدواب ہے لہٰذا عقل کو پرکھنے کا پیمانہ قبولیتِ ایمان ہے جو عقل ایمان قبول نہ کرے وہ عقل نہیں جہل ہے۔ عقل کے استعمال کا لازمی نتیجہ ایمان ہے، عقل کا واحد نتیجہ عبدیت کا اقرار یعنی سجدہ ہے، عقل کی اصل شکل بندگی اور حالت سجدہ ہے۔ اسی لیے قیامت کے دن وہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے جو دنیا میں نعمتِ سجدہ سے محروم ہے: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلاَ يَسْتَطِيْعُوْنَ O خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ [۶۸:۴۲،۴۳] دین میں قیاس اور اجتہاد اصلاً تدبر اور تفکر فی القلب ہے، عقل کلی، بصیرت تامہ کا نام ہے، محض خیال آرائی کا نام نہیں۔ یہ محض کوئی تخلیقی، علمی، تحقیقی اور عقلی سرگرمی نہیں بلکہ روحانی عمل ہے جس کا مقصد ہر عہد میں روح کی حفاظت ہے۔ یونانی عقلیت اپنے دورِ زوال میں ارسطو کے ذریعے ابدیت دنیا کے نتیجے پر پہنچی لہٰذا یونان میں حقیقت کے علم کی سرگرمی نے آخر کار صرف اس دنیا کے علم کو ہی اصل علم قرار دینے میں کلیدی کردار ادا کیا، ارسطو کے زیر اثر مغربی فلسفہ آخر کار حقیقت کے سوال سے ہی دستبردار ہوگیا۔ ایک ہی عقل مختلف لوگ استعمال کرتے ہیں تو نتیجہ ایک نہیں نکلتا مختلف ہو جاتا ہے کیونکہ ہیوم کے مطابق عقل جذبات کی غلام ہے: Reason is the slave of Passion بالفاظ دیگر عقل نفس امارہ کی غلام ہے۔ عقل اگر کبھی کسی درست نتیجے پر پہنچ بھی جاتی ہے تب بھی اس درست نتیجے کو تسلیم کرنے سے قاصر رہتی ہے کیونکہ اس درست نتیجے کی تصدیق کا پیمانہ بھی عقل خود ہی ہے، یعنی عقل خود نتیجہ قائم کر کے اس نتیجے کو عقلی یا جذباتی بنیاد پر قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے اہلکاروں کا مکالمہ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی دلیل سے مطمئن ہو گئے کہ اگر یہ بت بول سکتے دیکھ نہیں سکتے تو تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ مگر اگلے ہی لمحے وہ بولے کہ یہ ہمارے باپ دادا کے طریقے سے ہٹانا چاہتا ہے اگر عقل خود ہی مقصد ہے، مقاصد کا تعین خود ہی کر سکتی ہے تو پھر عقلی کوشش کے نتیجے میں جو بھی عمل سرزد ہوگا وہ عقلی ہی ہوگا۔ مسلّمہ اصول ہے کہ پیمانہ ہمیشہ باہر ہوتا ہے لیکن عقلیت کو پرکھنے

کا پیمانہ عقلیت ہی ہے، یعنی انسان کے نفس میں پنہاں ہے لہٰذا نفس ہی حقیقت مطلق ہے۔ عقلیت کو دوام نہیں وہ ہر لحظہ بدلتی ہے جب کہ پیمانہ مستقل ہوتا ہے۔ اگر کسی فیصلہ کی بنیاد صرف عقل ہے تو فرقان، منہاج، کسوٹی، عقل ہی ٹھہری لہٰذا عقل کبھی بھی ایمان سے دستبردار ہوسکتی، کہ عقل تو ارتقا کا نام ہے، یہ تغیر اور تنوع ہے۔ کانٹ کہتا ہے کہ [Believe in Reason] عقل اور دلیل پر ایمان لاؤ، لیکن سوال یہ ہے کہ خود عقل پر ایمان لانے کی کیا دلیل ہے؟ کانٹ کے مطابق دلیل یہ ہے کہ یہ آفاقی سچ ہے، مگر اس کا ثبوت کیا ہے؟ ظاہر ہے ایمان کی دلیل نہیں ہوتی عقل پر ایمان لاؤ کا سادہ ترجمہ یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنے آپ پر ایمان لاؤ، کیونکہ علم کا ماخذ تو عقل ہے جو انسان کے پاس ہے لہٰذا انسان خود اپنے آپ کی پرستش کرے، اپنی ہی عبادت کرے کسی دوسرے کی عبادت نہ کرے۔ کیوں کہ عبادت اس کی کی جاتی ہے جس کے پاس علم ہوتا ہے اور علم صرف انسان کے پاس ہے اسی لیے کانٹ کہتا ہے کہ انسان اپنے سوا ہر مقتدرہ [authority] کا انکار کردے۔ روایتی، الہامی اور دینی تہذیبوں میں اسی لیے ایمان عقل کے تابع نہیں عقل ایمان کے تابع ہے، مغرب میں عقل ماخذ علم [Source of knowledge] ہے۔ اسلام میں عقل محض ذریعۂ علم، ہتھیار اوزار ہے۔ عقل مقصد کا تعین نہیں کرسکتی، کسی متعین مقصد کے لیے وسیلے اور آلے، کا کام انجام دے سکتی ہے۔ عقل اپنے منہاج میں نتائج اخذ کرتی ہے اسی لیے اگر آپ جدیدیت کے منہاج میں کھڑے ہوں گے تو اس کے دعوے آپ کو عقلی لگیں گے لیکن اگر آپ مذہبی منہاج میں آجائیں تو مذہب کے عقائد، اعمال عقلی لگیں گے عقل محض زماں و مکاں سے ماورا نہیں ہوسکتی، عقل محض معروضی [Objective] نہیں ہوسکتی وہ موضوعی [Subjective] رہتی ہے۔ عقل زمان و مکان سے اٹھاسکتی ہے مگر اس ماورائیت پر دوام عطا نہیں کرسکتی، صرف عقل سے علم، الحق اور الکتاب نہیں ملتے بلکہ اس میں جذبات، وجدان، طلب، ہدایت، حواس، کوشش سب مل کر کوئی نتیجہ پیدا کرتے ہیں یہ مغرب کا المیہ ہے کہ اس نے ارسطو سے متاثر ہوکر انسان کو صرف عقلیت کے دائرے میں محصور و مقید اور محدود کردیا۔ اگر محض عقل اور فطرت، ہدایت، فلاح، کامیابی کے لیے کافی ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد کہ شجر ممنوعہ کے پاس مت جانا، حضرت آدمؑ کبھی تشریف نہ لے جاتے ان کی فطرت بالکل محفوظ اور عقل ہر داغ سے خالی تھی وہ شر اور گناہ کے تصور سے ماورا، مصفّٰی و منزہ عقل و فطرت تھی، مگر جب ہدایت ربانی [نقل] کی موجودگی میں فطرت و عقل کو ذریعۂ علم تصور کرنے اور اس پر اعتماد کرنے کی خطا سرزد ہوئی تو عقل دستگیری نہیں کرسکی صرف توبہ کام آئی اور حضرت آدمؑ نے اللہ رب العزت سے کلمات توبہ سیکھ کر عقل و نفس کی غلطی کی معافی طلب کی: وَ قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ O فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ O فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ [۲:۳۵ تا ۳۷] شیطان نے عقلی استدلال پیش کیا تھا لافانی زندگی اور لافانی سلطنت ایک فانی انسان کے لیے۔

قرآن میں جہاں جہاں ایسے بیانات ہیں جو ذہن انسانی کی دسترس سے باہر ہیں ان کا مقصد سائنسی تحقیق و ترقی نہیں بلکہ اہل ایمان کے ایمان میں اور اہل کفر کے کفر میں اضافے کے لیے ہیں، ان بیانات کو سائنسی تحقیقات سے جوڑ کر خواہ مخواہ غلط سلط سائنسی نتائج کی میزان پر کسنا معذرت خواہانہ جدیدیت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جدیدیت پسند مسلم مفکرین کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ عقلی دلائل سے بڑے بڑے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں لیکن محدود عقل قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے۔ عہد حاضر کے جدید ذہن کو، جو علمی موشگافیوں کا ماہر ہے، نت نئے سوالات سوجھتے ہیں یہ سوالات تحصیلِ علم، حصولِ معلومات، راہِ ہدایت کی طلب، علم میں

اضافے اور استفسار کے لیے نہیں ہوتے بلکہ اعتراض، ہجو، تضحیک، تنقید محض اور وہ بھی بلا علم، اس کا مقصد دینی تعلیمات و افکار پر کسی نہ کسی طرح کوئی عقلی اعتراض وارد کرنا ہوتا ہے۔ عہد حاضر کے جہلا کے سوالات کا جواب دینے کا طریقہ وہ نہیں ہے جو عالم آن لائن کے معروف فنکار اوران کے منتخب کردہ نوآموز جدید علماء اختیار کرتے ہیں اور دین کو رسوا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر سوال کا جواب دینا پاگل پن ہے جہلا کے سوالات کے جواب میں ہمہ وقت تیار رہنا اور جواب دینا خود جہالت ہے، وہ شخص عالم کہلانے کا مستحق ہی نہیں جو لا ادری کہنا نہیں جانتا یا کہتے ہوئے ہچکچاتا ہے علم بحر بے کراں ہے جو شخص ہر سوال کا جواب دینے کے لیے ہمہ وقت آمادہ ہے بلا شک وشبہہ جید جاہل ہے اور تمام ٹی وی پروگرام ان جید جہلاء کی جہالت سے منور ہیں اس ''منور اندھیرے'' سے نکلنے کے کئی طریقے ہیں مثلاً:

[۱] اگر عالم دین کو سوال کا جواب معلوم نہیں ہے تو واضح طور پر لا ادری کہہ دے یا کہہ دے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ایسا کہنا نصف علم ہے، ایک شخص نے حضرت مالکؒ بن انس سے ایک مسئلہ پوچھا اور کہا کہ ان کی قوم نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے مجھے ایک ایسی جگہ سے بھیجا ہے جس کی مسافت یہاں سے چھ ماہ کی ہے آپ نے کہا جس نے بھیجا ہے اس سے جا کر کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا، اس شخص نے شکوہ کیا کہ اگر آپ نہیں جانتے تو پھر اس مسئلے کو کون جانے گا فرمایا اسے وہ جانے گا؟ فرمایا اسے وہ جانے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کا علم دیا ہے، ملائکہ کہتے ہیں: لا عِلمَ لَنا اِلَّا مَا علَّمتَنا ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ علم کے کوہِ گراں کی عاجزی کا اندازہ کیجیے۔

امام مالکؒ سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے جن میں سے تیس کے جواب میں آپ نے فرمایا: لا ادری [میں نہیں جانتا]۔ خالد بن خداش سے روایت ہے کہ انھوں نے بتایا میں چالیس مسائل پوچھنے کے لیے عراق سے امام مالک کے پاس آیا اوران سے پوچھا تو صرف پانچ کے جوابات آپ نے دیے۔ امام مالکؒ اس راز کو جانتے تھے کہ جب عالم لا ادری نہ کہنے کی غلطی کرے تو وہ ہلاکت کی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ امام مالکؒ سے روایت ہے ان سے عبداللہ بن یزید بن ہر مزؒ نے روایت کی کہ عالم کو چاہیے کہ اپنے ہم نشینوں کو لا ادری سکھائے تاکہ ان کے ہاتھ میں ایک ایسی اصل اور ٹھکانہ ہو جہاں وہ پناہ لیں، اوران سے جب کوئی ایسی بات پوچھی جائے، جسے وہ نہیں جانتے تو لا ادری کہہ دیں۔ حضرت ابودرداءؓ سے صحیح روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا لا ادری [میں نہیں جانتا] کہنا نصف علم ہے۔ اسی لیے امام غزالیؒ نے مناظرے کی مذمت کی ہے اوراس کے لیے کڑی شرائط رکھی ہیں کیونکہ مناظرے کا مروّجہ ماحول اوراسلوب، الا ماشاءاللہ، لا ادری کہنے کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے یہ حق کے دروازے بند کرنے کا راستہ ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اس مسجد [مسجدِ نبوی] میں ایک سو بیس صحابہ کو میں نے پایا کہ ان سے کسی حدیث یا فتوے کے بارے میں پوچھا جاتا تو ان کی خواہش وکوشش ہوتی کہ کوئی دوسرا بھائی ہی اسے بتائے اور بالفاظ دیگر کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ دوسرے کے پاس بھیجتے اور وہ کسی دوسرے کے پاس۔ اس طرح سائل گھومتے ہوئے پھر اس شخص کے پاس پہنچ جاتا جس سے پہلی مرتبہ اس نے سوال کیا تھا[۱] [اتحاف السادۃ المتقین، جلد اصفحات ۲۷۹-۲۸۰]

[۲] اگر سائل صرف تنقید کے لیے بغیر علم کے سوال کر رہا ہے یا مقصود دین یا دینی روایت کی تحقیر، تضحیک اور توہین ہے یا اپنے علم کا غرّہ، تو ایسے سائل کا براہ راست جواب دینے کے بجائے اس سے پوچھا جائے کہ آپ سائل ہیں یا ناقد؟ آپ استفسار کرنے آئے ہیں یا اعتراض وارد کرنے؟ مقصود حصول علم ہے یا مباحثہ؟ اگر سائل ہو تو سوال کے آداب سیکھ لو اوراس کے بعد سوال کرو، اگر معترض اور ناقد ہو تو تمھیں علوم دینیہ پر عبور ہونا چاہیے تاکہ اصولوں کی بنیاد پر

اعتراض وارد کرسکو اور ہمارے سوالات کے جواب دے سکو۔ مثلاً ایک ناقد نے سوال کیا کہ قرآن میں شرابی کے لیے کوڑوں کی سزا بیان نہیں ہوئی لہٰذا میں فقہا کی سزا کو نہیں مانتا کیونکہ اصل ماخذ تو قرآن ہے؟ ایسے ناقد سے پوچھا جائے کہ آپ قرآن کو عربی میں سمجھ سکتے ہیں؟ چند آیات پڑھ کر اس کا امتحان لے لیا جائے کیا آپ نے تمام قرآن پڑھ لیا ہے؟ علم تفسیر حاصل کرلیا ہے؟ قرآن سے اخذ احکام کے اصول پڑھے ہیں؟ کن کن تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ اور عربی، انگریزی اور اردو میں کون سی تفاسیر اور احادیث کے مجموعے پڑھے ہیں؟ اس سے عربی قواعد کے کچھ اصول ماضی اور مضارع کی گردان وغیرہ پوچھ لی جائے۔ پھر پوچھا جائے کہ ایمان آپ نے کس ذریعے سے حاصل کیا کہ اصل ماخذ قرآن ہے سنت نہیں؟ اس ماخذ پر نقد و جرح کیجیے پھر اس سے اصول بحث طے کر لیجیے کہ احکامات وقوانین کا ماخذ محض قرآن ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا ماخذ نہیں تا کہ اسے ایک ہی موقف پر رکھ کر گفتگو کی جائے، اس سے پوچھا جائے کہ قرآن کو ماخذ کس کی سند پر مانا گیا ہے؟ کیا قرآن کے کلام اللہ ہونے کی شہادت خود اللہ نے تمھیں دی ہے یا یہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پہنچی ہے؟ تو پہلے تم رسول اللہ پر ایمان لائے تھے یا قرآن پر؟ تو رسول پر ایمان مقدم ہے یا قرآن پر؟ اس تقدیم و تاخیر کا حکم کس نے دیا ہے اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ اگر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تو اختلاف میں حکم کون ہوگا رسول اللہ یا کلام اللہ؟ یا دونوں؟ یا کلام اللہ بذریعہ رسول اللہ؟ اس کے بعد وہ تمام احکامات پوچھ لیے جائیں جو قرآن میں درج نہیں ہیں لیکن پوری امت کا جن پر اجماع ہے مثلاً اذان، نماز جنازہ، عورت کے ایام حیض میں روزوں کی قضاء وغیرہ وغیرہ۔

ایک سائل نہایت بدتمیزی سے ایک عالم پر حملہ آور ہوا، عالم نے اس کے اعتراضات، ہجو، بدتمیزی کے جواب میں کمال تحمل سے پوچھا آپ سائل ہیں یا واعظ یا ناقد؟ کہنے لگا اس کا کیا مطلب؟ انھوں نے کہا آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں؟ یا مجھے کچھ بتانا چاہتے ہیں یا سنانا چاہتے ہیں یا تنقید کرنا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا اگر سائل ہو تو پہلے سوال کرنے کا ادب سیکھو! اس نے کہا میں ناقد ہوں کہا تو اعتراض کرنے کے لیے علم چاہیے، آپ کے اعتراض اسلام پر ہیں لہٰذا یہ بتائیے کہ کیا آپ نے دینی علوم سیکھے ہیں؟ کیونکہ اعتراض کے لیے علم ضروری ہے اور تقلید کے لیے جذبۂ اطاعت اور اپنے جہل کا ادراک اور اعتراف —— کہنے لگا میں دینی علوم سے واقف ہوں عالم نے چند سوال پوچھے جواب نہ دے سکا، انھوں نے کہا اچھا آپ اردو تو یقیناً جانتے ہوں گے کہنے لگا ظاہر ہے میں اردو بول رہا ہوں ویسے میں بہت عمدہ اردو جانتا ہوں کہا اگر تم اردو میں مہارت رکھتے ہو تو ہم تم سے بات کریں گے اور تمھارے اعتراضات ضرور سنیں گے کیونکہ زبان کا علم اہم ہوتا ہے اور زبان اظہار علم کے لیے ایک اہم ذریعہ ہے، کہنے لگا میرے ہمیشہ اردو میں اسّی نمبر آئے ہیں عالم نے کہا —— اردو الفاظ میں زیر زبر کا فرق بتا سکتے ہو؟ کہنے لگا ہاں! اسے شعر لکھ کر دیا کہ زیر زبر لگا دو یا صحیح تلفظ سے شعر پڑھ دو:

گئے چار سَن تر اکم تھا سِن کہ لیے تھے سُن ترے گھونگرو
ہوا سینہ چَھن گیا دل بھی چِھن جو نہی بولے چُھن ترے
گھونگھرو

وہ زیر زبر کا فرق تلفّظ سے ادا نہ کر سکا، عالم نے کہا اچھا لفظ تـلـفـظ کو صحیح مخارج سے ادا کرو، وہ اس پر بھی قادر نہ تھا اس نے تل الگ کہا اور فظ الگ تشدید بھول گیا۔

عالم نے کہا بیٹے نہ علوم اسلامی جانتے ہو، نہ اردو جانتے ہو، نہ علم سے تعلق ہے اور تنقید ایسے کرتے ہو جیسے سب علوم سے واقف ہو یعنی بحر العلوم ہو۔ تم

سے کیا بات کی جائے، سائل نے کہا آپ کچھ اور پوچھ لیں انشاء اللہ صحیح جواب دوں گا انھوں نے کہا اچھا مختلف الفاظ کا فرق بتاؤ جو بہ ظاہر ایک جیسے لگتے ہیں آواز میں بھی تلفظ میں بھی اور ایسے الفاظ جن کی آواز یکساں ہے یعنی سننے میں ایک جیسے لیکن تحریر میں الگ ہیں مثلاً بَر، بِر، بُر کا فرق بتا سکتے ہو؟—— باز اور بعض، باد اور بعد، معاش اور ماش، خال اور خال، جال اور جعل، لعل اور لال، ابر اور عبر، مہر اور مُہر، بحر اور بہر، سحر اور سحّر، سطر اور ستر، خطرہ اور قطرہ، آج آنا اور آجانا، آم اور عام، بام اور بام، دام اور دام، نام اور نعم، حمل اور حمل، طَو ر اور طُور، بیر اور بَیر، پِیر پَیر اور پیر، سِیر سیَر اور سَیر اور سیر، تیر اور تیَر، در اور دُر، گر گُر اور گِر، چَر چُر اور چِر، سَر سِر اور سُر، تہہ اور طے، ماہ اور ماہ، بار اور بار، نال اور نعل، زیر زبر پیش کے ساتھ بال بعل اور بال، رم اور رَم، مرثیہ اور ہرسیہ، حال اور ہال، ڈال اور ڈال، دِل دَل، مِل مَل، مت ومت، لُعاب اور لعَب، بَن بِن بُن اور بن، دھن اور دُھن، گِھن، گُھن اور گھن، بھن اور بُھن، بین، بَین، بیّن اور بین، خط اور قط، قِسط اور خِسّت منشور اور منثور، جُو ں اور جوں، جون اور جُو ن، گوا اور گو، گَل، گل، کَل، گُل، کلی، گُلی، گُلی، دَم دُم، بم بم، تار اور تار محَل اور محِل، لوا اور لَو، لُو، کے اور کَے، آر اور عار، ظن اور زن، بِیت بیت اور بیعَت۔ میت، معیت اور مَیّت، سَت اور سُت، بَد اور بِد، بس بِس، تاخت اور تخت، غَل اور غُل، رجس اور رَجز، رِگن اور گُن، تن اور تُند، تان اور طعن، رکن اور رُکن، لعان اور لعن، جام اور جام، مطلع اور مُطلّع مقطّع اور مُقطع، جہل اور جُہل، عاصم اور آثم، ٹال اور ٹال گُل گِل اور گُل، تَل تِل، اور تُل، بَل اور بل، بلا، بِلا، بلّا، بَلّا، گھوٹ اور گھونٹ، اوٹ اور اونٹ، گَش اور کُش، جَل اور جُل، دم اور دُم، کِل کُل اور، دَیر اور دیر، ٹھِر اور ٹھر، مَیل مِیل اور میل، ہول ہول، اَب اور اب، بَیل بَیل، بانٹ، باٹ، ڈاٹ اور ڈانٹ، گٹ اور کِٹ اور کُٹ، شِیر، اور شیر، ذم اور ضم، چین اور چَین، انس اور اُنس، چخ اور چق، شکر اور شُکر، قسم اور خصم، صرف اور سرف، بست اور بسط، ملت اور ملط، ملک مُلک اور مَلک، تَلک اور تلّک، کِشت اور کُشت، حَسین اور حسین، خلا اور خلع، عین اور عین، طلاء، تلا، تلا، تُلا اور تِلّا، مِل اور مَل، قاصر اور خاسر، بسر اور بصر، نصر اور نثر، نخل اور نقل، قصر اور خسر، بطر اور بتر، عقل اور اقل، بَط اور بت، شور اور شور، صَر اور سَر، عصر اور اثر، چُھل اور چَھل، صم، سُم، سِم، کانچ اور کانچ، اُتر اور عطر، بھیڑ اور بھیٹر، بھِڑ اور بھڑ——

عالم نے اپنی گفتگو کا لب ولہجہ بالکل دھیما رکھتے ہوئے ناقد کی علمیت کی حقیقت چند سوالات میں واضح کردی اس کی جہالت کو واضح کرنے کے بعد دلائل کی ضرورت ہی نہیں رہی، پھر اسے ہدایت کی چونکہ تمھیں ان امور کا علم نہیں لہٰذا تم ناقد نہیں بن سکتے، البتہ مقلد بن سکتے ہو کیونکہ جو نہیں جانتے وہ کسی جاننے والے سے پوچھ لیں اور پوچھ کر اہل علم کی تقلید کریں، دنیا میں یہی طریقہ ہے اگر نقد کرنے کا شوق وذوق ہے تو اس کے لیے دینی علوم کی تحصیل کیجیے پھر مباحث کے لیے تشریف لایئے۔

[۴] اسی طرح ایک ناقد اور معترض نے سوال کیا کہ کیا خدا کوئی ایسا پتھر بنا سکتا ہے جسے خود نہ اٹھا سکے؟ اگر سوال کا جواب ہاں میں ہو تب اگر نفی میں ہو تب خدا کی شان ان **اللہ علی کل شئی قدیر** کو زک پہنچانا مقصود تھا، عالم نے سائل سے پوچھا کیا تم خدا کو مانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں؟ پوچھا خدا کو تم نے کس ذریعے سے پہچانا؟ اور کس ذریعے سے مانا؟ اس نے کہا دین اسلام کے ذریعے؟ پوچھا تم دین اسلام کو مانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، پوچھا کتنے فی صد مانتے ہو؟ اور کیوں مانتے ہو؟ اور کس کے کہنے سے مانتے ہو؟ کہنے لگا سو فی صد مانتا ہوں، انھوں نے پوچھا اگر سو فی صد مانتے ہو تو یہ بتاؤ کہ ذات وصفات خداوندی میں تدبر وتفکر کی حدود تمھارے دین نے کیا متعین کی ہیں؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا تو کہا پہلے ان حدود کو جان لو پھر سوال کرنا۔ چند روز کے وقفے کے بعد اس نے رابطہ کیا اور عرض کیا کہ میں خدا کو نہیں مانتا سوال کے لیے سنجیدگی، لگن اور تڑپ شرط لازم ہے عالم نے جواب دیا جب تم خدا کو ہی نہیں مانتے تو تمھارا سوال محض ذہنی مشق ہے اور دین ذہنی ورزش کے لیے نہیں آیا لہٰذا سوال کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اس قسم کے سوال عموماً منطق اور ذہنی مشقت کے ذریعے گھڑ لیے

جاتے ہیں۔ جولوگ بہ ظاہر خدا کا انکار کرتے ہیں اصلاً خدا کے منکر نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں سے بحث ومباحثے کے بجائے محبت کا رویہ اختیار کیا جانا چاہیے، ایسے افراد کے ساتھ دلائل کے بجائے اخلاق کے اعلیٰ ترین رویے سے پیش آنا ضروری ہے، ان کے اندر موجود خیر کو ابھارنا ضروری ہے، نہ کہ بحث حجت کر کے ان کے قلب میں موجود کفر کی کونپل کو تناور درخت میں تبدیل کر دیا جائے۔ ایسے لوگوں سے دلیل، حجت بازی اور قیل وقال میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے، ممکن ہے وہ اپنے کفر میں اتنا آگے بڑھ جائیں کہ دین سے منحرف ہونے کا اعلان کر دیں ایسے لوگوں کی خاطر داری اور تالیف قلب کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا چاہیے، یہ وہ لوگ ہیں جو دلائل کی تلوار سے نہیں محبت کی یلغار سے گھائل ہوتے ہیں۔ انھیں خبر کی نہیں نظر کی ضرورت ہے، ان کے ذہن اور دماغ کو نہیں قلب کو پکارنے اور ان کے دروازۂ دل پر دستک دینے کی ضرورت ہے۔ ایسے افراد کو نہایت تعظیم، اکرام اور خاطر تواضع کے بعد کبھی رات کے وقت سیر کراتے ہوئے قبرستان تک لے جایئے اس وادیٔ خاموش میں پہنچ کر بڑے بڑوں کا دل دہل کر نرم ہو جاتا ہے اور خدا یاد آ جاتا ہے:

کہنے کو زندگی تھی بہت مختصر مگر
کچھ یوں بسر ہوئی کہ خدا یاد آ گیا

ملحدین اور دین بے زار لوگوں سے بحث ومباحثے کے بجائے یہ رویہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کسی بات کو کسی پر مسلط کرنا یا مرعوب ومغلوب کرنا یا عاجز وقاصر کر دینا کمال نہیں ہے، فرد کو لاجواب کرنے اور اس کے ذہن کو معطل کرنے کے بجائے اس کے قلب کو فتح کرنے کی حکمت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے، مناظرانہ دلیل سے فرد خاموش اور مغلوب ہو سکتا ہے مگر متاثر ومفتوح نہیں۔ دلیل کا مقصد شکست دینا نہیں قلب میں جذبۂ قبولیت پیدا کرنا ہے، قلب کو بدلنا اصل ہدف ہونا چاہیے۔ اس کے لیے امام مالکؒ جیسے تحمل، صبر، حوصلے اور عمل کی ضرورت ہے۔ امام مالک نے حدیث وافتاء کی بیش بہا خدمت کی اور مؤطا جیسی گرانقدر کتاب تالیف فرمائی، جس میں اہل حجاز کی قوی احادیث اور مستند اقوال صحابہ وفتاویٰ تابعین جمع کر دیے اور اس کے بہترین فقہی ابواب قائم کیے۔ مؤطا آپ کی چالیس سالہ جاں فشانیوں کا ثمرہ ہے۔ اسلام میں حدیث وفقہ کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ ستر معاصر علمائے حجاز نے بھی اس کی تائید وموافقت فرمائی۔ اس کے باوجود خلیفہ منصور نے جب اس کے چند نسخے کرا کے دوسروں شہروں اور ملکوں میں بھیجنے کا ارادہ کیا تا کہ لوگ اس فقہ پر عمل کریں اور پیدا شدہ اختلافات ختم ہو جائیں تو سب سے پہلے آپ نے اس خیال کی مخالفت کی اور فرمایا ــــــ امیر المومنین! آپ ایسا نہ کریں۔ لوگوں تک بہت سی باتیں اور احادیث وروایات پہنچ چکی ہیں اور ہر جگہ کے لوگ ان میں سے کچھ کو اپنا چکے ہیں جس سے خود ہی اختلاف رونما ہو چکا ہے اور اب اس اقدام سے مزید اختلافات پیدا ہو جائیں گے، اس لیے انھوں نے اپنے لیے جو اختیار کر لیا ہے اسی پر انھیں آپ چھوڑ دیں ــــــ خلیفہ منصور نے یہ سن کر کہا: ابوعبداللہ آپ کو اللہ اور توفیق بخشے۔

امام مالکؒ کتنے جلیل القدر تھے جو بغیر رضا مندی کے اس کتاب پر دعوتِ عمل کا اقدام بھی نہیں کرنے دیتے جس میں انھوں نے اپنی سنی ہوئی سب سے اچھی احادیث اور اپنا محفوظ وقوی علم منتقل ومحفوظ کر دیا تھا جس پر اہل مدینہ اور بہت سے معاصر علماء کا بھی اتفاق تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے موطا کو ریاستی سطح پر ریاست کے ذریعے رائج نہیں کیا اسی طرح گفتگو اور مناظرے میں اپنی رائے مسلط کرنے کی ضرورت نہیں۔

[۵] ایک سائل نے ایک عالم سے پوچھا ''جو شخص بحالت احرام شکار کرے اس کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟'' [شرعاً حج ادا کرنے والے شخص کے لیے شکار کھیلنا منع ہے] اس نیک سیرت اور صاحب عمل عالم نے جواب دیا: ''آپ کا سوال مبہم اور گمراہ کن ہے، آپ کو بالصراحت بتانا چاہیے تھا کہ

آیا اس شخص نے خانہ کعبہ کی حدود میں شکار کیا یا اس سے باہر کیا؟ آیا وہ پڑھا لکھا تھا یا اَن پڑھ تھا؟ آیا وہ غلام تھا یا آزاد تھا؟ آیا وہ بالغ تھا یا نابالغ تھا؟ آیا اس نے یہ فعل پہلی دفعہ کیا یا پہلے بھی اس کا ارتکاب کر چکا تھا؟ آیا اس نے کسی پرندے کا یا کسی اور جاندار کا شکار کیا؟ آیا جس جاندار کا شکار کیا گیا وہ بڑا تھا یا چھوٹا تھا؟ آیا اس شخص نے دن میں شکار کیا یا رات میں کیا؟ آیا اس نے اپنے فعل سے توبہ کر لی یا اس کے ارتکاب پر بضد رہا؟ آیا اس نے چھپ چھپا کر شکار کیا یا کھلم کھلا کیا؟ اور آیا اس نے احرام عمرے کے لیے باندھا تھا یا حج کے لیے باندھا تھا؟ جب تک ان تمام امور کی وضاحت نہ کی جائے اس سوال کا کوئی جواب دینا ممکن نہیں''۔ ہر سوال کا جواب دینے کے بجائے علماء کرام سائل سے سوالات کا سلسلہ شروع کر دیں تو بہت سے جہلاء سوال کی جرات سے محروم ہو جائیں گے اور ان کا جہل واضح ہو جائیگا، جو اپنی چرب زبانی اور طلاقت لسانی سے علماء کو جاہل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ دینی سوالات کا جواب دینے اور پرچون کی پڑیا باندھنے میں بہت فرق ہے، **عالم** آن لائن [ALIM on Line] جیسے پروگرام میں ''علماء'' کی عجلت بتاتی ہے کہ وہ گاہک کو اپنی دکان سے خالی ہاتھ نہ جانے دیں گے اس کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی پڑیا تھما دیں گے یہی حال عصر حاضر میں ہونے والے ہمارے مکالموں، مناظروں مباحثوں اور ٹاک شوز کا ہے۔

عقلی بنیادوں پر موشگافیاں اور سوالات اٹھاتے رہنا کوئی کمال نہیں قرآن حکیم میں کفار کے ایسے سوالات موجود ہیں جو سننے والے کو پہلی مرتبہ متاثر کرتے ہیں مگر غور کرنے پر سوال کرنے والے کی خباثت نفس اور دنائت واضح ہو جاتی ہے مثلاً کفار مشرکین اور یہود کا قرآن کے اس اصرار پر کہ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور اگر نہ کھلاؤ تو کم از کم دوسروں کو کھانا کھلانے کی ترغیب تو دو۔ ان کا مشترکہ جواب، دوسرے معنوں میں استفہامیہ جواب، یہ تھا کہ اگر خدا چاہتا تو بھوکوں کو خود کھلا دیتا: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ م ☆ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ [۳:۱۸۱] کہتے ہیں اللہ فقیر ہے ہم غنی ہیں۔ جن کو خدا خود دنیا میں بھوکا رکھنا چاہے ان کو کھانا کھلانے کے لیے ہم سے اصرار کیوں؟ کیا خدا کے خزانے میں کسی شے کی کمی ہے؟ اس طرح کفار مردار کھانا چاہتے تھے انھیں دکھ ہوتا تھا کہ جانور مر گیا اور مال ضائع ہو گیا اس مرے ہوئے کو کیوں نہ کھایا جائے اس خواہش کے لیے انھوں نے عقلی سوال تراشا جسے انسان ذبح اور قتل کر دے مار دے وہ حلال اور جسے خدا خود مار دے وہ حرام یہ تو بڑی عجیب بات ہے! ارسطو کہتا ہے کہ میں اس طرف جاؤں گا جدھر مجھے دلیل لے جائے گی لیکن یہ احمقانہ بات ہے ایک بندۂ مومن اس طرف جاتا ہے جدھر اس کا خدا لے جانا چاہتا ہے۔ اصل سوال یہ نہیں کہ میری عقل کی کیا مرضی ہے بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ خدا کی مرضی کیا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ اس کی منشاء کیا ہے؟ اس کی رضا کیا ہے؟ وہ جو چاہے گا وہ ہوگا جدھر وہ لے جائے گا ادھر ہم جائیں گے یعنی اگر عقل اللہ تعالیٰ کی رضا کو عقلی طور پر تسلیم نہ کرے یا رضائے الٰہی کی پیروی سے انکار کر دے تو وہ عقل نہیں جہل ہے۔ تقلید رضائے الٰہی کے بغیر عقل بے کار ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ عقل پیمانہ ہے یا عقل کو پرکھنے جانچنے اور دیکھنے کا بھی کوئی پیمانہ ہے؟ یہ پیمانہ نفس کے اندر یعنی عقل ہی سے نکلتا ہے یا باہر، خارجی دنیا سے آتا ہے؟ یہ ہے مسئلے کی اصل کنجی۔ دنیا کی سترہ تہذیبوں میں پیمانہ ہمیشہ باہر سے آتا تھا۔ ہر قدر، معیار اور اصول کسی بیرونی پیمانے پر جانچا جاتا تھا اور یہ پیمانہ یا روایت تھی، یا وحی الٰہی، یا دیومالا یا اساطیر، ہر تہذیب میں عقل بھی ہوتی تھی، عدل بھی ہوتا تھا، مگر عقل اور عدل خود پیمانہ نہیں ہوتے تھے انھیں کسی اور پیمانے پر جانچا اور پرکھا جاتا تھا۔ عقل اور عدل بذاتہٖ حق، معیار اور اصول نہیں ہیں ان کو دیکھنے، پرکھنے جانچنے کا پیمانہ ان کے اندر نہیں ان کے باہر ہوتا ہے۔ یہ پیمانہ اس تہذیب یا مذہب کی علمیات، ایمانیات اور مابعد الطبیعیات سے نکلتا ہے۔ اسلامی تہذیب کے خوارج، اہل تشیع، معتزلہ، اہل قرآن، اور عقلئین سے بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ وہ عقل اور عدل کی اصطلاحات کو ہی پیمانۂ حق وصداقت سمجھ بیٹھے اور اس بنیاد پر عہد حاضر میں اہل قرآن نے سورۃ بنی اسرائیل کے احکام عشرہ کی روشنی میں عالمی متفقہ اخلاقیات کا منشور خود تخلیق فرما لیا اور یہ تصور کر لیا کہ پوری دنیا احکام عشرہ سے

متفق ہے۔انھیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ دنیا احکام عشرہ پرنہیں بنیادی حقوق کے منشور [Human Right Declaration] پر جبراً متفق کی گئی ہے۔حق خیراور سچائی کی واحد مسلط کردہ دستاویز صرف اور صرف یہی منشور ہے۔اس منشور کے ہوتے ہوئے احکام عشرہ کی اخلاقیات کا رویہ عمل ہونا محال ہوجاتا ہے۔ تین سو سال کی تاریخ یہی بتاتی ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ عقل مند کون ہے؟ یہ بات عقل بتائے گی یا کوئی خارجی بیرونی ذریعۂ علم [external knowledge]،مثلاً ارسطوکو دنیا نے معلم اول تسلیم کیا ہے۔تو ارسطو کے عقل مند ہونے کا فیصلہ عقل انسانی کرے گی یا کوئی الہامی متن کرے گا؟ یہ ممکن ہے کہ عقل اگر تاریخ،تہذیب،خواہشات،خدشات اور زمان ومکان سے ماورا ہوکر معروضی طور پر کام کرے تو وہ کسی صداقت،خیراور حق کو پالے لیکن اس بات کی تصدیق کون کرے گا کہ عقل نے جس صداقت،خیراور حق کو پالیا ہے وہ ٹھیک ہے،اگر اس معروضی عقل کو انسان کی عقل یا اس کے نفس کے سپرد کردیا گیا تو یہ عقل پھر معروضی نہیں موضوعی ہوجائے گی اور اس کے پرکھنے جانچنے کا پیمانہ خود عقل ونفس ہی ہوں گے لہٰذا غلط ہی ہوں گے مشرکین مکہ اور اہل کتاب نے عقل مشاہدے اور تجربے کے ذریعے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر ان کا اعتراض صرف یہ تھا کہ قرآن مکہ کے دو بڑے آدمیوں پر کیوں نازل نہ ہوا،رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا نزول کیوں ہوا؟ اہل کتاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں قبلۂ اول کعبہ کو بھی کفار اپنے بیٹے کی طرح پہچانتے تھے لیکن ان کے قلب نے عقل کے فیصلے کو قبول نہ کیا،تعقل قلبی سے وہ محروم رہے۔عقل ہر تاریخ،تہذیب،مذہب،معاشرت میں ہوتی ہے لیکن وہ اپنے منہاج کے مطابق عمل کرتی ہے اور اس منہاج علم میں اس عقل کا ہر فیصلہ عقلی معلوم ہوتا ہے،منہاج علم بدل جانے سے وہی عقلی فیصلہ دوسرے منہاج علم میں جہالت قرار پاتا ہے۔یورپ وامریکہ میں اگر کوئی عورت بے لباس یا برائے نام لباس میں مردوں کی محفل میں آجائے تو وہاں کی عقلیت کے لیے یہ معمول کی بات ہوگی،عقل کا تقاضا ہوگی کیونکہ مغرب کی عقل اپنی علمیت،آزادی اور مساوات کے عطر سے کشید کرتی ہے لہٰذا مساوات وآزادی کا عقلی تقاضہ یہی ہے۔اس کے برعکس عالم اسلام یا روایتی دینی تہذیبوں میں کوئی عورت اس لباس میں آجائے تو وہ ذلت ورسوائی اور لعنت وملامت کی حق دار ٹھہرے گی،اس کا معاشرتی مقاطعہ ہوگا ان تہذیبوں کا خبیث سے خبیث آدمی بھی اس رویے کی حمایت نہیں کرے گا کیونکہ ان روایتی معاشروں اور مذہبی تہذیبوں میں آزادی اور مساوات قدر بذاتہٖ معیار نہیں ہیں معیار اور قدر وحی الٰہی یا تاریخی روایات،اساطیر اور دیومالا ہیں لہٰذا اس خارجی ذریعۂ علم اور منہاج کی روشنی میں یہ رویہ خدا کی مرضی کے خلاف ہے لہٰذا خالص غیر عقلی رویہ ہے جسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔انسان کو آزادی اس بات کی دی گئی ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کرے ان تہذیبوں میں کپڑے پہننے کی آزادی ہے کپڑے اتارنے کی آزادی نہیں ہے۔کپڑا کتنا پہنا جائے؟ ستر کہاں سے کہاں تک ہو؟ یہ تہذیبیں اپنی علمیت سے اصول اخذ کرکے ستر کا تعین کرتی،ہیں جب بھی اخلاقیات کی سرحدیں شروع ہوں گی آزادی کی حدود متعین ہوجائے گی،وہ ایک خاص پیمانے،جامے اور حصار میں سمٹ جائے گی،اسے بے کراں،بے پناہ،اصول،قدر،حق کے طور پر قبول نہیں کیا جائے گا۔وہ کسی اصول حق قدر سے متعین ہوگی اس کے تابع ہوگی اس کی روشنی میں قبول اور رد کی جائے گی۔مغرب کی عقلیت اور منہاج علم میں لذت کا تصور آزادی میں مسلسل اضافے سے مشروط ہے جس کا انحصار زیادہ سے زیادہ سرمایے کی فراہمی پر ہے۔جس کے پاس زیادہ سرمایہ ہے وہ زیادہ آزاد ہے کیونکہ وہ زیادہ مادی لذت حاصل کرسکتا ہے،انسان مغربی معاشیات اور فلسفے میں ایک لذت پرست جانور ہے،اس کا مقصد مسلسل اور مستقل لذتوں میں اضافہ کرتے رہنا ہے لہٰذا لذتوں کی خاطر مرد وعورت جنسی اعمال میں مصروف ہوتے ہیں مگر نکاح نہیں کرتے خاندان نہیں بناتے،بچے نہیں پیدا کرتے،اولاد اور ماں باپ کو ساتھ نہیں رکھتے کہ یہ سب چیزیں انسانی لذتوں میں اضافہ نہیں ہونے دیتیں،کمی کردیتی ہیں اور مسلسل ذمہ داریوں میں اضافہ کرتی ہیں۔عورت اگر بچہ پیدا کرے تو دردزہ برداشت

کرنا پڑے گا، بوائے فرینڈز، آوارگی، سیاحت سب ترک کرنا ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہے لہٰذا مغرب میں عدل اور عقل کا تقاضا لذت کا یہی تصور ہے ان کا تصور عدل وعقل لذت پرستی سے نکلتا ہے، اس کے برعکس روایتی تہذیبوں اور مذہبی معاشروں میں عدل اور عقل کا تقاضہ لذت سے نہیں حقیقت [Reality] سے متعین ہوتا ہے، یعنی علمیت مابعد الطبیعیات اور تصورات حقیقت سے برآمد ہوتی ہے، یہ تصورات ہی عقل اور عدل کا دائرہ طے کرتے ہیں، ان تہذیبوں میں زندگی اطاعت وعبادت رب سے عبارت تھی اسے روحانی لذت نفس مطمئنہ کہا جا سکتا ہے۔ ماں باپ کی خدمت اولاد کو پالنا، بچے پیدا کرنا، بچوں کی پرورش ونگہداشت عورت کے لیے آزار، مصیبت، آفت، شامت اعمال، ہلاکت اور بربادی نہیں ایک دینی فریضہ ایک غیر معمولی ذمہ داری، ایک روحانی اور نورانی کام اور نفس مطمئنہ کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں۔ یہ مغرب اور روایتی مذہبی تہذیبوں کی عقلیت اور عدل کے تصورات کا وہ نتیجہ ہے جو دو مختلف مابعد الطبیعیات سے برآمد ہوتی ہیں۔

اسلامی تہذیب وتاریخ کے تصور عقل وتصور عدل کے تحت مرد کا ایک سے زیادہ شادی کرنا، جائز کام ہے لیکن عیسائیت اور امریکہ اور یورپ کے تصور عدل وتصور عقل میں ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ مغرب میں عورت عورت سے مرد مرد سے شادی کر سکتے ہیں کیونکہ حقوق انسانی کے منشور [Human Right Declaration] کے تحت دونوں انسان [Human] آزاد [Free] برابر [Equal] ہیں اور اس منشور کی ایک شق [Right of Association] کے تحت کوئی جنس کسی بھی ہم جنس سے تعلق رکھ سکتا ہے لہٰذا مغرب کی عدالتوں میں ہم جنسوں کی شادیوں کو قانونی تحفظ دے دیا گیا ہے، جو اس فیصلے کو نہ مانے وہ غیر روادار [non tolerant] انسان تصور کیا جاتا ہے۔ عیسائیت چار شادیوں کی اجازت نہیں دیتی مغرب چار سو داشتاؤں سے بالرضا تعلقات رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا زنا بالرضا مغرب میں حلال ہے۔ مذہبی تہذیبوں میں حرام ہے کیونکہ زنا شرف انسانیت یعنی عبودیت کے خلاف کام ہے اور خدا کی رضا کے برعکس رویّہ ہے لہٰذا عدل وعقل کا تقاضا یہ ہے کہ زانی کو سزا دی جائے، روایتی اور مذہبی تہذیبوں میں نکاح نہ کرنے پر کوئی سزا نہیں ہے اور کسی کی شادی جبراً نہیں کرائی جاتی، لیکن کسی کو زنا کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ ہو، ان تہذیبوں کے تصور عدل وعقل کے مطابق شادی کرنے کی اجازت ہے زنا کرنے کی اجازت کسی حالت میں نہیں ہے۔ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں بالرضا زنا کی اجازت ہے اگر جبراً کوئی زنا کرے تو زانی کے خلاف کارروائی صرف اس وقت ہوگی جب مقدمہ درج ہوگا۔ یہ مقدمہ بھی فریقین میں قابل صلح ہے اگر فریقین راضی ہوں تو سزا نہیں ملے گی، مذہبی تہذیبوں میں خدا کی رضا کے خلاف جرم کا ارتکاب یعنی گناہ کبیرہ ناقابل معافی جرم تھا خدا کی سزا کوئی انسان معاف نہیں کرسکتا، لیکن مغرب میں ریاست اس مقدمے میں فریق نہیں ہوگی یہ دو افراد کا ذاتی معاملہ ہے جب کہ مذہبی وروایتی معاشروں میں یہ مذہبی جرم ہے اور خدا کی رضا کے خلاف ہے۔ یہ تذلیل عبدیت ہے اور مالک الملک کی ناراضگی کو دعوت دینے کا عمل ہے لہٰذا ریاست خود اس میں مدعی ہوگی، مغرب میں تو اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے نہ چاہنے کے باوجود اس سے مواصلت کرلے تو اسے سنگین جرم سمجھا جاتا ہے اور اس جرم [marital rape] کے مجرم یعنی عورت کے قانونی شوہر کو پانچ سال قید کی سزا دی جاسکتی ہے، لیکن بالرضا زنا کوئی جرم نہیں یہ عمل مغرب کی تہذیب تاریخ وعلمیت میں آزادی کی وسعتوں کو چھو لینے والا آسمان کا ایک نورانی ٹکڑا ہے۔ یہ مغرب کی رواداری [tolerance] ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے اس کی رضا کے خلاف اپنے نفس کے تقاضے کو پورا کرلے تو وہ مجرم ہے وہاں رواداری کا یہی مطلب ہے کیونکہ شوہر اور بیوی دو الگ وجود [separate entities] ہیں یہ فاعل خود مختار [self autonomus] ہیں لہٰذا دوسرے کی آزادی [Freedom] میں مداخلت جرم ہے کیونکہ مغرب میں آزادی اصل قدر اور حق [Real Value & Truth] ہے تمام اقدار [Values] اسی ایک قدر پر جانچی پرکھی، ناپی،

تولی اور برتی جاتی ہے لہٰذا آزادی کی قدر [Value of Freedom] کو پامال کرنا مغرب میں سنگین جرم ہے۔ اسلامی تہذیب میں اصل قدر [Real Value] خدا کی رضا ہے [Will of the God]۔ خدا کی رضا، اس کی معرفت اور اس کی محبت کا حصول کیسے ممکن ہے؟ یہ علمیت اسلامی علمیات [Epistemology] بتاتی ہے جو سنت رسالت مآبؐ کے ذریعے امت تک منتقل ہوئی اور تعامل امت اور اجماع امت اس سنت کی حفاظت کرتا ہے لہٰذا اسلامی تہذیب اور مذہبی تہذیبوں میں انسان اپنی آزادی کو خدا کے سامنے رکھ دیتا ہے اور اس سے دستبردار ہو کر ارادۂ خداوندی کو اپنا ارادہ بنا لیتا ہے۔ اب قدر، پیمانہ اور منہاج قرآن و سنت ہو جاتے ہیں اس قدر [Value] کے خلاف جہاں جہاں کوئی کام ہوگا وہاں وہاں آپ کو ہدایت اور سزا دی جا سکتی ہے۔ آپ کے نفس کے مطالبے آپ کی خواہشات خدا کی مرضی کے تابع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی غلامی شرف انسانیت ہے۔ مغرب میں یہ تصور تذلیل انسانی ہے کہ اصل خدا انسان [Human] کسی اور خدا کے لیے دستبردار ہو جائے اور کسی خارجی ذریعے [external authority] کو علم، حق، خیر، ہدایت، روشنی اور رہنمائی کا ذریعہ تصور کرے۔ کانٹ کا اہم ترین مضمون What is Enlightenment? اس اجمال کی فلسفیانہ تفصیل مہیا کرتا ہے۔

اسلامی تصور عدل و عقل کے مطابق سات سال سے پہلے بچے پر نماز فرض نہیں، سات سال کے بعد نماز نہ پڑھنے پر بچے کو سزا دی جا سکتی ہے لیکن مغرب میں بچے کے لیے سیکولر تعلیم فرض ہے اگر ماں باپ بچے کو اسکول نہ بھیجیں تو وہ جیل بھیجے جا سکتے ہیں۔ اسلام میں نشوز پر آمادہ عورت کو شوہر سزا دے سکتا ہے۔ مغرب میں اگر آپ نے اس اسلامی حکم پر عمل کیا تو جیل میں ہوں گے۔ شوہر سے سرکشی، بغاوت، گھر کے سکون اور نظم و نسق میں خلل پیدا کرنا مغرب کے فلسفے میں کوئی جرم نہیں۔ اگر آپ نے اپنے بچے پر نماز پڑھنے کے لیے سختی کی تو دوسرے کی آزادی میں مداخلت کے جرم میں آپ کو سزا بھگتنا ہوگی، اگر آپ نے اپنی بیٹی کے کسی نامحرم لڑکے کے ساتھ جانے اور گھومنے کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کی تو آپ کی آزادی اسی لمحے سلب کر لی جائے گی۔ اگر بچے پر آپ نے غلطی سے ہاتھ اٹھا لیا تو آپ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوں گے۔ یہ مثالیں اس لیے دی گئی ہیں کہ ہمارے اہل قرآن دوست جان لیں کہ عقل اور عدل خود معیار [Standard]، حق [Truth]، اصول [Principle]، منہاج [Paradigm] پیمانہ [Parameter] قدر [Value] خیر [good] کسوٹی اور، میزان نہیں ہیں یہ کسی اور معیار پر پرکھے جاتے ہیں، مغرب میں اس کا معیار بنیادی انسانی حقوق کا منشور، عیسائیت میں انجیل اور عالم اسلام میں قرآن حکیم و سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان تین مختلف مابعد الطبیعیات اور علوم ذرائع علم سے تین مختلف قسم کے تصور عدل و عقل برآمد ہوتے ہیں اور تینوں کے نتائج، طریقے، ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

جدیدیت ماڈرن ازم کا فیصلہ ہے کہ جدیدیت پسند، ماڈرن مین، Enlightened آدمی وہ ہے جو کسی خارجی ذریعۂ علم پر بھروسا نہیں کرتا اپنے نفس اور عقل کو ذریعہ علم سمجھتا ہے اپنے سے باہر ہر ذریعۂ علم کا انکار کرتا ہے خواہ وہ وحی ہو، روایت ہو، اساطیر یا تاریخی آثار ہوں، یہ جدیدیت پسند انسان کی خاص علامات ہیں۔ اسی لیے جدیدیت کا خاص وصف ماضی کا انکار تاریخ کا استرداد، ایک نئی دنیا اور نئے انسان کی تخلیق کا دعویٰ ہے جو سترہویں صدی سے پہلے دنیا کے کسی معاشرے کسی تاریخ، کسی تہذیب اور کسی مذہب میں وجود نہیں رکھتا تھا۔ یعنی انسان [Self Autonomus Human Being] خلق جدید [Modern Man] اور جدیدیت [Modernity] تو اصلاً سترہویں صدی میں پیدا ہوئے ہیں۔ کانٹ کے الفاظ میں:

Enlightenment is man's emergence from his self imposed immaturity. Immaturity is the inability to use one's understanding without guidance from another. This immaturity is self

imposed lack of understanding.

اس مختصر عبارت میں کانٹ نے علم کے ہر خارجی ذریعے کا انکار کر کے علم کا سرچشمہ انسان کے اندرون کو قرار دیا ہے کہ پیمانہ علم باہر نہیں انسان کے اندر ہے یعنی نفس، عقل، ذہن، وجدان، طبیعت اور حواس خمسہ وغیرہ وغیرہ۔

دین کے احکامات عقل، لغت، وجدان، علم حسی، Hermeneutics جدید علم تشریح و توجیہہ و توضیح و تعبیر سے طے اور حل نہیں ہوتے، وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہوتے اور صحابہ کرام کے ذریعے علمیت اسلامی کا حصہ بنتے اور امت کے تواتر اجماع اور تعامل سے طے پاتے ہیں، مثلاً سورہ نساء میں کلالہ کی میراث کا دو جگہ ذکر ہے ایک سورہ نساء کی ۱۲ ویں آیت میں اور دوسری جگہ سورہ نساء کی ۱۷۶ ویں آیت میں، پہلی جگہ ذکر ہے کہ اگر کلالہ کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔

جب کہ سورہ نساء کی آخری آیت میں ذکر ہے کہ اگر کلالہ کی بہن ہو تو اس کو نصف ملے گا، اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا اور اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو مرد کو عورت کے مقابلے میں دگنا ملے گا۔

ان دونوں آیات میں پہلی جگہ بہن بھائی کا حصہ چھٹا، جب کہ دوسری جگہ بہن کا حصہ نصف ذکر کیا گیا ہے، اس میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے، لیکن درحقیقت کوئی تعارض نہیں، کیونکہ پہلی جگہ اخیافی بہن بھائیوں کا ذکر ہے اور دوسری جگہ حقیقی بہن بھائیوں کا ذکر ہے۔ پہلی جگہ اخیافی کے بجائے حقیقی بہن بھائی مراد نہیں لیے سکتے ورنہ دونوں آیات میں تعارض لازم آئے گا۔

اور پہلی جگہ اخیافی [یعنی ماں شریک بہن بھائی] کے مراد ہونے کی دلیل صحابہ کرام کے اقوال اور اجماع امت ہے۔ صحابہ کرام کو یہ توضیح و تشریح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ملی ہے کیونکہ صاحب قرآن نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ذمہ داری عائد فرمائی کہ وہ قرآن کی تعلیم، تشریح، توضیح اور تبیین فرمادیں: بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [۱۶:۴۴] صحابہ کرام اس علم کے وارث تھے جو سنت رسول سے انھیں منتقل ہوا تھا اور یہی علم اجماع اور تعامل امت سے صبح محشر تک امت کو تواتر سے منتقل ہوتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے مروی ہے کہ ''و له اخ'' سے مراد ماں شریک بھائی ہے۔ بلکہ بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قرأت ہی ''و له اخ من امه'' تھی۔ تاہم یہ قرأت شاذہ ہے، قرأت متواترہ نہیں ہے، اور ہمارے پاس جو قرآن مجید موجود ہے یہ قرأت متواترہ پر مشتمل ہے، اس لیے شاذ قرأت کے الفاظ کو قرآن نہیں کہا جا سکتا البتہ وہ قرأت بطور تفسیر کے معتبر ہوتی ہے۔

''واضح رہے کہ اس آیت میں اخیافی [ماں شریک] بہن بھائی کا حصہ بتایا گیا ہے، اگرچہ قرآن کریم کی اس آیت میں یہ قید مذکور نہیں ہے لیکن یہ قید بالا جماع معتبر ہے۔

قرآن کریم کے احکام میں کوئی تعارض نہیں۔ پہلی جگہ اخیافی بہن بھائی مراد ہیں اور دوسری جگہ اخیافی کے علاوہ بہن بھائی مراد ہے، اور اس میں کوئی تعارض نہیں، ہاں اگر کوئی شخص یہ پہلی جگہ بھی غیر اخیافی عینی علاتی مراد لے تو تعارض لازم آئے گا۔

کلالہ کی تفسیر یہ کرنا کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی صرف اولاد نہ ہو اگرچہ باپ زندہ ہو، شاذ تفسیر ہے اور شاذ تفسیر پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اگر اس تفسیر کو لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ باپ کی موجودگی میں میت کی بہن یا بھائی کو بھی حصہ ملے، حالانکہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے، باپ کی موجودگی میں میت

کے بہن بھائیوں کو بالا جماع حصہ نہیں ملتا، تفسیر البحر المحیط میں ہے: "**واجمعت الامة علی ان الاخوة لایرثون مع ابن ولااب و علی هذا مضت الاعصار و الامصار**".

اس دلیل کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آیات قرآنی کی ایسی تفسیر پیش کرنا جو خیر القرون، عہد صحابہ، تابعین، تبع تابعین، تواتر و تعامل امت، اجماع اور صلحائے امت کی بیان کردہ تفسیر اور طریقے سے صریحاً متصادم ہو تو ایسے تفرد کو امت کی علمیت معتبر تسلیم نہیں کرتی خواہ یہ تفرد کرنے والا کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا قرآن کی تفسیر صرف عقل، وجدان اور کشف کی بنیاد پر نہیں کی جاسکتی اس کی تفسیر نقل سے ہی ممکن ہے تفسیر جدید کے سلسلے میں مغربی علم تعبیر و تشریح سے مدد لینا اسلامی علمیت کے لیے ممکن ہی نہیں کیونکہ اسلامی علمیت اور اس سے متعلق تمام متون ایک خاص تاریخ و تہذیب اس علمیت کی شارح ہستی ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ کے فیضان، روایت، تواتر، تعامل اور اجماع کے ذریعے منتقل ہوئے ہیں، لہٰذا جدید فلسفیانہ علم تفسیر، تشریح و تعبیر کے اصول یہاں ہرگز قابل عمل نہیں ہیں۔ Hermenutic کا ترجمہ علم تفسیر کرنا غیر عاقلانہ رویہ ہے، علم تفسیر ایک خاص مابعد الطبیعیات اور خاص تاریخ و تہذیب سے نکلا ہے اس کو جانے بغیر مغرب کے ایجاد کردہ فلسفیانہ علم تشریح و تعبیر کی فنکاری کو اسلامی علمیت کے روایتی علم تفسیر کا مترادف سمجھنا نادانی ہے۔ شمس الرحمان فاروقی جیسے سنجیدہ نقاد اپنی کتاب "تعبیر کی شرح" کے اہم ترین مضمون میں جو اسی نام سے کتاب کے آخر میں موجود ہے اسلامی علم تفسیر اور مغربی فن تشریح و تعبیر Hermeneutic میں یہ فرق ملحوظ رکھنے سے قاصر رہے کیونکہ وہ دینی و شرعی علوم اور مغربی علوم فلسفہ کی گہرائی سے واقف نہ تھے لہٰذا اسلامی علم تفسیر کا پورا ذخیرہ ان کے خیال میں تفردات کا شاہکار ہے جو بالکل غلط استدلال ہے۔

اگر عقلی بنیادوں پر ہر حکم خداوندی کا استدلال ہو تو پھر سوال یہ ہے کہ فجر کی نماز طلوع سحر سے پہلے کیوں بعد میں کیوں نہیں کہ اس وقت تک سب اٹھ جاتے ہیں، سب ہی نماز پڑھ لیں گے لہٰذا نماز کا وقت بدل دیا جائے۔ جو شخص اب نماز فجر نہیں پڑھ رہا کیا وہ نماز کا وقت آگے بڑھ جانے سے نماز پڑھ لے گا؟ جسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل مقصود ہے وہ ہر حال میں تعمیل کرے گا احکامات کی مشروط تعمیل کرنے والا عبد نہیں معبود ہے۔ معبود کسی دوسرے معبود کی عبادت کیسے کرسکتا ہے؟ وہ سوال اٹھا سکتا ہے احرام میں سفید غیر سلے کپڑے کیوں کالے، ہرے اور سلے ہوئے کپڑے کیوں نہیں صاف بھی رہیں گے اور گندگی بھی نظر نہیں آئے گی، لیکن بات یہ ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے ہمیں اسی طرح عمل کرکے دکھایا ہے عقلی اعتراضات کی تو کوئی حد ہی نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آسمان اپنے ہاتھ سے بنایا ہے [۵۱:۴۷] بعض اور آیات میں یہی بات مختلف چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں اب معترض یہ سوال اٹھا دے کہ کیا اللہ تعالیٰ مادی وجود رکھتا ہے اس کے ہاتھ بھی ہیں اس نے آسمان اپنے ہاتھ سے خود کیوں بنایا؟ پوری کائنات اس کے اشارے پر چلتی ہے تو اس نے یہ شے بنانے کے لیے کسی کو حکم کیوں نہیں دیا؟

ایسے من گھڑت سوالوں کا جواب دیتے ہوئے نہایت دانائی اور باریک بینی کی ضرورت ہے، عصر حاضر میں نوجوان اس قسم کی علمی موشگافیاں کرنے میں بہت جری ہوگئے ہیں جس کا سبب ٹی وی کے ٹاک شوز ہیں جہاں جہلاء ایک منظم منصوبے کے تحت احمقانہ موضوعات پر گفتگو کرتے رہتے ہیں اور نوجوانوں کے ذہنوں کو دانستہ مسموم کرکے ان میں عقلی موشگافیوں کا مزاج پیدا کرتے ہیں، ایسے نوجوانوں کو عمدہ مثالوں سے لاجواب کیا جاسکتا ہے۔ فتنۂ خلق قرآن کے سلسلے میں مامون کے دربار میں عبدالعزیزؒ الکنانی اور بشر المریسی کا مناظرہ ایک عمدہ مثال ہے۔ بشر نے پوچھا قرآن نے صدہا مقام پر اللہ تعالیٰ کو **خالق کل شیء** کہا ہے یا نہیں؟ یعنی خدا ہر چیز کا خالق ہے کنانی نے جواب دیا وہی ہر شے کا خالق ہے۔ بشر نے پوچھا قرآن بھی شے ہے یا نہیں؟ شیخ کنانی نے کہا پہلے

شے کی حقیقت سن لو پھر جواب مانگو۔ بشر نے کہا میں اور کچھ سننا نہیں چاہتا میرے سوال کا جواب دو۔ مامون نے بھی غصے سے کہا سوال کا جواب ہاں یا ناں میں دو۔شیخ نے کہا اچھا میں تسلیم کرتا ہوں قرآن بھی اشیاء میں داخل ہے۔ مامون اور بشر نے کہا تو پھر قرآن مخلوق ہوا۔نہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا شیخ کنائی نے جواب دیا۔قرآن کہتا ہے **ویحذر کم اللّٰہ نفسہٗ** یعنی اللّٰہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کا بھی نفس ہے پھر قرآن کہتا ہے **کل نفس ذائقہ الموت** [ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے] پس اگر اشیاء میں قرآن داخل ہوکر مخلوق ہوگیا تو کیا خدا بھی کل نفس میں داخل ہوکر اور نفس ہوکر موت کا مزا چکھے گا؟ معتزلہ کو مناظرے میں شکست ہوگئی۔عباسی دربار کے مسخرے نے خلیفہ کو مسئلہ خلق قرآن کے سلسلے میں صرف ایک دلیل سے قائل کر کے معتزلہ کے حلقے سے الگ کر دیا تھا۔اس نے پوچھا کہ یا خلیفۃ المسلمین اگلے سال تراویح میں مسلمان کیا پڑھیں گے؟ خلیفہ نے جواب دیا قرآن۔ مسخرے نے نہایت تعجب سے پوچھا کہ قرآن تو مخلوق ہے اگر اگلے برس سے پہلے انتقال کر گیا تو رمضان میں کیا پڑھا جائے گا؟ خلیفہ قائل ہوگیا اس نے معتزلہ کی حمایت سے ہاتھ اٹھالیا۔

ایسی دو اور مثالیں پیش خدمت ہیں عقل اور منطق کے ذریعے دین کو ثابت کرنے کی ہمہ وقت کوشش لایعنی ہے،مثلاً ایک شخص ایک حلوائی کی دکان میں داخل ہوا اور اس سے ایک سیر لڈو طلب کیے،حلوائی نے اسے ایک سیر لڈو دے دیے تو اس نے لڈو واپس کر دیے اور کہا کہ یہ مٹھائی بدل دو اور اس کے بدلے میں ایک سیر گلاب جامن دے دو،حلوائی نے مٹھائی تبدیل کر کے ایک سیر گلاب جامن اس کے سپرد کیے تو وہ شخص مٹھائی لے کر دکان سے باہر جانے لگا، حلوائی نے آواز دے کر روکا اور اس سے کہا کہ بھائی ایک سیر مٹھائی کے پیسے دینا آپ بھول گئے ہیں وہ دیتے جایئے،خریدار نے نہایت حیرت سے پوچھا کس بات کے پیسے؟ حلوائی نے کہا جناب ایک سیر گلاب جامن کے،خریدار نے جواب دیا یہ ایک سیر گلاب جامن تو میں نے ایک سیر لڈو کے بدلے میں لیے ہیں ،اس لیے اس کی قیمت کا کیا سوال؟ حلوائی نے عرض کیا حضور تو چلیے ایک سیر لڈو کے پیسے عنایت کیجیے،حلوائی کی پسپائی دیکھ کر خریدار تنگ کر بولا بھائی ایک سیر لڈو تو میں آپ کو واپس کر چکا ہوں،اس کے پیسے آپ مجھ سے کیسے طلب کر سکتے ہیں؟ واقعہ دلچسپ، پر لطف ہے اور خریدار کی ذہانت اور حاضر جوابی کی داد دینا پڑتی ہے لیکن اس منطقی حاضر جوابی سے آپ لوگوں کو مسکرانے پر مجبور کر سکتے ہیں حلوائی سے مفت میں مٹھائی نہیں لے سکتے،اگر آپ اصرار کریں کہ حلوائی صاحب میں نے آپ کو دلیل دی ہے آپ دلیل سے اس کا جواب دیں تو یہاں دلیل کا کام ختم ہوجائے گا اور علامہ اقبال کے مصرع کا کام شروع ہوجائے گا:

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

ایسے مشکل مقامات عصائے کلیمی سے حل ہوتے ہیں عقلی دلیل اور منطق یہاں جواب دے جاتی ہے۔

اسی طرح ریاضیاتی اصول سے عقلی طور پر آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اگر ایک کمرہ سو مزدور دس دن میں بنا سکتے ہیں تو دو سو مزدور یہ کمرہ پانچ دن میں بنالیں گے۔ چار سو مزدور ڈھائی دن میں،آٹھ سو مزدور سوا دن میں،سولہ سو مزدور ۱۴ گھنٹے میں،بتیس سو مزدور سات گھنٹے میں بتیس ہزار مزدور سات سکنڈ میں لیکن کیا عملاً کوئی کمرہ سات سکنڈ میں بن سکتا ہے؟ ریاضیاتی طور عقلی منطقی خیالی طور پر ایسا کمرہ ضرور بن سکتا ہے لیکن صرف اعداد و شمار کے ذریعے،عملاً نہیں۔لہٰذا بہت سی باتیں جو عقلی،منطقی اور ریاضیاتی طریقوں سے ثابت کر دی جائیں تب بھی عملی زندگی میں ناقابل عمل ہو جاتی ہیں۔خود ذاکر نائیک صاحب نے عقلی استدلال کی مخالفت میں ایک عمدہ مثال اسلام دہشت گردی یا عالمی بھائی چارے والے خطبے میں دی ہے: **اس مناظرے میں گوشت خوری کے مخالفین کی دلیل یہ تھی کہ ٹھیک ہے پودے بھی جاندار ہیں لیکن ان کے اندر صرف تین حواس ہوتے ہیں جبکہ گائے**

بکری بکرے میں پانچ حواس ھوتے ھیں لهٰذا جانوروں کومارنا بڑا جرم ھے اور پودوں کو مارنااس کے مقابلے میں نسبتاً چھوٹا جرم ھے، ذاکر نائیک نے جواب دیا که اچھا چلو یه فرض کرو که تمھارا ایک چھوٹا بھائی ھے جو پیدائشی گونگا بھرا ھے اس میں عام انسانو ں کے مقابلے میں دو حسیات کم ھیں اب فرض کیجیے که کوئی آپ کے بھائی کو مار دیتا ھے کیا اس وقت آپ جج کے سامنے جا کر یه کھنے کے لیے تیار ھوں گے که مائی لارڈ چوں که میرے بھائی میں دو حواس کم تھے لهٰذا مجرم کو کم سزا دی جائے نھیں بلکه آپ کھیں گے که مجرم کو دگنی سزا دی جائے کیوں که اس نے ایک معصوم اور مجبور شخص پر ظلم کیا لهٰذا اسلام میں بھی یه منطق نھیں چلتی[1] [ذاکر نائیک،''اسلام: دہشت گردی یا عالمی بھائی چارہ'' مشمولہ خطباتِ ذاکر نائیک، صفحہ۶۲]۔[1]ہمیں خوشی ہے کہ ذاکر نائیک صاحب نے خود تسلیم کرلیا کہ اسلام میں عقلی منطق نہیں چلتی، کبھی کبھی چل بھی جاتی ہے لیکن صرف اس منطق اور عقلیت پر دین کے فہم کو منحصر رکھنا یا مقید کرنا عقل کا تقاضا نہیں ہے۔

ایک عالم کا عقلی دلیل کی فضیلت، اہمیت اور برتری کے سلسلے میں ایک شخص سے مباحثہ ہوا۔ موقف یہ تھا کہ عقلی دلیل ہی ترجمان ساطع، برہان قاطع اور تفسیر واضح ہوتی ہے۔ اس سے عالم نے کہا کیا احنف بن قیس اور ایک چھوٹا بچہ دونوں کو شہید کردیا جائے تو دونوں کا قصاص یکساں ہوگا؟ یا احنف بن قیس کی عقل وحلم کی وجہ سے ان کا کچھ زیادہ ہوگا؟ اس نے کہا نہیں دونوں کا برابر ہوگا۔ عالم نے فرمایا: پھر صرف عقلی ومنطقی دلیل کوئی چیز نہیں۔

سب سے پہلے ابلیس نے منطقی وعقلی دلیل کا آغاز کیا۔ اسے جب حکم ملا کہ حکم الہٰ پر عمل کرو اور آدم کو سجدہ کرو تو اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ابلیس نے صرف عقل محض [Pure reason] پر دلیل کی بنیاد رکھی جو صرف طبیعی مسائل [Physical Domain] میں تجزیہ کی صلاحیت رکھتی ہے، اس جزوی عقل [Partial rationality] نے اسے دھوکا دیا لہٰذا خیر، الحق اور سچ کا معیار [Standard of Good & Truth] عقل نہیں ہوسکتی۔ عقل جزئی حقیقت تک رسائی نہیں کرسکتی ہے۔ بہترین عقل وہ ہے جو مالک الملک کے حکم کو درست سمجھے یہ وہ عقل ہے جس کو پرکھنے کا پیمانہ عقل سے نہیں نکلتا باہر سے آتا ہے، وہ پیمانہ وحی الٰہی ہے یعنی وحی بتائے گی کہ انسان عاقل ہے یا نہیں اور عقلیت کا پیمانہ یہ ہے کہ انسان مقام عبدیت کو قبول کرلے اور حقیقت مطلق کی اطاعت واتباع میں خوشی محسوس کرے قرآن بتاتا ہے : اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْن [۸:۲۲]، اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ [۸:۵۵]، اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ وَیَرْجُوْا رَحْمَۃَ رَبِّہٖ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لاَ یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُوْلُوا الْاَلْبَاب [۳۹:۹]، اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا [۶۵:۱۰] ان آیات کا لب لباب یہی ہے کہ عقل سے کام نہ لینے والے خدا کے نزدیک بدترین جانور اور بہرے وگونگے لوگ ہیں، الحق کا انکار کرنے والے بدترین مخلوق ہیں، نصیحت عقل والے قبول کرتے ہیں، معیار عقل قبولیت نصیحت ہے جو القرآن، الکتاب اور الحق کو قبول نہ کرے وہ صاحب عقل ہی نہیں ایمان لانے والے لوگ ہی صاحبِ عقل ہیں اور اللہ سے انھیں ڈرنا چاہیے۔ عقل جب وحی الٰہی کی تقلید قبول کرتی ہے تو وہ صرف عقل نہیں رہتی وہ ایمان کے زمرے میں آتی ہے جو علم کا اصل سرچشمہ ہے۔ ایک راسخ العقیدہ عالم نے ایک عقلیت پسند عالم سے پوچھا مجھے ایسا کلمہ بتلایئے جس کا اوّل شرک اور آخر ایمان ہو؟ عالم نے کہا میں نہیں جانتا پہلے عالم نے جواب دیا یہ لا الہٰ الا اللہ ہے۔ اگر کوئی لا الہٰ کہہ کر رک گیا تو کافر ہوجائے گا۔ اسی کلمہ کا اول شرک اور آخر ایمان ہے۔ دوسرا سوال پوچھا کہ اچھا بتایئے کہ قتل جو اللہ تعالیٰ

کے یہاں حرام ہے زیادہ بڑا گناہ ہے یا زنا؟ انھوں نے کہا قتل۔ انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قتل کے لیے دو شہادتیں قبول فرمائی ہیں لیکن زنا کے لیے چار ضروری ہیں۔ عقل و منطق یہاں آپ کے لیے کہاں فائدہ مند رہی؟ــــــ اور پھر پوچھا بتایئے خدا کے یہاں روزہ بڑا ہے یا نماز؟ عقلیت پسند مفتی نے کہا نماز، انھوں نے فرمایا عورت حیض سے فراغت کے بعد روزوں کی قضا کرتی ہے لیکن نماز کی نہیں، معلوم ہوا کہ صرف عقل کی بنیاد پر مذہبی امور کے فیصلے اور ان کی حکمت معلوم کرنا ممکن نہیں۔

حضرت عباسؓ نے خارجیوں سے گفتگو کی تو ان کے عقلی دلائل کا اس خوبصورتی سے ایمانی و عرفانی جواب دیا کہ وہ دنگ رہ گئے۔ حضرت عباسؓ بتاتے ہیں کہ خارجیوں نے ان سے کہا کہ ہمیں حضرت علیؓ کی تین باتیں بہت بری لگیں۔ وہ یہ کہ حَکَم انھوں نے آدمیوں کو بنایا جب کہ حکمِ خداوندی ہے:

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ [حکم تو اللہ ہی کا ہے]

میں نے کہا کہ خرگوش کے سلسلے میں چوتھائی درہم کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی نے بندوں کے سپرد کیا اور انھیں حَکَم بنا دیا ہے۔ جواب میں اس آیت کریم کی طرف اشارہ ہے: فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحۡکُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ ۔[پارہ ۷، المائدہ] تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ جیسا اس نے قتل کیا ویسا ہی جانور دے اور تم میں کے دو ثقہ اس کا فیصلہ کریں۔ احرام پہنے ہوئے حاجی کے شکار سے متعلق یہ حکم ہے یعنی اگر خرگوش کو حالت احرام میں شکار کیا تو بدلے میں خرگوش ہی دینا ہوگا۔ اور زوجین کے بارے میں قرآن حکیم میں ہے: فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا [پ۵، النساء][ایک حکم مرد والوں کی طرف سے اور ایک عورت والوں کی طرف سے بھیجو]

خرگوش، زوجین اور بندے کے معاملات میں حَکَم بنانا افضل ہے اور امت کے معاملات میں جس سے خوں ریزی بند ہو کر اختلاف اتحاد و اتفاق میں تبدیل ہو جائے؟ کیا وہاں حَکَم نہ بنانا افضل ہو سکتا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں صحیح ہے!

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انھوں نے امیر المومنین بننے سے توقف کیا اور علیحدہ رہے وہ امیر الکافرین ہیں [معاذ اللہ] میں نے کہا اگر قرآن و سنت سے میں دلیل دوں تو مان لو گے؟ انھوں نے کہا ہاں! میں نے کہا میں نے سنا ہے اور میرا خیال ہے کہ تمھیں بھی معلوم ہوگا کہ صلح حدیبیہ کے روز سہیل بن عمرو کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو ہوئی تو آپ نے حضرت علی سے کہا لکھیے:

''هذا ما صالح علیه محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم''

ان سبھوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مان لیں تو جنگ ہی نہ کریں۔ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: علیؓ! اسے مٹا دوــــــ ابن عباسؓ نے کہا کیا میں تمھاری اس بات کا جواب دے دیا ان سبھوں نے کہا ہاں!

اب رہا جنگِ جمل و صفین کے بارے میں تمھارا یہ کہنا کہ انھوں نے قتال کیا لیکن قیدی نہ بنائے اور نہ مال غنیمت حاصل کیا۔ کیا تم اپنی ماؤں کو قیدی بنا کر دوسری عورتوں کی طرح انھیں بھی اپنے لیے حلال سمجھو گے؟ اگر ہاں کہو گے تو انکار کتاب اللہ کرو گے اور اسلام سے نکل جاؤ گے۔ اب تم دو گمراہیوں کے درمیان گھر گئے ہو۔

کوئی بھی چیز پیش کر کے میں کہتا کیا اس سے نکل گیا؟ وہ کہتے ہاں! اس طرح ان میں سے دو ہزار خارجی ہمارے ساتھ واپس آ گئے اور صرف چھ سو باقی رہ گئے۔ تفصیل کے لیے اعلام الموقعین کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ خارجی قتل و غارت گری اور اپنے مخالفین کی خونریزی میں مشہور تھے لیکن جب حق و صواب

اور حکمت و موعظت کے ساتھ ان سے گفتگو کی گئی تو ان میں سے اکثر قبول حق پر آمادہ ہو گئے اور جب انھیں قرآن حکیم پڑھ کر سنایا گیا تو انھوں نے اس سے عبرت و نصیحت حاصل کی۔انھیں مناسب طریقہ سے گفتگو کی دعوت دی گئی تو کھلے دل کے ساتھ انھوں نے یہ دعوت قبول کر لی۔ جب متشدد لوگوں کو دعوت و نصیحت اور نرمی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے تو عہد حاضر کے ملحد، بے دین، دین بے زار اور متشکک لوگوں کو بھی بدلا جا سکتا ہے۔

عصر حاضر کا مسئلہ یہ ہے کہ فقہا، متکلمین واعظین علماء نے لا ادری کہنا ترک کر دیا ہے لہٰذا وہ ہر مسئلے کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں اور عوام کی درست رہنمائی سے قاصر رہتے ہیں۔نائیک صاحب نہایت اخلاص کے ساتھ ادھورے علم کے ذریعے امت کی اصلاح کے لیے نکلے ہیں کاش وہ کہہ سکتے کہ **لا ادری** تو اس بڑی ذمہ داری سے بچ جاتے جسے انھوں نے رضا کارانہ طور پر خود قبول کر لیا ہے ایک ایسی ذمہ داری جو امت کے لیے مصائب کے نئے دریچے کھول رہی ہے۔

اعتراضات کرنے والے قسم قسم کے اعتراض کر سکتے ہیں مثلاً سورۂ نحل کی آیت: **وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ** [۱۶:۷۲] میں اللہ تعالیٰ نے بیٹے اور پوتوں کا ذکر کیوں کیا ہے؟ بیٹی اور نواسوں کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اور نواسوں کا ذکر بھی کیوں نواسیوں کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ یہ تو صریحاً صنفی امتیاز محسوس ہوتا ہے [نعوذ باللہ]، جب آپ عہد حاضر کے غالب تعقل کی روشنی میں چیزوں کو ایک خاص زاویے، خاص نقطۂ نظر اور خاص مابعد الطبیعیات کے ذریعے پرکھتے ہیں تو اسی قسم کے کمالات، تحقیقات، ایجادات اور اکتشافات کا دریچہ وا ہوتا ہے اور سائنسی، منطقی، تجربی، حسی اور طبعی ذہن قرآنی دلیل کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل میں کہا ہے کہ یہ پہاڑ میخیں ہیں جو زمین کو ڈھلکنے سے روکے ہوئے ہے: **ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ...... وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** [۱۶:۷۵،۷۶] لیکن دیکھیے دنیا میں ہزاروں پہاڑ کاٹ دیے گئے اگر پہاڑوں کو کاٹا نہ جائے تو اس میں سے معدنیات کے ذخائر یعنی پتھروں کی انواع و اقسام سے کیسے فیض اٹھایا جائے؟ ظاہر ہے نائیک صاحب یہاں کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔وہ یہ اعتراض بھی اٹھا سکتا ہے کہ سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے گھوڑے اور خچر پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمھاری زندگی کی رونق بنیں [۱۶:۸] لیکن عہد حاضر میں تو جدید تہذیب و تمدن کے ظہور کے بعد گھوڑے اور خچر تو زینت حیات دنیا ہی نہیں رہے، دنیا کے اکثر حصوں میں علمائے دین بھی گدھے اور گھوڑے پر سواری کو قابل عزت شے نہیں سمجھتے کیا آپ ''شیخ الاسلام'' کا اکرام اس طرح کریں گے کہ انھیں گھوڑے یا گدھے پر بٹھا کر لے جائیں؟ بہ ظاہر یہ اعتراض درست لگتا ہے کیونکہ عصر حاضر کے تعقل نے عیش و عشرت اور سہولت کی جو سواریاں پیدا کی ہیں ان کے سامنے گھوڑے اور گدھے واقعی حیات دنیا کی زینت نظر نہیں آتے اور کسی عالم کو خچر یا گدھے پر سواری کی دعوت دینا جدید حسی ذہن کو فی الواقع توہین نظر آئے گا، کیونکہ یہ طرز عمل عہد حاضر کے غالب طرز تعقل کے خلاف ہے، مگر یہ نظر کا قصور ہے، برطانیہ کی ملکہ سعودی عرب کے شاہ کے خصوصی استقبال کے لیے شاہی بگھی میں لے کر انھیں بکنگھم پیلس جاتی ہے تو پوری دنیا اور خود شہنشاہ اسے خصوصی اکرام و اعزاز سمجھتے ہیں کیونکہ یہ تعظیم عہد حاضر کے تعقل سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے، قرآن بتاتا ہے کہ جانوروں میں تمھارے لیے جمال ہے جب کہ تم صبح انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جب کہ شام انھیں واپس لاتے ہو [۱۶:۶] لیکن عہد حاضر کے فلسفۂ جمال میں جانوروں کے اس حسن، کمال اور جمال کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے فلیٹ شہر اور جانور ایک

ساتھ نہیں رہ سکتے جدید طرز زندگی فطری حقیقی اصل طرز زندگی کو باقی ہی نہیں رہنے دیتا نہ شہروں میں باغات میں نہ کھیت نہ چراگاہیں تو جانور کیسے رہیں گے اور اس کا حسن و جمال کون دیکھے گا؟ لہٰذا جمالیات کے نئے نظریات میں اس فطری حسن و جمال کا کوئی ذکر نہیں ہوتا لیکن عید قربان کے موقعے پر پوری امت اور اس کے امراء عالیشان محلوں میں رہنے والے متکبرین کے بچے جانوروں کے جمال سے جس طرح لطف اٹھاتے ہیں اور ان کے ساتھ جس طرح وقت گزارتے ہیں وہ اس آیت کی سچائی کی محکم دلیل ہے مگر سائنسی ذہن اس دلیل کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ صرف عقل کی بنیاد پر کسی کو دین وایمان کی توفیق نہیں ملتی یہ توفیق انھیں ملتی ہے جو عقل کے ذریعے کسی حقیقت کو پالینے کے بعد قلب میں تبدیلی محسوس کرتے ہیں تو انھیں ایمان کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے، عقل صرف سوچنے کا ذریعہ ہے وہ حقیقت کو پانے والے، ڈھونڈنے والے آلات [Instruments] میں سے ایک آلہ ہے یہ آلہ خود مطلوب ومقصود نہیں ہے۔ کفار مکہ نے علم، عقل اور فطرت کے آلات کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصل بیت اللہ کو پہچان لیا تھا قرآن کے الفاظ میں مشرکین مکہ اور اہل کتاب ذات رسالت مآبؐ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے اسی طرح وہ بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی اصلیت سے بھی واقف تھے لیکن ان کے قلب نے انکار کر دیا ان کے نفس نے تعقل قلبی سے استفادہ نہیں کیا وہ خواہش نفس کے الہٰ کی پرستش میں مبتلا رہے۔ قلب اس تفکر کو گہرائیوں کے ساتھ ایمان کے قالب میں ڈھالنے کا وسیلہ ہے، اس لیے پیغمبر جب بھی آتے ہیں لوگوں کے قلوب کو بدلتے ہیں، ان کے فواد کو مخاطب کرتے ہیں، ان کے دروازۂ دل پر دستک دیتے ہیں، ان کے دل کی دنیا بدلنے کی تگ ودو میں لگے رہتے ہیں کیوں کہ قرآن کے الفاظ میں ''ایک شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے'' لہٰذا اس ایک دل کو خالق حقیقی کے لیے خالص کر دینا پیغمبروں کی کوشش ہوتی ہے۔ منافقین بہ ظاہر ایمان لے آئے تھے مگر ان کے ایمان کو اللہ نے تسلیم نہیں کیا انھوں نے رسالت مآبؐ کا انکار نہیں کیا لیکن دل سے آپ کی تصدیق نہیں کی، اسی لیے قرآن نے ارشاد کیا کہ یہ منہ سے کہتے ہیں مگر دل سے ایمان نہیں لاتے: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [۵:۴۱] اگر ایمان عقلی دلائل پر منحصر ہوتا تو اہل کتاب ایمان لے آتے، قرآن کے الفاظ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں وہ عقلی طور پر آپ کی بعثت سے متفق تھے لیکن ان کا دل اسے تسلیم نہیں کرتا تھا، ان کی خواہش نفس اور تکبر ضد اور اپنی قوم کی عظمت اس عقلی دلیل کو قلبی دلیل میں تبدیل کرنے پر آمادہ نہ تھی، لہٰذا عقلی یقین کے باوجود وہ آخر تک قلبی یقین سے محروم رہے اور دنیا وآخرت دونوں برباد کر لی۔ اسی لیے قرآن نے واضح کر دیا کہ جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [۱۶:۱۰۶]۔ ابوجہل کعبہ کے پردوں میں چھپ کر قرآن سنتا تھا اس کا دل پگھل جاتا تھا لیکن اس کا تکبر آڑے آتا تھا کہ یہ قرآن اس شہر کے دو بڑے آدمیوں پر کیوں نہیں اترا؟

سورۃ انبیاء میں حضرت ابراہیم اور اس عبادت گاہ کے مقتدیوں کا مکالمہ آیت ۵۹ تا ۶۷ میں تفصیل سے آیا ہے، جب حضرت ابراہیمؑ نے تمام بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا اور کفار مندر میں عبادت کے لیے گئے تو بڑے ناراض ہوئے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ ظلم کس نے کیا، انھیں بتایا گیا کہ ایک نوجوان

ابراہیم ہے جو بتوں کو برا بھلا کہتا ہے انھیں لوگوں کی موجودگی میں طلب کیا گیا اور سوال حضرت ابراہیمؑ سے یہ پوچھا گیا کہ: قَالُوْٓا ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ [سورۂ الانبیاء:۶۲] ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام تم نے کیا؟ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ [سورۂ الانبیاء:۶۳] آپ نے فرمایا ''ان کے بڑے بت سے معلوم کرو اگر یہ بولتے ہوں''۔

کفار اس عقلی دلیل پر ششدر رہو گئے: فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ [الانبیاء:۶۴] اور آپس میں کہنے لگے بیشک ہم ہی ظالم ہیں: ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ [الانبیاء:۶۵] پھر شرمندہ ہو کر سر نیچا کر لیا اور کہنے لگے تم جانتے تو ہو کہ یہ بولتے نہیں اس پر حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر کیوں ایسے بتوں کو پوجتے ہو جو نہ تمھیں کوئی فائدہ دے سکیں نہ نقصان پہنچا سکیں؟ کفار عقلی طور پر مطمئن تھے لیکن قلبی طور پر مطمئن نہ تھے۔ قلب اور فواد جب تک عقل کا ساتھ نہ دیں ایمان کی توفیق نہیں ملتی اس لیے انبیاء لوگوں کے قلوب کو تسخیر کرتے ہیں۔ دلوں کو فتح کرنا ہی اصل فتح ہے عقل تو آسانی سے مغلوب ہو جاتی ہے لیکن عقل سے قلب تک کا فاصلہ جو بہت مختصر ہے دنیا کا طویل ترین راستہ ہے، مشرکین مکہ کو نبوت اور رسالت سے انکار نہیں تھا وہ تو پیغمبر کے منتظر تھے لیکن ان کا اعتراض یہ تھا کہ یہ نبوت بنی ہاشم کو کیوں عطا کی گئی؟ ان کا اعتراض صرف یہ تھا کہ '' کہتے ہیں یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ اترا کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں'' [الزخرف آیت ۳۱] وہ قرآن اور نبوت کا نزول طائف اور مکہ کے کسی رجل رشید پر چاہتے تھے لیکن رحمت الٰہی کفار مشرکین کی خواہش سے تقسیم نہیں ہوتی۔ انبیاء اور ان کے صحابہ کی اپنی امتوں سے ٹوٹ کر محبت اس راستے کو طے کرتی ہے یہ محبت ہی کفار کے قلوب بدلنے کا ذریعہ بنتی ہے یہ محبت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالت مآبؐ اور صحابہ کرام کو ہدایت فرماتے ہیں کہ:

ها نتطم اولاءِ تُحبو نهُم ولا يحبو نكم. مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ [سورۂ ال عمران:۱۱۹] تم ان سے محبت رکھتے ہو لیکن وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، رسالت مآبؐ یعنی رحمت اللعالمین کو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اے نبی کفار اور منافقین کے ساتھ سختی سے پیش آیئے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ [سورۂ التوبہ:۷۳] [ظفر اقبال، باب ۱۱، عقلی موشگافیاں اور دینی مزاج، ص ۳۴۹ تا ۳۷۲]

میزان اور مقامات میں حلال وحرام سے متعلق غامدی صاحب کے اجتہادات تفردات تحقیقات متناقض [Oxymoron] ہیں۔

قرآن کو صرف قرآن منسوخ کرسکتا ہے: غامدی، برہان، ۲۰۱۳ء، ص ۵۱، ۵۲

قرآن کو اللہ کا رسول بھی منسوخ نہیں کرسکتا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۲۵، ۲۷، ۳۵، ۳۷

قرآن کے حکم کو اللہ کا رسول منسوخ کرسکتا ہے: غامدی، میزان ۲۰۰۸ء، ص ۴۰، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۹۱، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۴۳، ص ۳۹۹

اللہ کے رسول نے دو مردار دو خون حلال قرار دیے: غامدی میزان ۲۰۰۸ ص ۴۰، اللہ کے رسول نے حرم مدینہ کو مکہ کی طرح حرام قرار دیا غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۹۹، اللہ کے رسول نے زمین کو مسجد اور تیمّم کے لیے حلال کرلیا (پہلی امتوں کے لیے یہ حلال نہ تھا): غامدی ، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۴۳۔ کوئی بھی شخص تحقیق وتدبر سے شریعت کی آیات منسوخ کرسکتا ہے: میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۹

رسول اللہ نے قرآن کا قانون اتمام حجت منسوخ کردیا اور مشرکین کے بیوی بچوں پر عذاب کو روک دیا: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۹۱

غامدی صاحب نے میزان اور مقامات میں قرآن کی چالیس آیات منسوخ قرار دی ہیں

جو مجتہد حلال وحرام کے بارے میں متضاد آراء رکھتے ہوں کیا ان سے دین لیا جاسکتا ہے؟

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

محترم عمار ناصر کے اعتراضات کا جائزہ

سید خالد جامعی

غامدی صاحب نے میزان کے باب اصول ومبادی میں امام زہری کی روایات کو مسترد کرنے کے لیے ایک سنہری اصول پیش کیا ہے کہ کسی ایسے راوی کی حدیث روایت قبول نہیں کی جاسکتی جو زہری کی طرح ایک ہی چیز کے متعلق تحریری طور پر تین طرح کا جواب دیتا ہو جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نقیض [Oxymoron] ہو اور زہری کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۱، ۳۲] ظاہر ہے دینی امور میں یہ رویہ قابل قبول نہیں ہے۔ میرے محترم غامدی صاحب کا یہ اصول خود ان کے لیے حجت ہے کیونکہ وہ میزان کے قانون عبادات میں لکھ چکے ہیں کہ مجتہد کے لیے اپنے اجتہاد کی خلاف ورزی جائز نہیں قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۶] ان دو اصولوں کی روشنی میں ہم غامدی صاحب کے متضاد افکار کا جائزہ لیتے ہیں وہ بھی امام زہری کی طرح ایک ہی چیز کے تین مختلف جواب دیتے ہیں قرآن کے بارے میں ان کے تین متضاد [Oxymoron] جوابات پڑھیے۔

قرآن قطعی الدلالۃ ہے اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں: غامدی

رسالت مآب قرآن کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کرسکتے: غامدی

رسالت مآب ﷺ قرآن کے کسی حرام کو حلال نہیں کرسکتے: غامدی

ائمہ اصول کی اصطلاح میں قطعیت احتمال کی نفی ہے۔ دلالت الفاظ کی بحث میں یہ لفظ دو معنی کے لیے بولا جاتا ہے: ایک جب سرے سے احتمال نہ ہو۔ دوسرے جب احتمال کی بنا جس دلیل پر رکھی جائے وہ نا قابل التفات ہو۔ پہلے معنی کی مثال محکم اور متواتر ہیں اور دوسرے معنی کے لیے ظاہر نص اور خبر مشہور کی مثال ہے [مقامات، طبع سوم، جولائی ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۷] اسی قطعیت کو علم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی تعریف ہی یہ کی جاتی ہے کہ علم اس صفت سے عبارت ہے جس سے حقائق میں ایسا امتیاز حاصل ہو جائے کہ نقیض کا احتمال نہ رہے۔ قرآن جب اپنے بارے میں کہتا ہے وہ العلم اور الحق ہے یا اپنے اندر تضادات کی نفی کرتا ہے تو اسی حقیقت کا اعلان کرتا ہے۔ اس کے مقابل میں لفظ ظن ہے۔ اس میں احتمال کی نفی ممکن نہیں ہوتی۔ صرف ایک احتمال کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ [مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۷]

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ لفظ قطعیت کے جو معنی اوپر بیان ہوئے ہیں قرآن کی تمام آیات انھی میں محصور ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کے الفاظ ہی ان کی تفسیر ہیں اور ان میں نسخ، تخصیص یا تبدیلی اور تغیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ [مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۴۰] قرآن میں ایک سے زیادہ تاویلات کا احتمال نہیں ہوتا۔ وہ قطعی الدلالہ ہے۔ یہ محض قلت علم اور قلت تدبر ہے جو اختلافات کا باعث بن جاتی ہے [مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۴۱]۔ غامدی صاحب قرآن کے نسخ کے بارے میں میزان میں وضاحت کر چکے ہیں کہ حدیث قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی اور خدا کا پیغمبر بھی قرآن کے کسی حکم کو منسوخ، محدود و مخصوص نہیں کر سکتا [میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۲۵]۔ انہوں نے پہلے باب اصول و مبادی میں صاف صاف لکھا ہے کہ حدیث سے قرآن کی کسی آیت کو یا قرآن کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۲۷، ۳۵، ۳۷]

قرآن نے صرف نو چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اس کے سوا کوئی چیز حرام نہیں ہے کوئی شخص بھی ان نو چیزوں کے سوا کسی شے کو حرام نہیں ٹھیرا سکتا یہ اختیار اللہ کے رسول کو بھی نہیں ہے [اس اصول کی تقریر غامدی صاحب نے مقامات ۲۰۱۴ء کے مضمون حلال و حرام میں کی ہے [مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۲۰۹ تا ۲۱۱]

<u>الکتاب قرآن شریعت ہے لیکن اس کی تمام آیات شریعت نہیں ہیں: غامدی</u>

غامدی صاحب کے دین میں شریعت کی آیات تدبر اور تحقیق سے منسوخ کی جا سکتی ہیں میزان میں لکھتے ہیں غلبہ حق، استخلاف فی

الارض اور جہاد وقتال کی آیات سے متعلق یہ بات پوری تحقیق کے ساتھ متعین کرنی چاہیے کہ ان میں کیا چیز شریعت کا حکم اور خدا کا ابدی فیصلہ ہے اور کیا چیز اسی انذار رسالت کے مخاطبین کے ساتھ خاص کوئی قانون ہے جواب لوگوں کے لیے باقی نہیں رہا[میزان ۲۰۱۵ء،ص ۴۹] تمام انسانوں کو تحقیق کے ذریعے شریعت کی آیات کی منسوخی کرنے کا حق دے کر غامدی صاحب نے میزان مقامات میں قرآن کی چالیس آیتوں کو منسوخ بھی کر دیا تفصیلات کے لیے میزان کے ابواب اصول ومبادی، قانون جہاد، قانون معاشرت پڑھیے اور مقامات ۲۰۱۴ء، کا مطالعہ کیجیے شریعت کی آیات کو منسوخ کرنے کا جو حق حدیث رسول اور اللہ کے رسول کو حاصل نہیں تھا وہ حق تمام امت کو حاصل ہوگیا۔امت کے جاہل نعوذ باللہ اللہ کے رسول سے بڑے عالم ہیں۔

<u>قرآن کی آیت کو صرف قرآن منسوخ کرسکتا ہے: غامدی</u>

قرآن کو صرف قرآن ہی منسوخ کرسکتا ہے[برہان طبع ہشتم،۲۰۱۳ء ص ۵۱، ۵۲]

<u>صاحب شریعت۔شریعت یعنی قرآن کے حرام کو حلال کرسکتا ہے: غامدی</u>

رسول اللہ قرآن یعنی شریعت کے احکامات منسوخ کرسکتے ہیں: غامدی

قرآن نے چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے سورۂ انعام میں وضاحت ہے اِنَّ الۡـمُـنٰـفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ‌ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِيۡرًا [۴:۱۴۵]اس آیت میں صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے سور، مردار، خون، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ۔لہٰذا غامدی صاحب کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ نے صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں اور یہ چیزیں بھی صرف کھانے کے لیے حرام ہیں ان کے دوسرے تمام استعمالات مثلاً پالنا، بیچنا، خریدنا، رکھنا، درآمد، برآمد، تجارت سب جائز ہیں[میزان،۲۰۱۵ء،ص ۶۳۱، ۶۳۷]

<u>رسول اللہ نے دو مردار دو خون حلال کردیے: غامدی</u>

رسول نے اللہ کے حرام کو اپنے حکم سے حلال کردیا

قرآن کے ان واضح احکامات کے باوجود اللہ کے رسول نے مردار اور خون کو حلال قرار دیا ہے۔یہ اطلاع بھی جناب غامدی صاحب کی میزان نے ہی دی ہے۔

غامدی صاحب لکھتے ہیں اللہ نے مردار کو حرام ٹھہرایا ہے اور خون کو حرام قرار دیا ہے لیکن رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ہمارے لیے دو مری ہوئی چیزیں اور دو خون حلال ہیں مری ہوئی چیزیں مچھلی اور ٹڈی اور دو خون جگر اور تلی ہیں[ابن ماجہ رقم ۳۳۱۴][غامدی، میزان

،لاہور،المورد،طبع سوم،۲۰۰۸ء،ص۴۰]   رسول اللہ نے چار حرام چیزوں کو حلال کر دیا۔

رسول اللہ نے پوری زمین اور تیمّم کو حلال کر دیا: غامدی

تمام انبیاء کی شریعت میں نماز صرف معبد میں پڑھنا جائز تھا زمین پر پڑھنا حرام تھا غامدی صاحب بتاتے ہیں کہ رسول نے فرمایا میرے لیے زمین کو مسجد بنایا گیا وجعلت لی الارض طھور ا ومسجداً   پھر حدیث اس کی شرح میں لکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میری شریعت میں نماز صرف مخصوص عبادت گاہوں میں ہی نہیں بلکہ روئے زمین پر ہر جگہ پڑھی جا سکتی ہے۔[میزان ۲۰۱۵ء ص۱۴۳] نماز کے لیے پوری زمین کے حلال ہونے کا یہ حکم اللہ کے رسول کی حدیث سے ملا ہے۔

تمام انبیاء کی شریعت میں تیمّم حرام تھا رسول اللہ نے فرمایا میرے لیے زمین پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے اور پانی نہ ملے تو تیمّم کر کے وضو اور غسل دونوں کی ضرورت بھی پوری کی جا سکتی ہے۔[میزان ۲۰۱۵ء،ص۱۴۳]

تمام امتوں کے لیے زمین نماز اور پاکیزگی کے لیے حرام تھی رسول اللہ نے اسے حلال کر دیا لیکن شریعت یعنی قرآن میں اس کے حلال ہونے کا کوئی حکم موجود نہیں۔

اللہ نے صرف مکہ کو حرام ٹھیرایا رسول اللہ نے مدینہ کو حرام ٹھیرا دیا: غامدی

حرم مدینہ کے بارے میں آپؐ نے لوگوں کو متنبہ فرمایا کہ ابراہیمؑ نے جس طرح مکہ کو حرام ٹھہرایا ہے میں نے اسی طرح مدینہ کو حرام ٹھہرایا ہے[میزان ۲۰۱۵ء ص۳۹۹]

رسول اللہ نے اللہ کا حق زکوٰۃ خود معاف کر دیا: غامدی

رسول اللہ نے قرآن کے بغیر گھوڑوں غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی: غامدی

زکوٰۃ مال کا حق ہے جو خدا کے لیے خاص کیا گیا ہے۔[میزان طبع سوم ۲۰۰۸ء،ص ۳۴۵] زکوٰۃ خدا ہی کے لیے خاص ہے [میزان ۲۰۰۸ء،ص ۳۴۵] رسول کا ارشاد ہے میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے ابوداؤد رقم ۱۵۷۴[میزان طبع سوم ۲۰۰۸ء ص۳۵۳] اللہ کے حق کو رسول اللہ اپنے صواب دیدی اختیارات کے تحت معاف کر سکتے ہیں وہ شارع ہیں جو چاہیں کریں قرآن ان کو نہیں روک سکتا۔

نبی نے قانون اتمام حجت کا حکم بھی منسوخ کر دیا: غامدی

قانون اتمام حجت سنن الٰہی میں سے ہے: غامدی

غامدی صاحب نے میزان کے باب ایمانیات میں ''سنن'' کے عنوان سے اللہ تعالیٰ کی سنتوں :۱۔ابتلا،۲۔ہدایت وضلالت، ۳۔تکلیف، مالا یطاق،۴۔عزل ونصب،۵۔نصرت الٰہی ،۶۔جزاوسزا کے تحت قانون اتمام حجت کو غیر متبدل سنت قرار دیا ہے۔[میزان ۲۰۱۵ءص۱۰۵تا۱۱۸] قانون اتمام حجت کی تقریر کرتے ہوئے وہ مقامات میں لکھتے ہیں یہ خدا کا وہ عذاب تھا جو مشرکین عرب پر نازل کیا گیا اس طرح کا جب عذاب نازل کیا جاتا ہے تو اس میں عورتوں اور بچوں کے لیے بھی کوئی استثناء نہیں ہوتا اور وہ بھی اسی طرح ہلاک کر دیے جاتے ہیں جس طرح نوح اور ہود اور صالح وشعیب کی قوموں پر یہ عذاب آیا تو ہلاک کر دیے گئے [مقامات۲۰۱۴ءص۳۱۳]

یہ عذاب ہجرات و برات کیے بعد نازل ہوتا میزان میں لکھتے ہیں اتمام حجت کے بعد مخاطبین کے پاس کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہیں رہ جاتا اصطلاح میں اسے اتمام حجت کہتے ہیں [میزان ۲۰۱۵ء،ص ۵۳۸] اس کے بعد چوتھا مرحلہ ہجرات و برات ہے اللہ کے پیغمبر جب تبلیغ کا حق بالکل آخری درجے میں ادا کر دیتے ہیں اور حجت تمام ہو جاتی ہے تو یہ مرحلہ آتا ہے لہٰذا ہجرت کا فیصلہ پیغمبر نہیں اللہ کرتے ہیں کیونکہ انسان اپنی عقل سے فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اس کی طرف سے حجت پوری ہو گئی لہٰذا پروردگار ہی فیصلہ کرتا ہے کہ حجت پوری ہو گئی قوم کی مہلت ختم ہوئی اور اب پیغمبر انھیں چھوڑ کر جا سکتا ہے اس کے بعد جزا و سزا کا آخری مرحلہ ہے آسمان کی عدالت زمین پر قائم ہوتی ہے اور پیغمبر کی قوم کے لیے قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی ہے [میزان ۲۰۱۵ء،ص۵۳۹تا۵۴۱]

ہجرات و برات کے بعد قانون اتمام حجت کے تحت قوم پر اللہ کا عذاب آجاتا ہے اور اس عذاب میں عورتوں بچوں کے لیے بھی کوئی استثناء نہیں ہوتا [مقامات،۲۰۱۴ء،ص۳۱۳]

لیکن جب عذاب کا مرحلہ شروع ہو گیا تو اللہ کے رسول نے اس قانون کو منسوخ کر دیا لہٰذا غامدی صاحب لکھتے ہیں:

ان لوگوں کو قتل نہ کیا جائے جو عقلاً و عرفاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا نہیں لیا کرتے ایک مرتبہ جب یہ معلوم ہوا کہ ایک عورت قتل کر دی گئی ہے تو رسول اللہ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے لوگوں کو سختی سے منع کر دیا [میزان ۲۰۱۵ء،ص۵۹۱]

اللہ کے رسول نے قانون اتمام حجت کو منسوخ کر دیا اور مشرکین کی عورتوں بچوں کو غیر مقاتلین [Non Combatants]

قرار دے کر انہیں اللہ کے عذاب سے محفوظ کر دیا۔ رسول اللہ اللہ کا حکم منسوخ کر سکتے ہیں۔

<u>قرآن نے صرف نو چیزوں کو حرام قرار دیا ہے: غامدی</u>

اللہ کا رسول بھی اس فہرست میں اضافہ نہیں کر سکتا: غامدی

غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ قرآن میں صرف اور صرف خورونوش کے سلسلے میں صرف چار چیزیں حرام ہیں [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۶۳۱] مقامات میں انہوں نے خورونوش کی ان چار چیزوں کے علاوہ پانچ چیزیں مزید شامل کی ہیں جنھیں قرآن نے حرام قرار دیا ہے (۱) فواحش، (۲) حق تلفی، (۳) ناحق زیادتی، (۴) شرک، (۵) بدعت، لکھتے ہیں خدا کی شریعت میں یہی پانچ چیزیں حرام ہیں یہ خدا کا اعلان ہے لہٰذا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کے علاوہ کسی چیز کو حرام ٹھہرائے۔ روایتیں، آثار، حدیثیں، سب قرآن کے اسی ارشاد کی روشنی میں سمجھے جائیں گے اس سے ہٹ کر یا اس کے خلاف کوئی چیز بھی قابل قبول نہ ہوگی کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے **قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** [۷:۳۳] [مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۲۱۱، ۲۱۲] غامدی صاحب کے فلسفے کے مطابق قرآن نے صرف نو چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اس کے سوا سب حلال ہے ان کے فلسفے کے مطابق اللہ کا رسول بھی ان نو چیزوں میں سے کسی کو حرام نہیں کر سکتا نہ اللہ کی کسی دوسری چیز کو حرام قرار دے سکتا ہے۔ لیکن غامدی صاحب کی کتاب میزان طبع دہم ۲۰۱۵ء، بتا رہی ہے کہ اللہ کا رسول حرام کو حلال کر سکتا ہے حلال کو حرام قرار دے سکتا ہے اللہ کے حکم کو شریعت کو قرآن کی آیات کو منسوخ کر سکتا ہے صرف رسول اللہ نہیں آپ کے امتی بھی شریعت کی آیتوں احکامات کو تحقیق سے منسوخ کر سکتے ہیں۔ [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۴۹] غامدی صاحب کے تمام عقیدے نظریے Oxymoron ہیں۔

☆

علم غیب اور غامدی صاحب کے Oxymoron خیالات

غیب وہ امور ہیں جن کا جان لینا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۴

غیب کا لفظ راز کے مفہوم کے لیے مشہور ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۲۰

غیب کا علم عقل وفطرت کے قطعی دلائل کی بناء پر حاصل ہوتا ہے: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۱۴

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

اللہ تعالیٰ بعض ایسے امور غیب پر نبی کو مطلع کر دیتے ہیں جن کا جان لینا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہوتا اس کی ایک مثال وحی الٰہی کی پیش گوئیاں ہیں جو حیرت انگیز طور پر بالکل صحیح ثابت ہوئیں سرزمین عرب میں رسول کا غلبہ فتح مکہ ایرانیوں سے مغلوب ہو جانے کے بعد رومیوں کی دوبارہ فتح وغیرہ وغیرہ [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۴]

قرآن نے بیویوں کے لیے حفٰظت للغیب کی تعبیر اختیار کی ہے عام طور پر اس کے معنی پیٹھ پیچھے کی حفاظت کے لیے گئے ہیں ہم نے اسے رازوں کی حفاظت کرنے والی کے معنی میں لیا ہے اس کا یہی مفہوم صحیح ہے یہ معنی لینے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ غیب کا لفظ راز کے مفہوم کے لیے مشہور ہے خدا نے بھی اپنے بندوں اور بندیوں کے رازوں کی حفاظت فرمائی ہے: [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۲۰، ۴۲۱] ظاہر ہے شوہر کا راز بیوی کے علم میں ہوتا ہے یہ راز اس وقت تک راز رہتا ہے جب تک وہ اسے راز رکھے کوئی شخص عقل، منطق، فلسفے، استقراء، عمل تنویم کے ذریعے اس راز تک رسائی نہیں کر سکتا جب تک کہ عورت خود اس راز کو اگل نہ دے۔

غامدی صاحب راز کی یہ تعریف بیان کرنے کے بعد اچانک ایمان بالغیب کا ایک بالکل دوسرا مطلب بتاتے ہیں مقامات میں لکھتے ہیں ایمان بالغیب کے معنی یہ ہیں کہ وہ حقائق جو آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے انھیں انسان محض عقلی دلائل کی بنا پر مان لے ایمان بالغیب کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جو دیکھی نہیں جا سکتی لیکن عقل کے ذریعے سے سمجھی جا سکتی

ہے[غامدی،مقامات،۲۰۱۴ء،ص۱۱۳]

قرآن کے حقائق (جو ایمان بالغیب سے متعلق ہیں) وہ بے شک حواس سے ماوراء ہیں لیکن عقل سے ماوراءنہیں ہیں ہم نے انھیں عقل کی میزان میں تولا ہےاوران میں رتی بھر کمی نہیں پائی چنانچہ ہم ان پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں[غامدی ،مقامات،۲۰۱۴ء،ص۱۱۴]

اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم (ایمان بالغیب) انھیں عقل وفطرت کے قطعی دلائل کی بناء پر مانتے ہیں[غامدی،مقامات ،۲۰۱۴ء،ص۱۱۴]

اگرایمان بالغیب،راز کی باتیں صرف عقل سے معلوم کی جاسکتیں ہیں تو غامدی صاحب کے اصول کے مطابق یہ غیب اورراز نہیں ہے غیب کی شرط یہی ہے کہ وہ راز رہے وہ غیب یاراز جسے دوسرے کی عقل صرف عقل سے فاش کردے وہ غیب نہیں۔

غامدی صاحب کے یہ تمام دلائل ایک دوسرے سے متناقض[Oxymoron] ہیں انھیں علم نہیں کہا جاسکتا۔

کیونکہ غامدی صاحب کی تعریف کے مطابق قطعیت احتمال کی نفی ہے اسی قطعیت کو علم سے تعبیر کیا جاتا ہے علم سے حقائق میں ایسا امتیاز حاصل ہوجائے کہ نقیض کا احتمال نہ رہے اس کے مقابل میں لفظ ظن ہے اس میں احتمال کی نفی ممکن نہیں ہوتی[غامدی،مقامات،۲۰۱۴ء،ص۱۳۸] غامدی صاحب علم دین کے نام پر جو دین پیش کررہے ہیں وہ محض ظنی ہے وہ قطعی نہیں ہے لہٰذا علم نہیں ان کے اپنے اصول کے مطابق امام زہری ایک ہی چیز کے تین مختلف تحریری جواب دیتے تھے اور ہر جواب دوسرے جواب کا نقیض[Oxymoron] ہوتا تھا لہٰذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں[غامدی،میزان،۲۰۱۵ء،ص۳۱]

اس اصول کی بنیاد پر غامدی صاحب کا دین تعبیر دین اوراصول دین بھی معتبر نہیں۔

☆

رسالت محمدی سے متعلق غامدی صاحب کے نو اصول: ایک جائزہ

غامدی صاحب کے اصول حسب معمول Oxymoron ہیں

چالیس سال تک رسالت مآب ﷺ ہدایت کے راستے پر نہیں تھے مگر اس حالت کو ہم ضلالت بھی قرار نہیں دے سکتے: غامدی

رسول صالحین میں سے تھے اور نبوت سے پہلے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ہوتے ہیں جیسے یوسفؑ و آدمؑ: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۸، ۱۳۹

رسول نبوت سے پہلے ہدایت پر نہیں ہوتے: غامدی، برہان، طبع ہشتم ۲۰۱۳ء، ص ۲۷۷،

اللہ جس طرح نبی کی حفاظت نبوت سے پہلے کرتا ہے اسی طرح عام لوگوں کو بھی اپنی حفاظت کے لیے یہ برہان بخشتا ہے۔ غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۹ دوسرے معنوں میں انبیاء کے ساتھ اللہ کا معاملہ کوئی خاص معاملہ نہیں یہ اصول عامہ ہے

قرآن کی نص کے مقابلے میں غامدی صاحب اپنے نفس کی نص پیش فرماتے ہیں: غامدی، برہان، جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۲۷۲

وضاع کون میرے محترم عمار ناصر صاحب یا غامدی صاحب؟

سیّد خالد جامعی

(۱) رسالت مآب سے متعلق برہان کی اصل عبارت یہ ہے ''نبوت سے پہلے حضورؐ کی یہ حالت نہ ضلالت کی تھی اور نہ اسے ہدایت قرار دے سکتے ہیں''۔ غامدی، برہان، طبع ہشتم، جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۲۷۷: پہلا اصول

---

(۲) میزان میں غامدی صاحب ہدایت یافتہ ہونے کے لیے شریعت کی اتباع کے بجائے دوسرے پیمانے مقرر کرتے ہوئے لکھتے ہیں تمدن کی تبدیلی کے ساتھ شریعت تو بے شک تبدیل بھی ہوئی ہے لیکن ایمان اور عمل صالح اصل دین ہیں ان میں کوئی ترمیم و تغیر کبھی نہیں ہوا قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ جو شخص ان دونوں (ایمان اور عمل صالح) کے ساتھ اللہ کے حضور میں آئے گا اس کے لیے جنت ہے۔ غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۹۷: دوسرا اصول

غامدی صاحب کی شہادت کے مطابق جو میزان کے باب ایمانیات اور اخلاقیات میں موجود ہے۔ رسالت مآب نبوت سے پہلے اہل ایمان میں شامل تھے اور آپ کی زندگی عمل صالح کا نمونہ تھی لہٰذا آپ نبوت سے پہلے بھی ہدایت پر ہی تھے اس نقطۂ نظر کے تمام

دلائل ہم آپ کو میزان سے مہیا کریں گے جو غامدی صاحب کی انجیل ہے۔ غامدی صاحب کا پہلا اصول کہ رسالت مآب ؐ ہدایت یافتہ نہیں تھے۔ان کے دوسرے اصول کی نفی ہے۔

---

(۳) میزان میں لکھتے ہیں تمام بھلائیوں کا سر چشمہ دو ہی چیزیں ہیں ایک خدا کی یاد دوسری غریبوں کی ہمدردی: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء ص ۱۲۹: تیسرا اصول۔

رسالت مآب بھلائیوں کا سر چشمہ تھے خود غامدی صاحب نے میزان میں رسالت مآب میں ان تمام بھلائیوں کو نبوت سے پہلے بھی تسلیم کیا ہے لہٰذا غامدی صاحب کا پہلا اصول کہ رسالت مآب ؐ ہدایت یافتہ نہیں تھے ان کے تیسرے اصول کی نفی ہے۔

---

(۴) میزان میں لکھتے ہیں دین کی حقیقت اگر ایک لفظ میں بیان کی جائے تو قرآن کی اصطلاح میں وہ اللہ کی عبادت ہے اللہ اپنے بندوں سے عبادت چاہتا ہے۔عبادت اصل میں عاجزی و پستی ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۶۶: چوتھا اصول۔

اس میں کیا شک ہے کہ رسالت مآب عاجزی کا بے مثال نمونہ تھے نبوت سے پہلے آپ کی زندگی اور نبوت اور اقتدار کے بعد آپ کی تمام دعائیں جو میزان کے باب قانون عبادات میں درج ہیں اس عبادت فروتنی عاجزی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں لہٰذا غامدی صاحب کا پہلا اصول کہ رسالت مآب ہدایت یافتہ نہ تھے ان کے چوتھے اصول کی نفی ہے۔

---

(۵) غامدی صاحب کی شہادت ہے کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ سب ملت ابراہیمی کے احکام ہیں جن سے قرآن کے مخاطب (مشرکین مکہ/اہل کتاب) واقف بلکہ بڑی حد تک ان پر عامل تھے ابوذر غفاری رسول ؐ کی بعثت سے پہلے ہی نماز کے پابند تھے جمعہ کی اقامت، نماز جنازہ ،روزہ، زکوٰۃ، حج وعمرہ سب کا اہتمام ملت ابراہیمی (مشرکین مکہ/اہل کتاب) کے لوگ کرتے تھے حج میں چند بدعتیں داخل تھیں مگر ان کے (مشرکین مکہ/اہل کتاب) مناسک حج فی الجملہ وہی تھے جن کے مطابق یہ عبادت آج (اس وقت) ادا کی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ لوگ حج کی ان بدعتوں پر متنبہ تھے رسول ؐ نے بعثت سے پہلے جو حج کیا وہ قریش کی بدعتوں سے الگ رہ کر بالکل اسی طریقے پر کیا جس طریقے پر سیدنا

ابراہیمؑ کے زمانے سے حج ہمیشہ جاری رہا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء،ص ۴۶: پانچواں اصول۔

غامدی صاحب کے اس اصول سے یہ ثابت ہوا کہ رسالت مآب شریعت اسلامی پر نبوت سے پہلے بھی کامل عمل کرتے تھے نماز روزہ زکوٰۃ عمرہ حج سب آپ ادا کرتے تھے یہ تمام عبادات بدعات سے پاک تھیں ظاہر ہے یہ کام ایک ہدایت یافتہ فرد ہی کرسکتا ہے ایسے ہدایت یافتہ فرد کے بارے میں غامدی صاحب کا پہلا اصول کہ رسالت مآبؐ ہدایت یافتہ نہیں تھے البتہ ضلالت یافتہ بھی نہیں تھے [نعوذ باللہ] نہایت ضلالت اور گمراہی کی تحقیق ہے ایسی تحقیق میں وہ کمال رکھتے ہیں غامدی صاحب کا پہلا اصول کہ رسالت مآب ہدایت یافتہ نہیں تھے ان کے پانچویں اصول کی نفی کرتا ہے۔ دونوں اصول Oxymoron ہیں۔

---

(۶) غامدی صاحب لکھتے ہیں تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے اخلاق میں دوسروں سے اچھے ہیں قیامت کے دن آدمی کی میزان میں سب سے زیادہ بھاری چیز اچھے اخلاق ہی ہوں گے بندہ مومن وہی درجہ حسن اخلاق سے حاصل کر لیتا ہے جو کوئی شخص دن رات کے روزوں اور نمازوں سے حاصل کرتا ہے، غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۹۷، ۱۹۸: چھٹا اصول

تاریخ، سیرت، اشعار، احادیث اور کفار و مشرکین مکہ کی شہادتوں سے ثابت ہے کہ رسالت مآبؐ کے اخلاق مثالی تھے قرآن کے نصوص نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔ جو شخص اخلاق میں اس قدر معیاری مثالی عالی ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ہدایت یافتہ تو بالکل نہیں تھے محض دنائت ہے لہٰذا غامدی صاحب کا پہلا اصول کہ رسالت مآبؐ ہدایت یافتہ نہیں تھے ان کے چھٹے اصول کی نفی ہے۔

---

(۷) غامدی صاحب لکھتے ہیں دین کا مقصد قرآن کی اصطلاح میں تزکیہ ہے انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی آلائشوں سے پاک ہو اور فکر و عمل کو صحیح سمت میں نشو و نما دی جائے جنت صرف ان کے لیے ہے جو اس دنیا میں اپنا تزکیہ کر لیں۔ لہٰذا دین میں غایت اور مقصود کی حیثیت تزکیہ ہی کو حاصل ہے اور سارا دین اسی مقصود کو پانے اور اسی غایت کی رہنمائی کے لیے نازل ہوا ہے۔ ۔غامدی، ۲۰۱۵ء، ص ۷۷، ۷۸: ساتواں اصول۔

رسالت مآب کی نبوت سے پہلے کی زندگی جو چالیس سال کی حیات ہے تزکیہ کا مجسم نمونہ تھی آپ کے دشمن بھی اس کی شہادت

دیتے تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسالت مآب نبوت اور بعثت سے پہلے ہی ہدایت یافتہ تھے لہٰذا غامدی صاحب کا پہلا اصول کہ رسالت مآب ہدایت یافتہ نہیں تھے ایک باطل اصول ہے رسالت مآب کامل ہدایت یافتہ تھے جو شخص پوری دنیا کو ہدایت دینے کے لیے مبعوث کیا گیا ہو اس کی زندگی کے چالیس سال ہدایت سے محرومی میں بسر ہوئے ہوں وہ ضلالت میں کسی نہ کسی درجہ میں مبتلا ہوا ہو۔ یہ تصور، نظریہ ،عقیدہ، تحقیق، نقطۂ نظر، اسلوب، فکر، بدعت، جہالت اور ضلالت ہے بلکہ امت کی اجماعی علمیت کے نقطۂ نظر سے توہین رسالت ہے پاکستانی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملے کو نہایت توجہ سے دیکھے۔ غامدی صاحب کا پہلا اصول کہ رسالت مآب ہدایت یافتہ نہیں تھے ان کے ساتویں اصول کی کامل نفی ہے دونوں اصول Oxymoron ہیں۔

---

(۸) ایمان جب اپنی حقیقت کے اعتبار سے دل میں اترتا ہے تو دو چیزوں کا تقاضہ کرتا ہے (۱) عمل صالح، (۲) **تواصی بالحق اور تواصی بالصبر** یہ ایمان کے تقاضے ہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۷۴: <u>آٹھواں اصول</u>

نبوت سے پہلے رسالت مآب کی ساری زندگی عمل صالح اور **تواصی باالحق اور تواصی بالصبر، امر بالمعروف** اور نہی **عن المنکر** سے عبارت تھی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسالت مآب غامدی صاحب کے اصول نمبر آٹھ کے تحت نبوت سے پہلے ہی صاحب ایمان تھے اور ایمان کے دو بنیادی تقاضوں عمل صالح اور **تواصی بالحق اور تواصی بالصبر** پر کامل عمل پیرا تھے تو ایسے ہدایت یافتہ صاحب ایمان ہستی کے بارے میں یہ شک پیدا کرنا کہ وہ ہدایت یافتہ تو نہیں مگر ضلالت پر بھی نہیں تھے خود ضلالت اور جہالت کا اظہار ہے غامدی صاحب کا پہلا اصول کہ رسالت مآب ہدایت یافتہ نہیں تھے ان کے آٹھویں اصول کی نفی ہے۔

---

(۹) غامدی صاحب لکھتے ہیں نبی کی حیثیت سے وہی لوگ منتخب کیے جاتے ہیں جو نفس اور شیطان کی ترغیبات سے اپنے آپ کو بچاتے گناہوں سے محفوظ رہتے اور ہر لحاظ سے اپنی قوم کے صالحین واخیار ہوتے ہیں قرآن نے بہت سے پیغمبروں کے نام گِنا کر فرمایا ہے یہ سب صالحین میں سے تھے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۸: <u>اصول نمبر نو</u>

قرآن نے شہادت دے دی کہ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ [۶:۸۵] تمام انبیاء صالحین میں سے تھے تو صالحین خود ہدایت یافتہ ہوتے ہیں یہ قرآن کی شہادت ہے کسی ایرے غیرے کی شہادت نہیں ہے اس شہادت کے بعد غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ رسالت مآب ہدایت یافتہ نہ تھے قرآن کی نص کا انکار ہے جو قرآن کی نص کا منکر ہے اس کا دین میں کیا مقام ہے یہ اہل علم جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں میرے محترم غامدی صاحب بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ رسالت مآب صالحین میں شامل تھے نبوت سے پہلے ہی وہ ہدایت یافتہ تھے ان کے بارے میں غامدی صاحب کا یہ اصول کہ رسالت مآبؐ نبوت سے پہلے ہدایت یافتہ نہیں تھے اسلام کی اہانت ہے غامدی صاحب کا پہلا اصول ان کے نویں اصول کی نفی کر رہا ہے۔ میزان میں وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ نبوت سے پہلے انبیاء کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس سلسلے میں انہوں نے حضرت یوسف اور حضرت آدمؑ کا ذکر کیا لکھتے ہیں:

قرآن نے بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر فرمایا ہے یہ سب صالحین میں سے تھے وَاذۡكُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ اُولِى الۡاَيۡدِىۡ وَالۡاَبۡصَارِ ...... اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ بِخَالِصَةٍ ذِكۡرَى الدَّارِ ...... وَاِنَّهُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ الۡمُصۡطَفَيۡنَ الۡاَخۡيَارِ ...... وَاذۡكُرۡ اِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَذَا الۡكِفۡلِ وَكُلٌّ مِّنَ الۡاَخۡيَارِ [۳۸:۴۵ تا ۴۸] پھر اس تقوی اور احتیاط کے صلے میں اللہ ان کی حفاظت بھی فرماتا ہے سیدنا یوسفؑ کو جو معاملہ عزیز مصر کی بیوی سے پیش آیا، اس سے صاف واضح ہے کہ نبوت سے پہلے بھی اگر کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے جس میں (نبی کا) اپنے آپ کو محفوظ رکھنا آسان نہ ہو تو اللہ تعالیٰ خاص اپنی برہان سے ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔ یہ برہان وہی نور یزدانی ہے جو خدا بخشتا تو ہر ایک کو ہے لیکن سنت الہی یہ ہے کہ جو لوگ اس کی قدر کرتے اور زندگی کے نشیب و فراز میں اس کی رہنمائی کو آگے بڑھ کر قبول کرتے ہیں ان کے اندر یہ اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ اس طرح نازک موقعوں پر ان کے باطن میں مہ و آفتاب کی طرح چمکتا اور ظلمتوں کے تمام پردے آنکھوں کے سامنے سے ہٹا کر انھیں راہ ہدایت پر پابرجا کر دیتا ہے [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۸، ۱۳۹] غامدی صاحب نے یہاں انبیاء کی عصمت کی الہی حفاظت کی تعمیم کر کے اسے تمام انسانوں کے لیے لازم کر دیا ہے جو صریحاً گمراہی ہے انبیاء کی حفاظت کا معاملہ عام انسانوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کی جس لغزش کا ذکر قرآن میں ہوا ہے اس سے کسی شخص کو اس باب میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن نے اس کے لیے عصیان کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن قرآن ہی میں اللہ تعالیٰ نے صراحت فرما دی ہے کہ اس کا سبب

ان کا نسیان تھا۔اس سے واضح ہے کہ یہ نافرمانی جانب نفس میں نہیں ہوئی اور نہ اس کا ارتکاب انھوں نے بالا رادہ کیا ہے۔

پھر اپنی اس لغزش پر وہ قائم بھی نہیں رہے۔ بلکہ سخت نادم ہوئے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے کمال عنایت سے ان کی توبہ قبول کر کے انھیں نبوت کا منصب عطا کر دیا۔[میزان ۲۰۱۵ء،ص ۱۳۹]

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ غامدی صاحب کو اتنا ہوش بھی نہیں ہے کہ وہ قرآن کی نصوص سے میزان میں خود ثابت کر رہے ہیں کہ پیغمبر نبوت سے پہلے ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں اور خود ہی برہان میں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ پیغمبر نبوت سے پہلے ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔[برہان ۲۰۱۳ء،ص ۲۷۷]

حیرت ہے کہ غامدی صاحب کو یہ بھی احساس نہیں ہے کہ برہان میں وہ پیغمبروں سے متعلق ایک باطل اصول بیان کر رہے ہیں اور میزان میں آٹھ ایسے سچے اصول بیان کر رہے ہیں جو برہان کے اصول کی نفی ہیں۔غامدی صاحب کا برہان میں پیش کردہ پہلا اصول کہ رسالت مآب نبوت سے پہلے ہدایت یافتہ نہ تھے میزان میں بیان کردہ ان کے دیگر آٹھ اصولوں کے منافی ہے یعنی ان کے اصول ہی Oxymoron ہیں جس فرد کے اصول ہی صداقت کے پیمانے پر نہیں اترتے اس شخص سے کیا دین اخذ کیا جا سکتا ہے؟ ☆

قلم تحریر اور کتاب کے فن سے متعلق غامدی صاحب کے متناقض Oxymoron افکار کا جائزہ

نبیوں رسولوں اور کتابوں سے متعلق غامدی صاحب کی تحقیق قرآن کے نصوص کا انکار ہے

کیا میرے محترم غامدی صاحب دنیا میں تحریر اور مخطوطات و مسودات کی تاریخ سے بھی ناواقف ہیں؟

تورات سے پہلے کسی نبی نے دین کی دعوت قلم و کتاب سے پیش نہیں کی: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۷۴

لکھنے پڑھنے کا فن ایجاد ہونے کے بعد انبیاء نے اپنی دعوت قلم اور کتاب سے پیش کی: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۷۴

حضرت آدم سے لے کر حضرت موسیٰ سے پہلے تک قلم، تحریر اور پڑھنے کا فن ایجاد نہیں ہوا تھا: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۷۴

حضرت آدم سے لے کر تورات کے نزول سے پہلے تک تمام انبیاء اور ان کی امتیں قلم کتاب سے یعنی لکھنے پڑھنے کے فن سے ناآشنا تھیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۷۴

لکھنے پڑھنے کا فن ایجاد ہوا تو تب تورات زبور انجیل اور قرآن کو نازل کیا گیا: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۷۴

حضرت موسیٰ سے پہلے تک تمام انبیاء ان پڑھ معاشروں میں روایتوں اور زبانی طریقوں سے دعوت دین پھیلاتے تھے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۷۴

اللہ نے ہر قوم میں اپنے نبی بھیجے اللہ نے آدمؑ سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی ذریت کی رہنمائی کے لیے وہ خود اپنی طرف سے ہدایت نازل کرے گا نبیوں کے ذریعے سے انسانوں کے لیے ہدایت نازل کی گئی وہ آسمان سے وحی پا کر لوگوں کو حق بتاتے تھے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۲۶

بائبل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں کسی نہ کسی صورت میں تمام پیغمبروں کو دی گئیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۱

جس طرح اللہ نے انسان کی ہدایت کے لیے نبی بھیجے اسی طرح اللہ نے ان کے ساتھ اپنی کتابیں بھی نازل کی ہیں تا کہ خدا کی ہدایت خود اس کے الفاظ میں لوگوں کے پاس موجود رہے تا کہ حق و باطل کے لیے یہ میزان قرار پائے لوگ اس کے ذریعے سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کر سکیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۱

قرآن نے خود بتایا کہ صحائف کی دو قسمیں ہیں (۱) صحف اولیٰ، (۲) صحف ابراہیم و موسیٰ صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى [۱۸:۸۷]

قرآن کی نص سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء پر کتابیں نازل ہوتی رہیں۔ حضرت ابراہیم سے پہلے حضرت نوح آ چکے تھے قرآن بتاتا ہے کہ ان پر بھی کتاب نازل کی گئی

اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر کتابیں نازل ہوتی رہیں خدا کی گواہی کو جاننے کا ذریعہ یہی کتابیں ہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۰۱

نبیوں اور رسولوں کے ساتھ اللہ نے بالعموم اپنی کتابیں بھی نازل فرمائی ہیں ان کے نزول کا مقصد قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے کہ حق و باطل کے لیے یہ میزان قرار پائیں تاکہ ان کے ذریعے سے لوگ اپنے اختلافات کا فیصلہ کرسکیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۷۱ —— کتابیں اس لئے نازل کی گئیں کہ ان کے بغیر لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ ممکن نہ تھا:

فرشتے نبیوں پر اللہ کے حکم کی وحی اتارتے ہیں وہ نبیوں پر وحی نازل کرتے ہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۲۱

قرآن کی سورۂ نساء میں آتا ہے کہ ہم نے اے پیغمبر تمہاری طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف کی تھی۔ ہم نے ان رسولوں کی طرف بھی وحی بھیجی جن کا ذکر ہم تم سے پہلے کر چکے ہیں اور ان رسولوں کی طرف بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا [النساء: ۱۶۳ تا ۱۶۵]۔ [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۲۵] قرآن تصدیق کرتا ہے کہ نوحؑ سے لے کر موسیٰؑ تک بھی تمام انبیاء پر کتاب وحی نازل کی گئی ان کے معاشروں اور تہذیبوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا۔

سورۂ بقرہ اور الحدید میں اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں کے ساتھ بالعموم ہم نے اپنی کتابیں نازل کی ہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۷۱

قرآن جس طرح تورات و انجیل کا ذکر کرتا ہے اسی طرح صحف ابراہیم کا ذکر بھی کرتا ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۱ —— واضح رہے کہ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ سے پہلے آئے تھے یعنی انبیاء پر کتابیں حضرت موسیٰ سے پہلے بھی نازل ہوتی رہیں لہٰذا انبیاء پر نزول کتاب سے متعلق غامدی صاحب کے تمام دعوے Oxymoron ہیں

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور

سیّد خالد جامعی

میرے محترم غامدی صاحب صرف اسلامی علمیت ہی نہیں۔ تاریخ، فنون، فن تحریر وغیرہ کے بارے میں ایسے ایسے خیالات کا اظہار کرتے ہیں جو علمی دنیا کے لیے کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہیں تحریر کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے اس موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں ہمارے علمی رسالے جریدہ کے کئی شماروں میں اس موضوع پر بہت کچھ شائع کیا جا چکا ہے لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت والا تو فن تحریر اور فن خواندگی کے مباحث پڑھنے کے لیے کبھی وقت نہیں نکال سکے۔ کاش کہ وہ کبھی انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا یا انسائیکلو پیڈیا امریکانا ہی دیکھ لیتے۔ انٹرنیٹ اور فیس بک کی دنیا سے تو ان کا پورا حلقہ بخوبی واقف ہے اگر وہ وکی پیڈیا جیسے انسائیکلو پیڈیا سے رجوع کرتے تو اس بارے میں کچھ نہ کچھ اہم باتیں انھیں معلوم ہو جاتیں لیکن تبلیغ تعلیم تدریس کی مصروفیات کے باعث وہ توجہ نہ فرما سکے۔

میزان کے قانون دعوت میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے تمام انبیاء کی تمام امتیں تمام تہذیبیں اور تاریخ انسانی

قلم تحریر اور کتاب سے نا آشنا تھیں لہٰذا انبیاء صرف زبانی کلامی دعوت دیتے تھے۔ یہ دعویٰ بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے ہے دنیا کی ہر تہذیب میں تحریر کا سراغ ملتا ہے۔ موہنجو دڑو، ہڑپہ، ٹیکسلا، یونان، عراق کی تہذیب میں بھی تحریر کا فن موجود تھا حیرت ہے کہ غامدی صاحب نے اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر دیا۔ اپنے اس غیر علمی دعوے کی تقریر کرتے ہوئے میزان کے قانون دعوت میں لکھتے ہیں

<u>لکھنے پڑھنے کا فن ایجاد ہوا تو آسمانی کتابوں کا نزول شروع ہوا: غامدی</u>

حضرت موسیٰ سے پہلے نبیوں پر کتابوں کا نزول نہیں ہوتا تھا: غامدی

<u>دعوت کے طریقے</u>: پانچویں چیز یہ ہے کہ داعی کو دعوت کے کسی ایک ہی طریقے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے —— بلکہ بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے وہ سب طریقے اختیار کرنے چاہئیں جو اُس کے زمانے میں اس مقصد کے لیے مفید اور موثر ہو سکتے ہوں۔ نبیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیجیے تو یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ اس معاملے میں ہمیشہ حالات و زمانہ ہی کی رعایت ملحوظ رہی ہے۔ لوگ جب پڑھنے لکھنے کے فن سے ناواقف تھے تو اللہ کے نبیوں نے زبانی تلقین کا طریقہ اختیار کیا اور ان کی باتیں روایتوں کی صورت میں نسلاً بعد نسل ان کے ماننے والوں میں منتقل ہوتی رہیں۔ دعوت اس دور میں صرف شخصی رابطوں زبانی اظہار و بیان اور سامعین کے دماغوں میں اس کی حفاظت کی صلاحیت پر مبنی ہوتی تھی لیکن جب لکھنے پڑھنے کا فن ایجاد ہوا تو انبیاء نے بھی اپنی دعوت قلم اور کتاب کے ذریعے سے پیش کی۔ تورات و زبور انجیل اور قرآن یہ سب کتابیں اسی دور میں نازل ہوئی ہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۷۴

<u>تورات سے پہلے بھی تمام انبیاء پر کتابیں نازل کی گئیں: القرآن</u>

حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، ہودؑ، صالحؑ پر کتابیں نازل ہوئیں: القرآن

غامدی صاحب کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ تورات سے پہلے انبیاء کی قومیں اور تہذیبیں لکھنے پڑھنے کے فن سے نا آشنا تھیں اور انبیاء انھیں دعوت کتاب کی بنیاد پر نہیں دیتے تھے علم دین کی تدریس و تبلیغ کا ذریعہ صرف شخصی رابطے اور زبانی اظہار اور حافظہ تھا [میزان ص ۵۷۴]۔ صحف اولیٰ کا ذکر قرآن میں ہے اور قرآن میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں کا ذکر ہے **اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی. صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی** [۸۷:۱۷۔۱۸] صحف اولیٰ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کے صحیفے ہیں۔ جب قرآن حضرت ابراہیم سے پہلے صحف اولیٰ کی شہادت دے رہا ہے اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں کا ذکر کر رہا ہے تو غامدی صاحب کا یہ دعویٰ کہ تورات سے پہلے

لکھنے پڑھنے کا فن ایجاد نہیں ہوا تھا[میزان ۲۰۱۵ ص ۵۷۴] محض ایک دعویٰ ہے جس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہے نہ کوئی حوالہ۔ قرآن کے مقابلے پر اس دعوے کی کوئی حیثیت نہیں۔ تورات سے پہلے اور حضرت نوح سے پہلے بھی کتابیں نازل ہوئیں پہلے انسان اور پہلے پیغمبر حضرت آدم بھی اللہ کی ہدایات وحی الٰہی کی روشنی میں ہی امت کی رہنمائی کرتے تھے سورہ اعراف میں اس کا ذکر ہے قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰی [۲۰:۱۲۳]، قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْن[۲:۳۸]

یہی بات سورۂ نساء میں کہی گئی اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰی وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا[۴:۱۶۳] وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِيْمًا ...... رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا [۴:۱۶۳ تا ۱۶۵] سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۳ اور سورہ الحدید کی آیت ۲۵ میں تمام نبیوں اور رسولوں کے ساتھ کتاب کے نازل کرنے کا ذکر موجود ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَ اللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [۲:۲۱۳]، لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ [۵۷:۲۵] غامدی صاحب نے البیان کے ترجمے میں اور میزان کے باب ایمانیات میں البقرہ اور الحدید کی آیات کا وہی مطلب بتایا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۱]

سورۂ آلِ عمران میں بھی یہی بات کہی گئی ہے وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا

وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ...... فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۳:۸۱،۸۲]، فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ[۳:۱۸۴]،

غامدی صاحب نے البیان میں آل عمران کی آیت ۱۸۴ کا ترجمہ کیا ہے بہت سے رسول تم سے پہلے بھی اسی طرح جھٹلائے گئے ہیں جو کھلی ہوئی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے [غامدی البیان جلد اول لاہور المورد طبع دوم جنوری ۲۰۱۴ء، ص ۴۳۰] یہ ترجمہ خود غامدی صاحب کے اس مفروضے کی نفی کر رہا ہے کہ تورات سے پہلے انبیاء کتاب کے بغیر کام چلاتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ تو سامی سلسلہ پیغمبر کے جدامجد ہیں تو تورات سے پہلے صحیفہ ابراہیمی نازل ہوئے تو یہ قرآن کی نص سے ثابت ہوگیا کہ حضرت موسیٰ سے پہلے کی اقوام بھی قلم، کتاب، فن تحریر سے واقف تھیں ورنہ حضرت ابراہیمؑ پر غامدی صاحب کے اصول کے تحت کبھی کتاب نازل نہ ہوتی قرآن نے لکھا ہے کہ حضرت نوحؑ کی تابعداری کرنے والوں میں ابراہیم بھی تھے وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ [۳۷:۸۳] حضرت نوح پر بھی کتاب اللہ نازل ہوئی تھی وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَ تَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ [۱۰:۷۱] اور ہم نے نوح پر وحی نازل کی وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ [۱۱:۳۶] قرآن سورہ نساء میں صاف صاف لکھتا ہے کہ اے پیغمبر ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف کی گئی اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا[۴:۱۶۳] یعنی واضح کردیا گیا کہ حضرت نوح پر بھی کتاب نازل ہوئی اور حضرت نوحؑ کے بعد آنے والے تمام انبیاء پر بھی کتاب کا نزول ہوتا رہا۔ حضرت ہودؑ بھی کتاب اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ[۷:۶۸] حضرت ہودؑ نے وحی الہٰی کتاب اللہ اپنی قوم تک مکمل طریقے سے پہنچادی تھی فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ [۱۱:۵۷] حضرت صالحؑ پر بھی کتاب اللہ نازل کی گئی قَالَ

الْـمَلَاُ الَّـذِیْـنَ اسْتَـكْبَـرُوْا مِـنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ [۷:۷۵] قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ [۷:۷۶] ءَ اُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُـوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ [۵۴:۲۵]فَتَـوَلّٰـی عَـنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْـلَـغْتُـكُـمْ رِسَـالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ[۷:۷۹]

سورۂ نساء کی آیات اِنَّـاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْکَ کَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا...... وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْکَ وَ کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ...... رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ کَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا [۴:۱۶۳تا۱۶۵]تو بالکل واضح طور پر ثابت کر دیتی ہیں کہ اللہ نے ہر نبی اور ہر پیغمبر پر وحی بھیجی ان میں سے کچھ کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے اور کچھ کا ذکر نہیں کیا سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۳ اور سورہ الحدید ۲۵ میں بھی اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ ہم نے تمام نبیوں اور تمام رسولوں پر اپنی اپنی کتابیں نازل کیں غامدی صاحب نے میزان میں ان آیات کا یہی مطلب بتایا ہے اور یہی ترجمہ کیا ہے غامدی صاحب میزان کے باب ایمانیات میں تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ نے تمام نبیوں کے ساتھ کتابیں نازل کیں اس میں پہلے اور بعد والے انبیاء میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔

<u>بائیبل بتاتی ہے کہ کتابیں تمام پیغمبروں کو دی گئیں: غامدی</u>

تمام نبیوں کے ساتھ کتابیں بھی نازل کی گئیں: غامدی

میزان میں لکھتے ہیں:

انسان کی ہدایت کے لیے جس طرح نبی بھیجے گئے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اپنی کتابیں بھی نازل کی ہیں۔ یہ کتابیں اس لیے نازل کی گئیں کہ خدا کی ہدایت لکھی ہوئی اور خود اس کے الفاظ میں لوگوں کے پاس موجود رہے تا کہ حق و باطل کے لیے یہ میزان قرار پائے، لوگ اس کے ذریعے سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کر سکیں اور اس طرح دین کے معاملے میں ٹھیک انصاف پر قائم ہو جائیں۔ ارشاد

فرمایا ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [البقرہ۲:۲۱۳] ''اوران (نبیوں) کے ساتھ قول فیصل کی صورت میں اپنی کتاب نازل کی تا کہ لوگوں کے درمیان وہ ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دے''۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ [الحدید۵۷:۲۵] ''اوران (رسولوں) کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب یعنی (حق و باطل کے لیے) میزان نازل کی تا کہ (اس کے ذریعے سے) لوگ (دین کے معاملے میں) ٹھیک انصاف پر قائم ہوں''۔

اس وقت جو مجموعۂ صحائف بائبل کے نام سے موجود ہے اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں کسی نہ کسی صورت میں تمام پیغمبروں کو دی گئیں۔ قرآن جس طرح تورات وانجیل کا ذکر کرتا ہے۔ اسی طرح صحف ابراہیم کا ذکر بھی کرتا ہے۔ اس کی تائید بقرہ وحدید کی ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے جو اوپر نقل ہوئیں۔ [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۱]

امین احسن اصلاحی نے اپنے ترجمہ قرآن میں سورہ نساء کی آیت ۱۶۴ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے اور (دوسرے بھی بہت سے) رسولوں پر (وحی بھیجی) جن کا حال تم کو سنا چکے ہیں اور بہت سے رسولوں کا حال نہیں سنایا اور موسیٰ سے تو اللہ نے کلام کیا (امین احسن اصلاحی قرآن حکیم اخذ وتلخیص خالد مسعود فاران فاؤنڈیشن ص ۱۶۸) لیکن غامدی صاحب کی تحقیق یہ بھی ہے کہ لکھنے پڑھنے کا فن ایجاد ہونے کے بعد انبیاء نے اپنی دعوت قلم وکتاب سے پیش کی تورات زبور انجیل اور قرآن یہ سب کتابیں اسی دور (لکھنے پڑھنے کا فن ایجاد ہونے والے دور میں) نازل ہوئی ہیں [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۴۷۵] غامدی صاحب کی یہ تحقیقات Oxymoron ہیں۔

<u>غامدی صاحب کے متضاد افکار کا اصل پس منظر</u>

قرآن کے نصوص شہادت دے رہے ہیں کہ تمام انبیاء کے معاشرے کتاب سے آشنا تھے یعنی قلم، تحریر وغیرہ ان معاشروں کے

لئے کوئی اجنبی چیز نہ تھی غامدی صاحب اور تمام جدیدیت پسندوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ علم کو صرف مطبع ،مطبوعہ کتاب، کتب خانے، تحقیق، ادارے اور یونیورسٹی سے مشروط سمجھتے ہیں جبکہ تاریخ انسانی میں علم کے حصول کے بے شمار طریقے رہے ہیں ان میں قلم تحریر کتاب بھی ایک طریقہ ہے دنیا کی تمام تہذیبوں میں علم کی سب سے مسلمہ حقیقی روایت زبانی روایت [Oral Tradition] ہے۔علم سند سے حاصل کیا جاتا تھا اسی لیے اصول یہ بیان کیا گیا کہ **الاسانید من الدین** حدیث کی روایت بھی اسی اصول پر ہوتی ہے یہ علم کی سب سے اعلیٰ روایت ہے یہ علم قلم بند بھی کیا جا سکتا تھا۔

رسالت مآب نے دین کا علم کتاب پڑھ کر نہیں اپنے قلب پر نازل کتاب کو حفظ کر کے اور زندگی اس کے مطابق بسر کر کے اس کتاب کا کامل علم کامل تشریح کے ساتھ امت تک منتقل کیا اس کتاب کی تشریح و تفہیم و تبیین اللہ تعالیٰ نے خود رسالت مآب کے لیے کی [میزان ۲۰۱۵ء،ص ۴۸] اصل علم سائنس وٹیکنالوجی یا علوم عقلیہ نہیں علوم الٰہیات ہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم امت مسلمہ کے ہی نہیں پوری دنیا کے سب سے بڑے عالم تھے سب سے بڑا عالم وہی ہے جو اس کائنات کی سب سے بڑی ہستی سے واقف ہو اس کا خوف بھی رکھتا ہو اس کی منشاء اور شریعت کے مطابق زندگی بھی بسر کرتا ہو اور جس کی صحبت میں بیٹھ کر ہر شخص کو دنیا کی ہر شے حقیر نظر آئے دنیا کی محبت دل سے نکل جائے اور آخرت کی محبت آخرت کا خوف ہر شے پر غالب آ جائے وہ قرآن کی حقیقت جانتے تھے اس کا علم اللہ نے انھیں عطا کیا تھا قرآن انہیں حفظ تھا قرآن کو تحریر میں پڑھنے کی ضرورت نہ تھی امی وہ نہیں ہے جو کتاب نہیں پڑھ سکتا حقیقی امی وہ ہوتا ہے جو علوم نقلیہ سے ناواقف ہو اس پر ایمان نہ لائے اسے غیر اہم سمجھے اور سرسید،عبدہ، افغانی کی طرح علوم عقلیہ کو علوم نقلیہ کے برابر سمجھے یا علوم نقلیہ پر اسے فوقیت دے۔رسالت مآب کی امیت کے ذریعے دنیا کو یہی پیغام دیا گیا ہے عالم وہی ہے جو علم آخرت کو اس کی حقیقت و معنویت کے ساتھ جانتا ہے جو یہ علم نہیں جانتا وہ جاہل ہے لہٰذا جاہلوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی امیؐ سے علم حاصل کریں جو حقیقت میں خاتم الانبیاء ہیں اور جاہلیت خالصہ کے نمائندے اصل میں وہی ہیں جو خود کو عالم اور رسول عربیؐ کو محض امی سمجھ رہے ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فن تحریر سے ناواقف ہونے کے باوجود علوم نقلیہ کے حقیقی حامل تھے حضرت عیسیٰؑ کے بعد علم حقیقی کامل صورت میں ان سے شروع ہوا اور ان ہی پر ختم ہوگیا اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا عصر حاضر کا سادہ لوح انسان اسیر تاریخ [Prisioner of history] ہے وہ اپنے زمان ومکان کا قیدی ہے لہٰذا وہ اس سے ماورا ہو کر سوچ ہی نہیں سکتا حقیقت،سچائی،الحق

،الخیر،ماورائے زمان ومکان وتاریخ[Meta historical] ہوتے ہیں لہٰذا ہمیں اپنے حاضر وموجود سے بلند ہوکر سوچنا چاہیے۔غامدی صاحب ماضی کومغرب کی تین سوسالہ علمی ترقی کی روشنی میں پرکھنا چاہتے ہیں لہٰذا ٹھوکر کھاتے ہیں اور مغرب کی اتباع میں اٹھارہویں صدی سے پہلے کے تمام معاشروں تہذیبوں زمانوں کوقرن مظلمہ [Dark Ages] میں گرفتار معاشرے سمجھ کر وہاں قلم تحریر کتاب علم کے وجود کا انکار کردیتے ہیں بس انبیاء کے وجود کا انکار نہیں کرتے۔

المیہ یہ ہے کہ جدید انسان جو سیکولر تعلیمی نظام کے سانچے اور ڈھانچے سے برآمد ہوا ہے اور پہلی جماعت سے مذہب سائنس کی تعلیم حاصل کرتے کرتے دنیا کے ہر مسئلے کو وہ علت ومعلول[Cause & effect] کے قانون کے تحت حل کرنے کا خوگر ہو چکا ہے لہٰذا یہ جدید انسان [Modren Man] اپنے عہد کی تاریخ [Present History] کی روشنی میں اپنے ماضی اور اپنی پندرہ سوسالہ تاریخ[Privious History] کی شرح ووضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے صحیح رویہ یہ ہے کہ اپنے ماضی کی روشنی میں عہد حاضر اور اپنے حال کی تصویر تیار کی جائے اور اس کے ذریعے اپنا مستقبل تعمیر کیا جائے جدیدیت پسند مفکرین کا معاملہ بالکل مختلف ہے ۔اس کی نمائندہ ترین مثال غامدی صاحب کی ہے۔

<u>خدا کی گواہی کو جاننے کا واحد ذریعہ اس کی نازل کردہ کتابیں ہیں:غامدی</u>

اللہ کی کتابیں رسولوں اور نبیوں سے نسل انسانی کو ملتی رہی ہیں:غامدی

غامدی صاحب میزان میں ہی تسلیم کرتے ہیں کہ تمام انبیاء ورسل پر کتابیں نازل ہوئیں اور ان کے ذریعے انسانیت کو منتقل ہوتی رہیں لکھتے ہیں۔قرآن نے اپنے مخاطبین سے ایک سے زیادہ مقامات پر مطالبہ کیا ہے کہ عقل ونقل سے اس کی دلیل پیش کرسکتے ہو تو ضرور کرو۔خدا کا کوئی شریک ہے یا نہیں،اس کے لیے اصلی گواہی خود خدا ہی کی ہوسکتی ہے۔اور خدا کی گواہی کو جاننے کا واحد ذریعہ اس کی نازل کردہ کتابیں اور وہ روایات و آثار ہیں جو اس کے نبیوں اور رسولوں سے نسلاً بعد نسل انسانیت کو منتقل ہوئے ہیں۔[غامدی،میزان،۲۰۱۵ء،ص۱۰۱]

<u>ہر قوم کے نبی پر آسمان سے کتاب نازل کی گئی:غامدی</u>

یہ نبی ہر قوم کی طرف بھیجے گئے۔اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی ذریت کی رہنمائی کے لیے وہ خود اپنی طرف

سے ہدایت نازل کرے گا۔ یہ ہدایت انھی نبیوں کے ذریعے سے نبی آدم کو دی گئی۔ وہ آسمان سے وحی پا کر لوگوں کو حق بتاتے ——— قرآن نے ایک جگہ فرمایا ''اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو'' (فاطر ۳۵:۲۴)۔ [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۲۶]

<u>اللہ کی طرف سے تمام رسولوں پر کتابیں نازل کی جاتی رہیں: غامدی</u>

نزول کتاب کے بغیر تنازعات واختلافات کا فیصلہ ناممکن تھا: غامدی

نبیوں اور رسولوں کے ساتھ اللہ نے بالعموم اپنی کتابیں بھی نازل فرمائی ہیں۔ ان کے نزول کا مقصد قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے کہ حق و باطل کے لیے یہ میزان قرار پائیں تا کہ ان کے ذریعے سے لوگ اپنے اختلافات کا فیصلہ کر سکیں اور اس طرح حق کے معاملے میں ٹھیک انصاف پر قائم ہو جائیں۔ وَ اَنۡزَلَ مَعَھُمُ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ فِیۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ (البقرہ ۲:۲۱۳)، وَاَنۡزَلۡنَا مَعَھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ (الحدید ۵۷:۲۵) ''اور ان (نبیوں) کے ساتھ اپنی کتاب نازل کی قول فیصل کے ساتھ تا کہ لوگ جن چیزوں میں اختلاف کر رہے تھے ان کے درمیان یہ ان کے بارے میں فیصلہ کر دے''۔ ''اور ان (رسولوں) کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب یعنی (حق و باطل کے لیے) میزان نازل کی تا کہ (اس کے ذریعے سے) لوگ حق کے معاملے میں ٹھیک انصاف پر قائم ہوں''۔ نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا ہے۔ آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد وحی والہام کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اور نبوت ختم کر دی گئی ہے۔ [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۷۱]

غامدی صاحب کے یہ تمام بیانات Oxymoron ہیں ایک ہی موضوع، ایک ہی بات اور ہی سوال کے جواب میں ایک ہی کتاب میزان کے اندر۔ ان کے تین مختلف اور متضاد تحریری جوابات اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ امام زہری کی طرح ایک ہی چیز کے تین مختلف اور متضاد جوابات دیتے ہیں [میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۱] اس عیب کی بنیاد پر غامدی صاحب امام زہری سے منقول تمام روایتوں کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ میزان میں لکھتے ہیں امام زہری علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق تین طرح کے جوابات دیتے ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نقیض [Oxymoron] ہوتا ہے اس لیے امام زہری کی کوئی بھی روایت اس طرح کے معاملات میں قابل قبول نہیں ہوسکتی [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۱، ۳۲]۔ امام زہری تو تین مختلف لوگوں کو تحریری طور پر مختلف جوابات دیتے تھے غامدی صاحب کا کمال تو یہ ہے کہ وہ اپنی ایک ہی کتاب میزان میں ایک ہی چیز کے کئی کئی مختلف جوابات دیتے ہیں اور ہر جواب دوسرے

جواب کا نقیض [Oxymoron] ہوتا ہے ان معنوں میں غامدی صاحب امام زہریؒ سے بھی کمتر حیثیت کے راوی ہیں جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ میزان کے پہلے باب میں کیا لکھ رہے ہیں اور بارہویں باب میں کیا فرما رہے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ غامدی صاحب صرف خطابت کرتے ہیں ۱۹۷۵ء سے وہ صرف تقریریں کر رہے ہیں ان کے شاگردان کی تقریریں مرتب کر دیتے ہیں جنھیں وہ تصحیح و اضافے کے بعد شائع کر دیتے ہیں میزان ان کے خطبات کا مجموعہ ہے اور خطیب کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ جوش خطابت میں پچھلے خطبے میں کیا کہہ چکا ہے غامدی صاحب کے یہ خطبات ۱۹۷۵ء سے کتابچوں کی صورت میں شائع ہوتے رہے اکثر کتابچے ہمارے پاس محفوظ ہیں غامدی صاحب نے ۲۰۰۷ء میں ان کتابچوں کو آخری شکل دی مگر خطابت صرف خطابت ہے وہ اپنے حشو و زوائد سے بلند نہیں ہوسکتی۔ غامدی صاحب کا یہ اصول کہ ایک ہی چیز کے تین مختلف اور متضاد [Oxymoron] جوابات دینے والے راوی کی روایات قابل قبول نہیں ہوسکتیں [میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۱] خود ان کے لئے بھی حجت ہے کیونکہ قانون عبادات میں انہوں نے صراحتاً لکھا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا یہ اس کے لئے جائز نہیں چنانچہ قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے [میزان ۲۰۱۵ ص ۳۶۶]

اس اصول کی روشنی میں میرے محترم غامدی صاحب کا کیا مرتبہ متعین ہوتا ہے میں ان کے ادب و احترام کے باعث اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا غامدی صاحب کی خدمت میں ان کے ہی اصول نہایت ادب سے فیصلے کے لئے پیش خدمت ہیں جو ان کے لیے حجت ہیں امید ہے کہ غامدی صاحب نہایت عدل کے ساتھ اپنے اصولوں کی روشنی میں خود اپنا فیصلہ فرمائیں گے خواہ یہ فیصلہ خود ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

☆

قربانی کے بارے میں غامدی صاحب کے متناقض[Oxymoron]افکار کا جائزہ

نفل عبادت کی قبولیت کے لیے فرائض کی ادائیگی ضروری ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۲۵

غامدی صاحب کے اس اصول کے تحت کسی مسلمان کی نفل قربانی کی عبادت اس وقت تک قبول نہیں ہوسکتی جب تک وہ فرض نماز ادا نہ کرے تو بے نمازی مسلمان اس سال قربانی کریں یا نہ کریں؟

اپنی تحقیقات سے غامدی صاحب نے قربانی کی اصطلاح کو بھی متنازعہ بنادیا

گائے اور اونٹ کی قربانی میں دس لوگ بھی حصہ لے سکتے ہیں: غامدی: میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۴

قربانی کو (۱) نذر کہتے ہیں قربانی (۲) نفل ہے قربانی (۳) سنت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۰، ۴۱۴، ۴۰۲ یعنی نذر کو سنت کہتے ہیں اور سنت کو نفل کہتے ہیں سب مترادف اصطلاحات ہیں

قربانی اللہ کی راہ میں ہماری موت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۰

خصی اور خراب عمر کے جانور کی قربانی نہیں ہوسکتی غامدی صاحب نے اپنے اس اصول کی تقریر میزان میں اس طرح کی ہے

قربانی کا جانور بے عیب اور اچھی عمر کا ہونا چاہیے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۳

غامدی صاحب نے حضرت ابراہیمؑ کے خواب اور حضرت اسمٰعیلؑ کے جواب کی تقریر اپنی کتاب میں جس طرح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''حضرت ابراہیمؑ نے خواب کی غلط تعبیر کی خواب میں بیٹے کو قربان کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے اللہ کی نذر کر دو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے زمین پر لٹا کر ذبح کر دو حضرت ابراہیمؑ خواب کا مطلب ہی نہیں سمجھے'': غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۱

خواب کا مطلب اللہ کے دو عظیم پیغمبر بے چارے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ تو نہیں سمجھ سکے مگر اکیسویں صدی کے جلیل القدر مفکر غامدی صاحب سمجھ گئے۔ خواب کی تاویل وتعبیر کا علم پیغمبر کو تو نہیں حاصل ہوتا مگر غامدی صاحب جیسے مفکر کو کوالالمپور میں عقل، منطق، فلسفے سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے

میرے محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

دینی اصطلاحات کے بارے میں پہلے میرے محترم غامدی صاحب کے دو بنیادی اصول پڑھیے:

قرآن وحدیث کی اصطلاحات کے معنیٰ میں تغیر وتبدل کی اجازت کسی شخص کو نہیں دی جا سکتی اس معاملے میں ادنیٰ انحراف بھی پورے دین کو کچھ کا کچھ بنا دے سکتا ہے: غامدی، مقامات، لاہور، المورد، طبع دوم، جولائی ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۴

ڈاکٹر اسرار احمد نے ایک مضمون میں فدائین کی اصطلاح استعمال کی تو غامدی صاحب نے اس کو غیر اسلامی اصطلاح قرار دیتے ہوئے تبصرہ کیا: ''ڈاکٹر اسرار صاحب یہ فدائین کی جو اصطلاح بار بار استعمال کر رہے ہیں یہ قرآن و حدیث بلکہ اس امت میں دعوت وعزیمت کی پوری تاریخ کے لیے ایک بالکل اجنبی چیز ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ہماری تاریخ میں اس سے پہلے یہ اصطلاح اگر مستعمل رہی ہے تو قلعہ الموت اور فرقہ باطنیہ کے شیخ الجبال حسن بن صباح کے جانشینوں کے لیے مستعمل رہی ہے'': غامدی، برہان، لاہور المورد، طبع ہشتم، جولائی ۲۰۱۲ء، ص ۲۷۲

اصطلاح کی اتنی اہمیت بیان کرنے کے بعد غامدی صاحب خود اسلامی اصطلاحات کے ساتھ کیا کھیل کرتے ہیں اس کے لیے ہم صرف قربانی کی اصطلاح کا جائزہ لیتے ہیں۔ میزان میں لکھتے ہیں:

(۱) قربانی سنت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۴

(۲) قربانی نفل عبادت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۲

(۳) قربانی عبادت ہے الحج ۲۲:۳۴: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۹۹

(۴) نماز جس طرح ہماری زندگی ہے اسی طرح قربانی اللہ کی راہ میں موت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۰

(۵) قربانی نذر ہے یہی نذر اسلام کی حقیقت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۰

(۶) قربانی ہم ایک نفل عبادت کے طور پر پورے اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۲

(۷) گائے اور اونٹ کی قربانی میں صرف سات لوگوں کا حصہ ضروری نہیں دس لوگ بھی شریک ہوسکتے ہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۰۴

(۸) خواب کی باتیں تاویل اور تعبیر کی محتاج ہوتی ہیں اللہ کی طرف سے ابراہیمؑ کو خواب میں ہدایت ہوئی کہ اپنے بیٹے کو اللہ کے لیے قربان کردو (مگر ابراہیمؑ اس خواب کا مطلب نہیں سمجھ سکے): غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۰۱

(۹) اس خواب کی تعبیر یہی تھی کہ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو معبد کی خدمت کے لیے اللہ کی نذر کردیں (ابراہیمؑ اتنی سی بات سمجھ نہ سکے): غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۰۱

(۱۰) خواب میں بیٹے کو اللہ کی خاطر قربانی کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ فی الواقع اسے ذبح کردیں ابراہیم نے خواب اسماعیل کو سنایا تو انہوں نے اسے خدا کا حکم سمجھا اور فوراً جواب دیا کہ ابا جان آپ بے دریغ اس کی تعمیل کردیں (اللہ کے دو پیغمبر ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ بے چارے خواب کی اصل حقیقت سمجھ ہی نہیں سکے): غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۰۱۔

غامدی صاحب کے یہ تمام بیانات تحقیقات Oxymoron ہیں انہوں نے اصطلاح کے بارے میں بیان کردہ اپنے دو اصولوں سے انحراف کیا حالانکہ مجتہد اپنے اجتہاد سے انحراف نہیں کرسکتا قرآن نے اسے خیانت سے تعبیر کیا ہے۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۳٦٦]

<u>بے نمازی کی قربانی اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے: غامدی</u>

اصول یہ ہے کہ نوافل کی قبولیت فرائض کے بغیر نہیں ہوتی: غامدی

نفل عبادت اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک انسان فرائض ادا نہ کرے دین میں ہر چیز کا مقام ہے یہ مقام

اللہ نے مقرر کیا ہے جو چیز (نماز) ستون دین ہے وہ ستون (نماز) ہے جب تک اس کو قائم نہ کیا جائے گا دین کو قائم نہیں کیا جاسکتا بغیر بنیاد کے عمارت کی تعمیر کا فائدہ نہیں [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۲۵] غامدی صاحب نے قربانی کو نفل عبادت کہا ہے اور نماز کو فرض اور سنت لہٰذا غامدی صاحب کے اس اصول کی رو سے کسی بے نماز ی کی قربانی قبول نہیں ہوتی لہٰذا بے نماز ی مسلمان عید پر قربانی نہ کریں۔

غامدی صاحب کی تمام دینی اصطلاحات بھی متناقض[Oxymoron] ہیں

مہر (۱) سنت ہے (۲) فرض ہے (۳) قدیم سنت ہے (۴) واجب ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۱۴، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۴۶

غامدی صاحب ایک ہی اصطلاح کے دو تین چار پانچ معانی بتاتے ہیں

غامدی صاحب اصطلاحات کے ساتھ یہ کھیل کب تک جاری رکھیں گے

میرے محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

قربانی (۱) سنت ہے، قربانی (۲) نفل ہے، قربانی (۳) نذر ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۱۴، ۴۰۲، ۴۰۰

قربانی کے بعد مہر کی عبادت بھی غامدی صاحب کے تنوع تفرد کے باعث متنازع ہوگئی۔ غامدی صاحب میزان کے باب اصول اور مبادی اور قانون معاشرت میں مہر کی متفقہ اسلامی اصطلاح کے بارے میں متضاد آراء کا اظہار کرتے ہیں فرماتے ہیں:

(۱) مہر سنت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۱۴

(۲) مہر فرض ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۱۵

(۳) مہر اللہ کا فریضہ ہے: نکاح کے لیے مہر اللہ کے عائد کردہ فریضہ کی حیثیت سے نکاح کی ایک لازمی شرط ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۱۵، دوسرے معنوں میں اللہ کے عائد کردہ فریضے کو سنت کہتے ہیں جبکہ غامدی صاحب سنت کے لیے شرط یہ عائد کرتے ہیں کہ سنت صرف وہ چیز ہے جو اصلاً پیغمبر کے قول فعل پر مبنی ہو قرآن کے کسی حکم پر عمل یا اس کی تفہیم و تبیین سنت نہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۵۹۔ اس اصول کے تحت مہر سنت نہیں فرض ہے اور غامدی صاحب کے دین میں فرض کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

(۴) مہر قدیم سنت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۱۵

(۵) مہر حق واجب ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۴۶

(۶) قرآن نے سورۂ نساء میں حکم دیا کہ اس کے (نکاح کے) صلے میں ان کے مہر ادا کرو ایک فرض کے طور پر اسے

(مہرکو) فرض ٹھہرانے کے بعد: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۱۴۔ غامدی صاحب کی شہادت ہے کہ قرآن نے مہر کو فرض قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ کا حکم ہے لہٰذا یہ سنت نہیں ہوسکتی۔

قرآن کہتا ہے وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ اُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً وَ لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا تَرٰضَيۡتُمۡ بِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِيۡضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا [۴:۲۴] ''مہر فرض ہے'' مگر غامدی صاحب قرآن کا حکم تسلیم نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ مہر سنت ہے۔

سوال یہ ہے کہ کس کی بات مانی جائے غامدی صاحب کی بات یا اللہ کی؟ غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ قرآن قطعی الدلالہ ہے اس کا ہر لفظ حجت ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں اس اصول کی تقریر میزان کے باب اول اصول و مبادی میں اور مقامات کے مضمون قطعی الدلالہ میں موجود ہے۔ تو اب مہر کو فرض مانیں یا سنت؟ یا قدیم سنت یا واجب؟

غامدی صاحب صرف ایک اصطلاح مہر کے چھ مطالب بتا رہے ہیں:

(۱) مہر سنت: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۱۴

(۲) مہر فرض ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۱۴، ۴۱۵

(۳) مہر خدا کا عائد کردہ فریضہ ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۱۵

(۴) مہر قدیم سنت ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۱۵

(۵) قرآن نے سورۂ نساء میں مہر کو فرض قرار دیا ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۱۴

(۶) مہر حق واجب ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۴۶

ایک اصطلاح کے چھ معانی، چھ مطالب، چھ مفاہیم آخر کیوں؟

غامدی صاحب نے جمع قرآن سے متعلق امام زہری کی تمام روایات کو صرف اس بنیاد پر رد کر دیا تھا کہ امام زہری علم و

فضیلت کے باوجود تحریری طور پر تین مختلف لوگوں کو ایک ہی سوال کے تین مختلف جوابات دیتے تھے جو ایک دوسرے کے نقیض [Oxymoron] ہوتے تھے [میزان:۲۰۱۵ء، ص۳۱، ۳۲] اس اصول کے تحت غامدی صاحب کا دین بھی مسترد کیا جاسکتا ہے کہ حضرت والا زہری کی طرح مستند راوی نہیں ایک ہی کتاب میزان میں بغیر کسی سوال کے ایک ہی مسئلے مہر کے چھ مختلف جوابات دیتے ہیں غامدی صاحب کا یہ اصول ان کے لیے حجت ہے کیونکہ میزان میں وہ لکھتے ہیں کہ مجتہد کے لیے اپنے اجتہاد کی خلاف ورزی جائز نہیں چنانچہ قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے [میزان، ۲۰۱۵ء، ص۳٦٦]

غامدی صاحب کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ قرآن حدیث کی اصطلاحات کے معنی میں تغیر کی اجازت کسی کو نہیں دی جاسکتی اس معاملے میں ادنیٰ انحراف پوری دین کو کچھ کا کچھ بنا دے سکتا ہے۔ [غامدی، مقامات، لاہور، المورد، طبع دوم، جولائی ۲۰۰٦ء، ص۱۵۴، عربی/اردو/انگریزی ایڈیشن]

اس اصول کی بنیاد پر غامدی صاحب خود وضاحت فرمائیں کہ کیا ان کو اصطلاح کے معنیٰ میں تغیر کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ کیا یہ تغیر پورے دین کا چہرہ بگاڑ سکتا ہے؟ ان کی خدمت میں صرف انہی کے اصولوں کا حوالہ اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ حضرت والا اپنے سوا کسی کے اصول کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔

میرے محترم ومکرم غامدی صاحب صرف یہ بتائیں کہ اپنے اصولوں کی حجت کو وہ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ ہم تو ان پر کوئی حکم لگانے کی جرات ہی نہیں کر سکتے۔

البیان اور میزان ـــــــ حضرت ابراہیمؑ پر غامدی صاحب کا بہتانِ عظیم

حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں غامدی صاحب کی Oxymoron اور توہین آمیز تحقیقات کا جائزہ

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

البیان اور میزان میں غامدی صاحب کے بیان کردہ افکار لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف پڑھیے:

اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو تعبیر رویا کا ایک خاص ذوق اور خاص علم بھی عطا فرماتا ہے: غامدی، البیـــان، جلد دوم، لاہور، المورد، طبع اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۵۲۱ محولہ بالا

حضرت ابراہیم کے پر پوتے یوسفؑ کو اللہ نے رویا (خواب) کی تعبیر کا علم سکھایا تھا لہٰذا وہ خواب کی تعبیر بتا دیتے تھے: غامدی، البیان، جلد دوم، لاہور، المورد، طبع اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۵۳۷

قرآن کی نص بھی یہی ہے کہ اللہ نے ابراہیمؑ کے پر پوتے یوسفؑ کو تعبیر خواب کا علم خود سکھایا تھا قَالَ لَا يَأْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ [سورۂ یوسف ۱۲:۳۷]

حضرت ابراہیمؑ کے پوتے یعقوبؑ کو بھی اللہ نے تعبیر خواب کا علم دیا تھا: غامدی، البیان، جلد دوم، لاہور، المورد، طبع اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۵۲۱، محولہ بالا

خواب کی تعبیر کا علم نبوت کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے: غامدی، البیـــان، جلد دوم، لاہور، المورد، طبع اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۵۲۱، محولہ بالا

حضرت یوسفؑ نے اپنے والد حضرت یعقوب کو اپنا خواب سنایا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں تو حضرت یعقوبؑ نے خواب سنتے ہی اندازہ کر لیا کہ اللہ یوسفؑ کو نبوت عطا کرے گا یہ منصب نبوت پر سرفرازی کا اشارہ ہے: غامدی، البیان، جلد دوم، لاہور، المورد، طبع اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۵۲۱، محولہ بالا

تمام انبیاء کو اللہ خواب کی تعبیر کا علم عطا فرماتے ہیں: غامدی، البیـــــــان، جلد دوم، لاہور، المورد، طبع اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۵۲۱ محولہ بالا

غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے پر پوتے یوسفؑ اور پوتے یعقوبؑ کو تو تعبیر خواب کا علم سکھا دیا مگر صرف حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر خواب کا علم نہیں سکھایا اس موقف کی تقریر وہ میـزان میں اس طرح کرتے ہیں لہٰذا (حضرت ابراہیمؑ خواب میں اللہ کی اس ہدایت کہ اپنے بیٹے کو اپنے پروردگار کی خاطر قربان کردو کا مطلب نہیں سمجھے)اللہ کی ہدایت کہ اس بیٹے کو اپنے پروردگار کی خاطر قربان کردو یہ ہدایت اگرچہ خواب میں ہوئی تھی اور خواب کی باتیں تعبیر و تاویل کی محتاج ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس خواب کی تعبیر بھی یہی تھی (یہ تعبیر غامدی صاحب نے بیان کی ہے حضرت ابراہیمؑ اس تعبیر کے فہم سے عاجز تھے) کہ وہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ کی نذر کردیں اس سے ہرگز یہ مقصود نہ تھا (خواب میں اللہ کا مطالبہ کہ اپنے بیٹے کو میرے راستے میں قربان کردو) کہ حضرت ابراہیمؑ فی الواقع اُسے (اسمٰعیلؑ کو چھری سے دنبے کی طرح) ذبح کریں۔[غامدی، میـــــزان، ۲۰۱۵، ص ۴۰۱] ظاہر ہے حضرت ابراہیمؑ اس خواب کا مطلب اس کی معنویت اس کی حقیقت اس کا مقصد نہیں سمجھے لیکن اکیسویں صدی میں غامدی صاحب کو الا لمپور میں اس کا مطلب فلسفے، منطق عقلیت اور فطرت سے سمجھ گئے غامدی صاحب کا فہم، ذوق، اخذ و اکتساب کی صلاحیت ظاہر ہے حضرت ابراہیمؑ سے بہت بہتر برتر اور افضل ہے (نعوذ باللہ) غامدی صاحب کے یہ خیالات نہایت توہین آمیز ہیں۔ ان سے رجوع کی ضرورت ہے۔

غامدی صاحب نے حضرت ابراہیمؑ کے خواب اور حضرت اسمٰعیلؑ کے جواب کی تقریر اپنی کتاب میـزان میں جس طرح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''حضرت ابراہیمؑ نے خواب کی غلط تعبیر کی خواب میں بیٹے کو قربان کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے اللہ کی نذر کردو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے زمین پر لٹا کر ذبح کردو حضرت ابراہیمؑ خواب کا مطلب ہی نہیں سمجھے'': غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۱

خواب کا مطلب اللہ کے دو عظیم پیغمبر بے چارے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ تو نہیں سمجھ سکے مگر اکیسویں

صدی کے جلیل القدر مفکر غامدی صاحب سمجھ گئے۔ خواب کی تاویل وتعبیر کا علم پیغمبر کو تو نہیں حاصل ہوتا مگر غامدی صاحب جیسے مفکر کو کوالالمپور میں عقل، منطق، فلسفے سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے

غامدی صاحب میـزان میں لکھتے ہیں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمعیلؑ کو قربانی کے لیے پیشانی کے بل لٹا دیا قریب تھا کہ چھری چل جاتی لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی ابراہیمؑ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا یہ ایک بڑی آزمائش تھی تم اس میں کامیاب ہوئے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰۱، ۴۰۲

اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ تم نے خواب کو سچ ثابت کر دیا تم نے خواب جیسا دیکھا من وعن اس پر عمل کیا اس میں بنی اسرائیل کی طرح مین میخ نہیں نکالی جس طرح انہوں نے گائے کی قربانی کے لیے سوالات کا انبار لگا دیا کہ گائے کا رنگ کیا ہے وہ کیا کرتی ہے وغیرہ وغیرہ اور آخر کار قربانی پر مجبور ہو گئے لیکن حضرت غامدی صاحب فرما رہے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ خواب کا مطلب ہی نہیں سمجھے اور غلطی سے بیٹے پر چھری چلا دی غامدی صاحب کے یہ افکار تحقیقات نظریات متناقض متضاد Oxymoron ہی نہیں توہین آمیز بھی ہیں۔

ایک جانب وہ فرماتے ہیں کہ خواب علم نبوت کا ذریعہ ہے اللہ انبیاء کو تعبیر رویا کا ذوق اور علم عطا کرتا ہے [غامدی، البیـان، جلد دوم، ص ۵۲۱، محولہ بالا] اور دوسری جانب حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ تعبیر خواب کا علم نہیں رکھتے تھے لہٰذا خواب کا مطلب نہیں سمجھ سکے انہوں نے بلا وجہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی کوشش کی تو کیا حضرت ابراہیمؑ نبی بھی تھے یا نہیں؟ غامدی صاحب خود فرمائیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ ایک نبی جو اللہ کا منتخب کردہ بندہ ہے اگر وہی اللہ کی بات، پیغام، اشارہ، کنایہ، مقصد، مدعا، نقطہ نظر، منشاء، خواب، ادعا سمجھنے سے قاصر ہے تو نعوذ باللہ اس سے بہتر تو غامدی صاحب ہی ہیں جو نہ پیغمبر نہ صحابی نہ تابعی مگر وہ حضرت ابراہیمؑ کے خواب کی معنویت اور حقیقت سے واقف ہو گئے۔

غامدی صاحب اپنی تفسیر البیان میں خود لکھتے ہیں:

حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ (حضرت یعقوبؑ) سے کہا کہ ابا جان میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند ہیں میں نے ان کو دیکھا کہ وہ مجھ سجدہ کر رہے ہیں (حضرت یعقوبؑ نے جواب دیا) یہ خواب بتا رہا

ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں اسی طرح برگزیدہ کرے گا اور تمہیں باتوں کی حقیقت تک پہنچنا سکھائے گا۔

(یوسفؑ نے) یہ خواب جس طرح سنایا ہے اس سے ان کی طبیعت کے اندر جو تواضع تھی وہ پوری طرح نمایاں ہوگئی

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے خواب سنتے ہی اندازہ فرمالیا کہ یہ منصب نبوت پر سرفرازی کا اشارہ ہے۔ (انہوں نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ) یعنی اس رویا کی حقیقت بھی تم پر واضح ہو جائے گی اور اس نوعیت کی دوسری چیزوں کو سمجھنے کا علم بھی عطا ہوگا۔

''......رویا چونکہ علم نبوت کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور رویا میں حقائق مجاز کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں جن کو سمجھنا ایک خاص ذہنی مناسبت کا مقتضی ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ حضرت انبیاء علیہم السلام کو تعبیر رویا کا ایک خاص ذوق اور ایک خاص علم بھی عطا فرماتا ہے'': غامدی، البیان، جلد دوم، ص ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، محولہ بالا

البیان جلد دوم میں سورۂ یوسف کی تفسیر کرتے ہوئے غامدی صاحب نے واضح کر دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوب بھی تعبیر خواب کا علم رکھتے تھے اور ابراہیمؑ کے پرپوتے حضرت یوسفؑ خواب کی تعبیر کا بے مثال علم رکھتے تھے مگر ان کے جد امجد جن کی ملت کی اتباع اور جن کی شریعت کی پیروی رسالت مآب پر بھی لازم ہے یعنی حضرت ابراہیم صرف ابوالانبیاء، انبیاء کے سالار حضرت ابراہیم بس ۔وہ تعبیر خواب کا علم نہیں رکھتے تھے عقلی منطقی طور پر یہ بات ناقابل قبول ہے۔

یہ بات بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ غامدی صاحب رسالت مآب کو ایک کامل، رسول تسلیم نہیں کرتے بلکہ آپؐ کو صرف اور صرف دین ابراہیمی کا مجدد ثابت کرتے ہیں جس کا کام صرف اور صرف ملت ابراہیمی کی تقلید اور دین ابراہیمی کی تجدید کے سوا کچھ نہیں تھا لہٰذا قرآن اور سنت رسول اللہ اصلاً دین ابراہیمی کے احیاء و تجدید ہی کا نام ہے لہٰذا میزان میں لکھتے ہیں نبیؐ کی بعثت دین ابراہیمی کی تجدید کے لیے ہوئی [غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۷۴] اسی کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسالت مآبؐ جو دین لائے تھے اس کا ایک ماخذ سنت دین ابراہیمی کی روایت ہے جسے نبیؐ نے اس کی تجدید و اصلاح کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا

ہے یہ روایت بھی اسی کا حصہ ہے۔[غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۱۴]

غامدی صاحب کی نظر میں قرآن کوئی بہت اہم کتاب نہیں ہے بلکہ قرآن کا کام صرف اور صرف بعض چیزوں میں ترمیم واضافہ کرنا ہے اس اصول کی تقریر انہوں نے البیان میں اس طرح کی ہے قرآن مجید اور دوسری کتابوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ بعد میں آنے والی کتاب قانون سے متعلق بعض چیزوں میں ترمیم واضافہ کردیتی ہے [غامدی، البیان، جلد اول، ص۶۵۷] قرآن کی اس تحقیر کے بعد وہ انجیل زبور کی تحقیر کرتے ہوئے انھیں الکتاب تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اس اصول کی تقریر وہ البیان میں اس طرح کرتے ہیں یہاں (سورۃ المائدہ آیت ۴۸ میں) انجیل کا ذکر اس لیے نہیں ہوا کہ قرآن سے پہلے اصل کتاب کی حیثیت تورات ہی کو حاصل تھی زبور انجیل دوسرے صحائف درحقیقت اسی کے فروع ہیں [البیان جلد اول ص۶۴۲] چلیے انجیل کی تحقیر کر کے اسے صرف تورات کی فروع تک محدود کردیا جاتا تو ہم خاموش ہو جاتے مگر میزان میں وہ انجیل کے کتاب ہونے کا انکار فرماتے ہیں اس انکار کی تقریر انہوں نے میزان میں اس طرح کی ہے انجیل یہ کوئی مرتب کتاب نہیں بلکہ عیسیٰؑ کے منتشر خطبات تھے جو زبانی روایتوں اور تحریری یادداشتوں کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچے [میزان ۲۰۱۵ء، ص۱۵۳] قرآن انجیل کو الکتاب کہہ رہا ہے یہ فرما رہے ہیں کہ الکتاب کا مطلب منتشر خطبات تھا جسے لوگوں نے ادھر ادھر سے سن سنا کر جمع کردیا انجیل کی یہ تحقیر اصلاً قرآن کی نص کی تحقیر ہے جدیدیت پسند مغرب کی تائید تحسین میں جری اور اسلامی علوم روایات اور اقدار کی تحقیر میں قوی ہوتے ہیں۔

غامدی صاحب دیانت داری سے خود فیصلہ کرلیں کہ میزان میں انہوں نے حضرت ابراہیمؑ پر جو بہتان عظیم عائد کیا ہے وہ درست ہے یا البیان میں انہوں نے غلطی سے انبیاء کے خواب کے بارے میں جو حقیقت بیان کی ہے وہ درست ہے؟ جب ہر نبی کو اللہ تعالیٰ خواب کی تعبیر کا ذوق اور علم بھی عطا کرتے ہیں تو غامدی صاحب کا یہ دعویٰ کہ وہ خواب کا مطلب نہیں سمجھے لیکن حضرت ابراہیمؑ کے خواب کا مطلب غامدی صاحب نے بغیر نبوت حاصل کیے سمجھ لیا۔ یہ نقطۂ نظر صرف اور صرف توہین رسالت کا معاملہ نظر آتا ہے اور توہین رسالت کے بارے میں غامدی صاحب نے مقامات میں یہ تحقیق پیش کی ہے کہ یہ قابل معافی جرم ہے اگر مجرم جرم پر اصرار نہ کرے۔ توہین کے مرتکب کو توبہ واصلاح کی دعوت دی جائے گی اور

بار بار توجہ دلائی جائے گی کہ وہ خدا اور رسول کا ماننے والا ہے تو اپنی عاقبت برباد نہ کرے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور اگر ماننے والا نہیں ہے تو مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرے اور اس فعل شنیع [Henious Crime] سے باز آ جائے اس کے خلاف (توہین رسالت کا) مقدمہ صرف اس صورت میں قائم کیا جائے گا جب وہ توبہ اور رجوع سے انکار کر دے سرکشی کے ساتھ توہین پر اصرار کرے [مقامات، ۲۰۱۴ء، توہین رسالت کی سزا، ص ۲۸۲] ہمیں یقین ہے کہ غامدی صاحب اپنے اصول کے تحت کم از کم خود اللہ سے معافی کے خواستگار ہوں گے۔ اور اپنی اس سنگین غلطی سے رجوع کرنے میں میں ایک لمحے کا تامل بھی نہیں کریں گے۔

ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ وہ مستقبل میں اس قسم کے تفردات اور اجتہادات کے ذریعے امت کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش نہیں کریں گے اور آزادی اظہار رائے [Freedom of expression] کے جدید مغربی عقیدے کا اطلاق کم از کم انبیاء کے معاملات میں نہیں کریں گے کہ یہ امت اس مسئلے میں بہت حساس ہے۔ غامدی صاحب ایک محقق ہیں اور محقق اپنی اغلاط سے رجوع کرنے میں کبھی تأمل، تساہل، تغافل نہیں کرتا وہ خود میزان کے خاتمے میں یہ اصول بیان کر چکے ہیں کہ ''آئندہ بھی اس کتاب کی جو غلطی مجھ پر واضح ہو جائے گی یا واضح کر دی جائے گی انشاءاللہ اس کی اصلاح کروں گا میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ دین کے معاملے میں جانتے بوجھتے کوئی غلطی کروں یا غلطی پر جما رہوں [غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۶۵۰، ۶۵۱]

☆

البیان اور مقامات: کفارومشرکین کی تکفیر پر غامدی صاحب کے دو تازہ فتوے

غامدی صاحب کیا اب کفارومشرکین کو جزیرۃ العرب وحرم سے نہیں نکالا جاسکتا؟

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

ہمارے محترم دوست جناب سمیع اللہ سعدی صاحب نے تکفیر کے مسئلے پر غامدی صاحب کا ایک مضمون کل ارسال فرمایا اور ہمارا نقطۂ نظر جاننے کی خواہش ظاہر کی اس کا تفصیلی جواب زیر تحریر ہے ان کی خواہش کی تعمیل تکمیل میں ایک مختصر تحریر میرے محترم غامدی صاحب کے غور وخوض کے لیے حاضر خدمت ہے اس تحریر میں مشرکین اور کفار کے خلاف غامدی صاحب کے فتوے ان کی دو کتابوں مقامات اور البیان سے جمع کر دیے گئے ہیں امید ہے سعدی صاحب اسے ان کی خدمت میں ارسال کر دیں گے۔ اور ان سے صرف یہ پوچھ لیں گے کہ حضرت والا آپ تو سب کو کافر ومشرک کہتے ہیں لیکن امت کے علماء کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ کسی کو کافر و مشرک نہیں کہہ سکتے۔

(۱) غیر مسلموں کو کفار ومشرک کہا جاسکتا ہے: غامدی، البیان، لاہور، المورد، طبع اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۲۹۲، مقامات ، طبع سوم، لاہور المورد، جولائی ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۶

(۲) مسلمان پابند ہیں کہ سرزمین حرم کو باطل کی آلودگی سے پاک رکھیں اور یہاں کسی مشرک و کافر کو رہنے کی اجازت نہ دی جائے: غامدی، البیان، جلد دوم، لاہور، المورد، طبع اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۲۹۲، غامدی، مقامات ، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۶، محولہ بالا

(۳) سرزمین حرم، جزیرۃ العرب میں کسی کافر مشرک کو رہنے بسنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی یہ احکام توحید کے اسی مرکز سے متعلق ہیں: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۶، محولہ بالا

(۴) سرزمین حرم میں کافر ومشرک صرف عارضی طور پر رہ سکتے ہیں کسی کافر ومشرک کو مستقل طور پر رہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی: غامدی، البیان، جلد دوم، ص ۲۹۲، محولہ بالا

(۵) قانون اتمام حجت کے تحت فلسطین اور کنعان کا علاقہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے خاص کر دیا ہے چنانچہ بنی اسرائیل کو اسی بنا پر حکم دیا گیا کہ اپنی میراث کے اس علاقے کو اس کے باشندوں سے خالی کرا لیں اس میں کسی کافر و مشرک کو زندہ نہ چھوڑیں اور نہ اس کی سرحدوں سے متصل کسی علاقے میں کافروں اور مشرکوں کی کوئی حکومت قائم رہنے دیں استثناء کے باب ۲۰ میں یہ حکم پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے سلیمانؑ نے ملکہ سباء کو اسی کے تحت تسلیم وانقیاد کے لیے مجبور کیا تھا: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۵، ۱۹۶، محولہ بالا

(۶) اسی فیصلے (قانون اتمام حجت) کی ایک فرع یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کا علاقہ بنی اسمٰعیلؑ کے لیے خاص کر دیا ہے تاکہ دنیا کی سب قومیں ان کے ساتھ (بنی اسرائیل کے ساتھ) اس کی معیت کا مشاہدہ کریں اور ہدایت پائیں: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۵، محولہ بالا

(۷) قانون اتمام حجت اور تورات کے استثناء کے باب ۲۰ کے تحت فتح مکہ کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں مشرکین کے تمام معابد اسی کے تحت ختم کیے گئے۔ موطا کی حدیث جزیرہ نمائے عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے (موطا، رقم، ۲۶۰۷) کی ہدایت بھی اسی کے تحت ہے: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۶، محولہ بالا

(۸) سرزمین عرب میں قانون اتمام حجت اور تورات استثناء کے باب ۲۰ کے تحت نہ غیر اللہ کی عبادت کے لیے کوئی معبد تعمیر کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کافر و مشرک کو رہنے بسنے کی اجازت دی جا سکتی ہے: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۶، محولہ بالا

(۹) اسلام کے سوا تمام دین منکرین کے دین ہیں تمام منکرین کافر و مشرک ہیں: غامدی، البیان، جلد دوم، ص ۲۹۲، محولہ بالا

(۱۰) اسلام کے سوا تمام مذاہب عالم باطل کی آلودگی ہیں لہٰذا سرزمین حرم میں اسلام کے سوا کوئی اور دین باقی نہ رہ جائے یہ مرکز باطل کی ہر آلودگی سے پاک رہے مسلمان پابند ہیں کہ سرزمین حرم کی یہ حیثیت قیامت تک برقرار رکھیں اور کسی کافر و مشرک کو یہاں مستقل رہنے کی اجازت نہ دی جائے: غامدی، البیان، جلد دوم، ص ۲۹۲، محولہ بالا

ظاہر ہے جب تک کسی کو کافر و مشرک قرار نہیں دیا جائے اسے جزیرۃ العرب اور سرزمین حرم سے باہر نہیں نکالا جا سکتا تو کیا کافر و مشرک کو اب جزیرۃ العرب اور سرزمین حرم میں مستقل رہنے کی اجازت دے دی گئی ہے؟

جنسی بے راہ روی کی آزادی: جناب جاوید غامدی کی غلط سلط قرآنی تشریحات

جنسی معاملات میں غامدی صاحب کے متناقض متضاد Oxymoron افکار کا جائزہ

۱۔قرآن نے ہاتھ سے رگڑ کر منی نکالنے کو حرام نہیں کیا یہ حلال ہے: غامدی، مقامات،۲۰۱۴ء، ص ۲۶۱

۲۔ بیوی اور لونڈی کے سوا اقتضائے شہوت کا کوئی طریقہ اختیار کرنا جائز ہے: غامدی، مقامات،۲۰۱۴ء، ص ۲۶۱

۳۔ مرد اپنی کھیتی میں جس شان جس آن جس سمت سے آنا چاہے ضرور آئے: غامدی، مقامات،۲۰۱۴ء، ص ۲۶۴

۴۔ دین یہ پسند نہیں کرتا کہ بیوی کے ساتھ منہ یا دبر کے راستے سے جنسی تعلق قائم کیا جائے: غامدی، مقامات،۲۰۱۴ء، ص ۲۶۱

پہلے غامدی صاحب مرد کو ہر سمت سے اپنی کھیتی پر یلغار کی دعوت دیتے ہیں جب بے چارہ مرد ان کے اکسانے بہلانے اور بہکانے پر پوری شان آن اور جان کے ساتھ اپنی کھیتی میں ہر سمت سے جانے لگتا ہے تو ممانعت فرما دیتے ہیں غامدی صاحب کے قضائے شہوت کے تمام اصول ہی Oxymoron ہیں اور لوگوں کی جنسی زندگی کو پراگندہ کرنے کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں

جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاد احمد بنوری اور غامدی صاحب کے داماد حسن الیاس سے ایک مکالمہ

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون محترم غامدی صاحب یا کوئی اور

سیّد خالد جامعی

غامدی صاحب کو تفردات تخلیق کرنے اور اجتہادات ایجاد کرنے کا خاص ملکہ حاصل ہے لہٰذا ان کی بے چین طبیعت اور بے قرار روح ہر مرتبہ تحقیق کے نام پر کوئی نیا شگوفہ کھلاتی اور نئی فصل اگاتی ہے وہ مغرب کے تصور آزادی Freedom کو ایک خیر سمجھتے ہیں لہٰذا اسلام میں اس خیر کے نفوذ و نفاذ کے لیے ہر وقت سرگرم عمل رہتے ہیں جنسی بے راہ روی کی آزادی میں اضافے کے لیے ان کی تخلیقات تحقیقات ملاحظہ کیجیے۔

مگر ان تحقیقات کے مطالعے سے پہلے غامدی صاحب کی علمیت کے بارے میں دو اہم انکشافات آپ کی خدمت میں پیش کرنا ضروری ہیں تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ ان کی غلط روی، آزاد خیالی، انتشار فکر، بر خود غلط آراء کا حقیقی علمی پس منظر کیا ہے۔

(ا) ماہنامہ اشـراق اور غامدی صاحب کی تمام کتابوں اور کتابچوں میں اٹھارہ سال تک غامدی صاحب کی عظیم عربی تفسیر "الاشـراق" (سورۃ الملک تا والناس) کا اشتہار مسلسل شائع ہوتا رہا لیکن آج تک یہ تفسیر طبع نہیں ہوئی ۲۰۰۸ء میں غامدی صاحب کی عربی انگریزی اردو کتاب مقامات کی تیسری

اشاعت طبع اول کے نام سے صرف اردو میں آئی تو اس جعلی اشاعت میں شامل مضمون روداد سفر میں انہوں نے اپنی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا ذکر کیا لیکن اس فہرست میں عربی تفسیر الاشراق کا نام شامل نہیں کیا[غامدی، مقامات، رودادسفر: فہرست کتب ۲۰۱۴ء، ص۳۰] یہ تفسیر کیوں غائب کی گئی؟ اس کو صفحۂ ہستی سے کیوں مٹا دیا گیا یہ ایک طلسم ہوش ربا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تفسیر کا اشتہار با قاعدگی سے ماہنامہ اشراق اور غامدی صاحب کی کتابوں اور کتابچوں کے آخری صفحات پر میں شائع ہوتا رہا غامدی صاحب نے کراچی میں سنو وہائٹ کے میر شکیل الرحمان صاحب کے بہادر آباد والے گھر میں ہمیں فخر سے آیت بسم اللہ کی عربی تفسیر کے اوراق بھی پیش کیے تھے وہ اوراق اس کا ثبوت ہیں جو آپ راقم سے حاصل کر سکتے ہیں سنا ہے کہ یہ کتابچے کی صورت میں بھی شائع ہوئے تھے۔

(۲) عربی تفسیر الاشراق کو غائب کرنے کا اصل سبب راقم کی زیرادارت شائع ہونے والا رسالہ ُساحل ' بنا جس کے شمارے اپریل ۲۰۰۷ء میں غامدی صاحب کے ۲۶ صفحات پر مشتمل عربی مضمون ''شواہد الفراہی ''میں صرف،نحو، قواعد، زبان بیان، تذکیر و تانیث کی چھ سو اغلاط ڈاکٹر رضوان علی ندوی کے تنقیدی مضمون میں واضح کی گئی تھیں۔ یہ غلط سلط عربی مضمون پہلے غامدی صاحب کی زیرادارت رسالے الاعلام میں ۱۹۸۴ء میں پھر اشراق میں ۱۹۹۱ میں پھر ان کی سہ لسانی اردو عربی انگریزی کتاب مقامات طبع اول ۲۰۰۴ء اور مقامات طبع دوم ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ مقامات طبع دوم ۲۰۰۶ء میں شائع ہونے والے عربی مضمون پر ندوی صاحب کی عالمانہ اور بے رحمانہ تنقید ُساحل ' اپریل ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی

مقامات ۲۰۰۶ء کے انگریزی حصے میں غامدی صاحب کی چار انگریزی نظمیں بھی شامل تھیں چار نظموں کی شاعری شیکسپیر، کیٹس اور وڈز ورتھ کی تراکیب اور مصرعوں کے مسروق جوڑ توڑ کا نتیجہ تھی سرقہ بازی پر مشتمل یہ شاعری خوشبو موسیقیت غنائیت اور شعریت سے محروم تھی غامدی صاحب انگریزی اور عربی میں اظہار بیان کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے ان کی سرقہ بازی کی تفصیل ساحل کے مئی ۲۰۰۷ء کے شمارے میں پیش کی گئی۔

غامدی صاحب نے ایک زمانے میں قرآن کے مقابلے پر اپنی آیات پیش کیں ان آیات کا تجزیہ اگست ۲۰۰۷ء کے ساحل میں رضوان ندوی صاحب نے پیش کیا اور بتایا کہ یہ آیات غامدی صاحب کی تخلیق نہیں بلکہ معری کی آیات کا سرقہ ہیں یعنی انگریزی شاعری بھی سرقہ ہے قرآن

کے مقابلے پرتخلیق کردہ آیات بھی سرقہ ہیں اور عربی زبان سے یہ محقق اسلام واقف ہی نہیں تو کیا ایسے شخص سے دین حاصل کیا جاسکتا ہے؟ ساحل کے اپریل،مئی،جون،جولائی،اگست ۲۰۰۷ء کے رسالوں میں یہ مباحث تفصیل سے پڑھے جاسکتے ہیں۔

ان رسالوں کی اشاعت کے بعد ہم نے غامدی صاحب کو دعوت دی کہ وہ ان مباحث کا جواب دیں ساحل کا اگلا شمارہ صرف اور صرف ان کے جواب کے لیے وقف ہوگا اس سے اگلے شمارے میں ہم اپنا موقف پیش کریں گے غامدی صاحب نے اس کا جواب دیا آپ اپنا کام کریں میں اپنا کام کرر ہا ہوں فیصلہ تاریخ کرے گی۔مگر حسبِ معمول وہ اس فیصلے پر بھی قائم نہ رہے ان کا ارتقاء ہوگیا وہ دوسروں کے اصولوں کی تو کیا خود اپنے اصولوں کی بھی تقلید کے قائل نہیں

لہٰذا فیصلہ تاریخ پر چھوڑنے کی بجائے انہوں نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ بازار سے کتاب ''مقامات'' طبع دوم ۲۰۰۶ء عربی انگریزی اردو اشاعت اٹھالو لہٰذا کتاب غائب کرادی گئی اور ۲۰۰۸ء میں مقامات کے نام سے نئی کتاب صرف اردو میں طبع اول ۲۰۰۸ء کی سرخی سے شائع کردی گئی اس کے عربی انگریزی حصے غائب کردیے گئے اور یہ جھوٹ لکھا گیا کہ یہ کتاب پہلی مرتبہ طبع ہورہی ہے غائب شدہ کتاب کی عکسی نقل ہم نے غامدی صاحب کے داماد برادر مکرم ومحترم اور مہربان حسن الیاس صاحب کو اور ان کے عزیز اور مولانا یوسف بنوری کے پوتے مولانا احمد بنوری استاد مدرسہ جامعہ بنوری ٹاؤن کو ۲۰۱۳ء میں مولانا یوسف بنوری مرحوم کی رہائش گاہ پر اپنے ہاتھ سے تحفتاً پیش کی اور غامدی صاحب کے غالی حامی۔خانوادۂ بنوری کے ان دو گل ہائے سرسبد سے صرف یہ سوال کیا کہ عزیزم حسن الیاس صاحب اور احمد بنوری صاحب غامدی صاحب کا فکر کیا ہے وہ الحق ہے یا الباطل صحیح یا غلط یہ تو ایک ضمنی بحث ہے

بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا ایک ایسے شخص سے دین اخذ کیا جاسکتا ہے جو خائن ہو جو دیانت دار نہ ہو جو سرقہ باز ہو جو کاذب ہو جو اپنی عربی انگریزی اردو کتاب بازار سے غائب کرا کے اسی نام سے نئی کتاب صرف اردو میں شائع کر کے امت کو دھوکہ بھی دے اور یہ بھی بتائے کہ میں دین کا عالم ہوں تو ہمارے دونوں محترم مکرم معظم دوستوں اور غامدی صاحب کے غالی معتقدوں نے عرض کیا خالد جامعی صاحب کھانا کھایئے اس موضوع پر بعد

میں بات کریں گے لیجے اب مضمون پڑھیےاس موضوع پر انشاءاللہ پھر تفصیل سے بعد میں بات کریں گے۔

☆ قرآن نے استمناء بالید[Masturbation] کی ممانعت نہیں کی ہاتھ سے رگڑ کر منی نکالنا حلال ہے:غامدی،مقامات،۲۰۱۴ء،ص۲۶۱

☆ مرد اپنی کھیتی میں جس شان جس آن جس سمت سے آنا چاہے ضرور آئے: غامدی، مقامات،۲۰۱۴ء،ص۲۶۴

☆ استمنا بالید نہ تو حرام ہے نہ مکروہ امت کے علماء فقہاء نے سورہ مومنون کی آیت ۵،۶،۷ کی غلط تشریح کرتے ہوئے اسے حرام قرار دیا مگر یہ استدلال عربیت کی رو سے نہایت کمزور بلکہ بالکل غلط ہے مستثنیٰ منہ استمنا کے طریقے نہیں بلکہ افراد ہیں:غامدی،مقامات،۲۰۱۴ء،ص۲۶۰،۲۶۱، یعنی قضائے شہوت کے لیے افراد نہیں مگر اخراج منی کے۔مختلف طریقے ،وسیلے، حیلے، قرینے، ذریعے اختیار اور استعمال کیے جاسکتے ہیں

☆ مرد قضائے شہوت کے لیے بیوی اور لونڈی کے سوا کوئی بھی طریقۂ کار[Any Method] اختیار کرسکتا ہے اپنے اس سنہری اصول کی تقریر غامدی صاحب نے مقامات میں اس طرح کی ہے:

بیویوں اور مملوکہ عورتوں کے سوا قضائے شہوت کا کوئی طریقہ اختیار کرنا جائز ہے: غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء،ص ۲۶۱

☆ غامدی صاحب کے مذہب، منہاج علمی، مکتب فکر اور ان کے ساختہ مسائل فقہ میں۔ چونکہ مرد بیوی لونڈی کے سوا شہوت کے اخراج کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنے میں آزاد ہے شریعت نے قرآن نے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی سنت حدیث اور اجماع امت کسی ایسے کام کو حرام نہیں ٹھہرا سکتے جس کو خود قرآن نے حرام قرار نہ دیا ہو۔لہٰذا غامدی صاحب اس اصول کی تشریح مقامات میں اس طرح کرتے ہیں

:

لہٰذا پورے اطمینان کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی نص صریح یا قاعدہ کلیہ ایسا نہیں ہے جس کے تحت استمنا بالید ہاتھ سے رگڑ کر منی نکالنا(Mastur bation) کو حرام یا مکروہ ٹھہرایا جائے: غامدی، مقامات،۲۰۱۴ء،ص ۲۶۱

☆ غامدی صاحب مرد کو قضائے شہوت کے لیے تمام طریقے استعمال کرنے کی مطلق اجازت اور آزادی دیتے ہوئے صرف ایک

پابندی عائد کرتے ہیں۔

قرآن نے عورت کے لیے کھیتی کا استعارہ استعمال کیا ہے فطرت کا ضابطہ یہ ہے کہ ایام ماہواری کے زمانے میں قضائے شہوت نہ کی جائے [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء، ص۲۶۲]

☆ کھیتی کے استعارے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مرد اپنی کھیتی میں تو سو بار آئے اور جس شان، جس آن، جس سمت اور جس پہلو سے چاہے آئے، لیکن اس باغ کا باغ ہونا اور کھیتی کا کھیتی ہونا یاد رکھے۔ اس کے کسی آنے میں بھی اس حقیقت سے غفلت نہ ہو: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص۲۶۲۔

لیکن حضرت والا کو خطرہ لاحق ہوا کہ مرد کہیں دبر میں مجامعت نہ کر بیٹھے کہ یہ بھی قضائے شہوت کا بہترین آسان مجرب طریقہ ہے اور عقلیت پسند ذہن اس طریقے کو بلا تامل قبول کر سکتا ہے اور یہ استدلال پیش کر سکتا ہے کہ قرآن نے واضح طور پر اس طریقے کی تو کوئی مخالفت نہیں کی۔ اور حدیث و سنت کو غامدی صاحب کی اتباع میں ان کے مقلدین اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس سے دبر کی مجامعت حرام ٹھہرائیں۔

سنت حدیث اور اجماع امت سے دبر میں مجامعت کی اجازت نہیں مگر غامدی صاحب چونکہ سنت حدیث اور اجماع کو حلال و حرام جائز و ناجائز امور میں حجت ہی نہیں مانتے اور امت کا ایمان ان ذرائع، علوم اور ماخذات دین سے اٹھا کر وہ صرف منطق عقلیت اصول استقرا پر [Logic, Rationalism, Induction] ایمان قائم کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ایک تشکیک زدہ ذہن پیدا ہوتا ہے جو ہر وقت عقل و منطق و استقراء کی کھائیوں میں سفر کرتا، ٹھوکریں کھاتا اور آخر دین سے ہی دستبردار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس جدید، مشکک اور متذبذب ذہن کی پریشان خیالی کے پیش نظر محترم غامدی صاحب فوراً پہلو بھی اور اصول بھی بدل لیتے ہیں

جو لوگ عورت کی ناپاکی کے زمانے میں قربت سے اجتناب نہیں کرتے یا قضائے شہوت کے معاملے میں فطرت کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک نہایت مبغوض ہیں: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص۲۶۴

اس اصول کی تشریح میں انہیں قرآن سے نص صریح نہیں ملی صرف اشارہ اور کنایہ ملا لہٰذا دبر میں مجامعت کو حرام ٹھہرانے کے لیے قرآن کے ساتھ ساتھ بجائے سنت، حدیث، علماء، صلحا اور فقہائے امت کے اجماع سے رجوع کرنے کے بجائے انہوں نے ایک نئ اصطلاح تخلیق کی ''بدیہیات فطرت'' اور اس کی بنیاد پر دبر میں مجامعت سے گریز کا فطری، بدیہی فلسفہ تصنیف کیا اس فلسفے کے دلائل میزان کے قانون معاشرت میں پڑھے جاسکتے ہیں۔[میزان ۲۰۱۵ء، ص۴۳۲]

غامدی صاحب کے دین میں دبر میں مجامعت بدیہیات فطرت کی بنیاد پر حرام ہے۔سوال یہ ہے کہ بدیہیات فطرت اگر حجت ہیں تو اس کی اطلاع، خبر قرآن سے ملنی چاہیے کیوں کہ غامدی صاحب کے اصول کے تحت قرآن کے سوا کسی کو حلال وحرام جائز وناجائز قرار دینے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے حتیٰ کہ اللہ کا رسول بھی کسی حرام کو حلال نہیں کرسکتا اس اصول کی تقریر وہ اپنی کتاب مقامات میں اس طرح کرتے ہیں کھانے پینے کی چیزوں (مراد ہے سور، خون، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ، مردار) کے علاوہ اللہ نے صرف پانچ چیزیں حرام قرار دی ہیں فواحش، حق تلفی، ناحق زیادتی، شرک، بدعت[مقامات ۲۰۱۴ء، ص۲۱۱] یعنی شریعت میں حرام صرف نو اشیاء ہیں اس کے سوا کوئی شئے حرام نہیں اس کے بعد غامدی صاحب اعلان کرتے ہیں کہ خدا کا پیغمبر بھی کسی چیز کو حرام نہیں کرسکتا لہٰذا کسی کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کے علاوہ کسی چیز کو حرام ٹھہرائے[مقامات غامدی ۲۰۱۴ء، ص۲۱۱]

پیغمبر کو بے اختیار کرنے کے بعد حلال وحرام طے کرنے کا اختیار کسے حاصل ہوگا ان کا جواب ہے انسانیت کو اور فطرت کو اس اصول کی تقریر وہ میزان میں اس طرح کرتے ہیں طیبات وخبائث کی کوئی جامع مانع فہرست شریعت میں کبھی پیش نہیں کی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت بالعموم اس معاملے میں اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہے اور وہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کرلیتا ہے کہ کیا چیز طیب ہے کیا خبیث ہے عقل عام طور پر صحیح نتیجے پر پہنچتی ہے چنانچہ خدا کی شریعت نے انسان کو اصلاً اس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۲۹، ۶۳۰] حیرت ہے کہ غامدی صاحب نے نوجوان نسل کو اپنے اصول کے مطابق فطرت کی رہنمائی پر چھوڑنے کے بجائے

اپنی رہنمائی میں فطرت کے مشاہدات کرانے کی گراں قدر ذمہ داری قبول کرلی ذمہ داری بہت بھاری ہے اور حضرت والا کے کاندھے بہت نازک۔

سوال یہ ہے کہ فطرت اور طیب اور بدیہیات فطرت کا علم کیسے ہوگا؟ عقل سے وجدان سے یا تجربے سے۔اسے کس پیمانے پر پرکھا جائے گا اگر کوئی بدیہیات فطرت کو ماننے سے انکار کردے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟اگر بدیہیات فطرت کے مسئلے پر اختلاف ہوگیا تو اختلاف کوحل کرنے کا پیمانہ طریقہ کیا ہے؟ کیا اس کا حل قرآن سے ہوگا حدیث وسنت سے یا محض عقل سے یا غامدی صاحب کے اس اصول کے تحت کہ ''اجماع واتفاق سے فیصلہ نہ ہوسکے تو فصل نزاعات کے لیے اکثریت کی رائے قبول کرلی جائے (میزان ۲۰۱۵ء،ص ۴۹۳)یعنی شریعت کے مسائل کے حل کے لیے شریعت حدیث سنت کافی نہیں ہے لہٰذا داخلی اسلامی علوم کی کم زوری کے باعث خارجی علم۔مغربی جمہوریت کو اصول بنایا جائے اور اگر جمہورا کثریت کی بنیاد پر دبر میں مجامعت کوحلال کریں تو یہ حلال ہوجائے جب اکثریت مخالفین کی ہوتو یہ حرام ہوجائے غامدی صاحب کی اسلامی ریاست میں پارلیمان سب سے بالاتر ادارہ ہے لہٰذا لکھتے ہیں کہ دینی علوم کے ماہرین اپنی تشریحات پیش کرسکتے ہیں مگر ان کے اس موقف کو واجب الاطاعت قانون کی حیثیت اسی وقت حاصل ہوگی جب ان کے منتخب نمائندوں کی اکثریت اسے قبول کرے گی ریاست کے نظام میں آخری فیصلہ اسی کا ہے لوگوں کا حق ہے کہ فیصلوں پر تنقید کریں غلطی واضح کرتے رہیں(مقامات ۲۰۱۴ء ۱۹۱]لہٰذا ریاست کی پارلیمان اگر دبر میں مجامعت کوحلال کردے تو آپ پارلیمان کا فیصلہ قبول کرلیں اور اس کے خلاف جمہوری جدوجہد کرتے رہیں جب آپ کے حامی اکثریت میں ہوں تو آپ دبر میں مجامعت کو حرام قرار کرادیں۔لہٰذا حلال وحرام کا یہ جمہوری دھندہ صبح قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

☆ غامدی صاحب کے جدید فقہی اصولوں کے باعث ان کی امت کو پہلی مرتبہ یہ علم ہوا کہ وہ لونڈی اور بیوی کو چھوڑ کر بھی شہوت اور منی کا اخراج کرنے کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کرسکتی ہے ان کی امت خود اس آزادی پر حیران تھی اور اس آزادی سے استفادہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھی لیکن غامدی صاحب قضائے شہوت کے طریقوں کی اجازت دینے کے بعد اچانک مزید پابندیاں بھی عائد

کرتے ہیں پابندیوں کی تقریر وہ مقامات میں اس طرح کرتے ہیں۔

دین کا مقصد تز کیہ ہے۔ وہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ بیوی کے ساتھ منہ یا دبر کے راستے سے جنسی تعلق قائم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ عورتوں سے ملاقات لازماً اُسی راستے سے ہونی چاہیے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے فاتون هن من حيث ا مر كم الله ۔ یہ چیز بدیہیات فطرت میں سے ہے اور اس پہلو سے لاریب خدا ہی کا حکم ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ درحقیقت خدا کے ایک واضح تر حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اس پر یقیناً اس کے ہاں سزا کا مستحق ہوگا۔ غامدی: مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۲۶۱، ۲۶۲۔ سوال یہ کہ دبر میں ممانعت خدا کا حکم ہے قرآن کے نص سے ثابت ہے یا بدیہیات فطرت کا حکم ہے؟ غامدی صاحب اسے بدیہیات فطرت کا حکم کہتے ہیں۔ بدیہیات فطرت کی خلاف ورزی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کیوں ہے؟ کیا فطرت اور بدیہیات فطرت قرآن کے قائم مقام ہیں اگر ہیں تو اس کی سند قرآن سے پیش کی جائے کسی شے کو قرآن کے برابر قرار دینا۔ قرآن کے معانی میں تغیر پیدا کرنا ہے۔

غامدی صاحب کے اصول کے تحت جب قرآن کے احکامات کے سلسلے میں خدا کے رسول کی تشریح کی کوئی اہمیت نہیں خدا کا رسول بھی قرآن کے کسی حکم کی تحدید، تخصیص اور اس میں ترمیم نہیں کرسکتا (غامدی، مقامات، ۲۰۱۵ء، ص ۲۵) خدا کے پیغمبر آخر کی وضاحت صراحت شہادت بھی حلال کو حرام نہیں کرسکتی تو فطرت کی کیا حیثیت ہے کیا فطرت رسول سے برتر و بہتر ہے؟ جب رسول حلال و حرام کے فیصلوں میں مداخلت نہیں کرسکتا تو فطرت کیسے مداخلت کرسکتی ہے؟ اگر یہ فعل سزا کا مستحق ہے تو دنیا میں اس کی سزا کیوں نہیں ہے غامدی صاحب نے جو عقلی ذہنیت تیار کی ہے یہ اس کے سوالات ہیں یہ ہمارے سوالات نہیں ہیں ظاہر ہے اسلامی علمیت تہذیب تاریخ، حدیث اور سنت اجماع کو چھوڑنے کے بعد صرف عقلیت کے ذریعے ان احمقانہ سوالات کے جوابات نہیں دیے جاسکتے۔

☆ منہ یا دبر کے راستے جنسی تعلق جائز نہیں: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۲۶۱

غامدی صاحب کی اجازت عامہ کے تحت جب مرد آزادی کا استعمال کرتے ہوئے اپنی کھیتی میں دُبر اور منہ کی سمت سے آنا چاہتا ہے تو وہ اس کی ممانعت فرمادیتے ہیں اور حکم یہ لگاتے ہیں کہ دین اسے پسند نہیں کرتا کیونکہ دین کا مقصد تزکیہ ہے مگر ہاتھ سے رگڑ کر منی نکالنے سے تزکیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ یہ عضو مخصوص کا تزکیہ ہے اور الاماذ کیتم کے دائرے میں آتا ہے اور یہ عمل نحو بھی ہے لہٰذا یہ حلال ہے۔ دونوں اصول ہی ایک دوسرے کے نقیض Oxymoron ہیں۔

۲۰۰۸ء میں غامدی صاحب کی تصنیف میزان منظر عام پر آئی تو ''قانون معاشرت'' میں غامدی صاحب نے ''مباشرت کے حدود'' ایک سرخی لگا کر مباشرت کی تحدیدات سے آگاہ فرمایا اسلامی علمیت الہامی مذاہب اور جاہلیت عرب وکلام جاہلیت میں بھی مباشرت عورت اور مرد کے مابین ہوسکتی ہے یہی فطرت کا تقاضہ اور دین کا مطالبہ اور جبلت کا ضابطہ ہے کلام عرب میں غیر فطری مباشرت کے طریقوں کی وکالت ہے یا نہیں یہ غامدی صاحب بہتر جانتے ہوں گے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جاہلیت کی شاعری میں غیر فطری تعلق کے ممنوع ہونے کا ذکر کئی پہلوؤں سے ہوا ہے۔

اس بات کو غامدی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں لکھتے ہیں مرد وعورت کا جنسی تعلق تو انسان کی جبلت ہے اور وہ اس معاملے میں کسی ہدایت کا محتاج نہیں ہوتا (میزان ۲۰۱۵ء، ص۴۳۱)

یعنی جو چیز جبلت اور فطرت کے مطابق ہو اس بارے میں کسی ہدایت کی ضرورت نہیں ہوتی غامدی صاحب نے اس اصول کے تحت میزان ۲۰۱۵ء میں بھی ''مباشرت کے حدود'' کے عنوان سے چار صفحات لکھے ہیں (غامدی میزان ۲۰۱۵ء، مباشرت کے حدود ص۴۳۰ تا ۴۳۳) تو اس میں بھی مباشرت سے مراد مرد عورت کے مابین شرعی جنسی تعلق کو ہی تسلیم کیا ہے یعنی دونوں کے لیے قضائے شہوت کے مقامات جنس مخالف کے اندر ہیں اسی لیے جنس مخالف کا وجود لازم ہے یعنی خروج شہوت کا مقام انزال جنس مخالف میں ہونا چاہیے یہی شریعت اور غامدی صاحب کی اصطلاح میں فطرت کا تقاضہ ہے میزان میں غامدی صاحب نے فرد اور فرد کے اعضاء کے مابین جنسی تعلق

جنسی رغبت اور جنسی تلذذ کو تسلیم نہیں کیا دوسرے معنوں میں مباشرت کی شرط وحدت نہیں جمعیت ہے مباشرت واحد نہیں کرسکتا اس کے لیے جمع ضروری ہے اور جمع کی ترکیب وہ پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔

فطری جنسی تعلق کے بغیر قضائے شہوت بھی غیر فطری ہے اور جو غیر فطری ہے وہ غامدی صاحب کے مذہب منہج میں حرام ہے لہٰذا میزان میں لکھتے ہیں قرآن کی دعوت جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے ان میں پہلا مقدمہ فطرت کے حقائق ہیں اس کا تعلق ایمان واخلاق کے بنیادی حقائق سے ہے اس کے بڑے حصے کو وہ اصطلاح میں معروف ومنکر سے تعبیر کرتا ہے یعنی وہ باتیں جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جن سے فطرت ابا کرتی ہے [میزان ۲۰۱۵ء ص ۴۵] ظاہر ہے اگر استمنا بالید ایک فطری تقاضہ ہے اور بدیہیات فطرت میں شامل ہے تو اس کے لیے وضاحتیں پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے انہی کا اصول ہے کہ انسان جبلت کے معاملے میں کسی ہدایت کا محتاج نہیں ہوتا [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۴۳۱]۔لیکن مقامات ۲۰۱۴ء میں حضرت والا کا ارتقاء ہوگیا اور انہوں نے میزان کے اسی عنوان ''مباشرت کے حدود '' کے عنوان سے مضمون میں استمناء بالید کے لیے امت کو پہلی مرتبہ ہدایات دی ہیں چونکہ یہ ہدایت انسانی فطرت اور جبلت کے خلاف تھی اسی لیے غامدی صاحب کو اس کے لیے تحقیق، تفرد، تخلیق کے عمل سے گزرنا پڑا، اگر استمناء بالید نص صریح سے فطرت سے حلال ہوتا تو ان کے اصول کے تحت جو میزان میں بیان ہوا ہے '' انسان اس معاملے میں کسی ہدایت کا محتاج نہ ہوتا'' (میزان ۲۰۱۵ء ص ۴۳۱) ظاہر ہے استمناء بالید فطرت کا تقاضہ یعنی جبلت کی طلب شریعت کا ضابطہ اور روح کا مطالبہ ہوتا تو اس صورت میں میرے محترم غامدی صاحب کو کسی وضاحت، صراحت، شہادت کی ضرورت نہ ہوتی۔

اس سے ثابت ہوا کہ استمناء بالید غامدی صاحب کے اصول کے تحت فطرت جبلت شریعت کے خلاف ہے اسی لیے حرام ہے امت کا اجماع بھی یہی ہے۔لیکن غامدی صاحب نہ اپنے اصول کی تقلید کرتے ہیں نہ امت کے اجماعی اصولوں کو تسلیم کرتے ہیں وہ ہر مرتبہ ایک نئی دلیل، نئے پہلو، نئی تحقیق کی بازیافت میں مصروف عمل رہتے ہیں۔

قرآن کے ترجمے وتفسیر میں تحریف وتدلیس کے بعد تورات کے ترجمے میں غامدی صاحب کی تحریفات

تورات میں استثناء کے باب ۲۰ کے دو متناقض Oxymoron اور متضاد ترجموں کا اصل مقصد کیا ہے؟

میزان اور مقامات میں تورات کی ایک ہی آیت کے دو مختلف ترجمے

تورات نے حکم دیا مردوں کو قتل کر دو عورتوں بچوں کو غلام بنالو: غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۵، ۱۹۶

تورات نے حکم دیا مردوں کو قتل کر دو عورتوں بچوں کو قیدی بنالو: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۷

غامدی صاحب کی لغت میں قیدی کا مطلب ہوتا ہے غلام دونوں مترادف اصطلاحات ہیں

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

غامدی صاحب قرآن کی آیات اور مطالب میں جو تحریفات کر رہے ہیں ان سے سب آگاہ ہیں مقامات میں اپنے مضمون (خدا کے فیصلے) میں انہوں نے قرآن کی تین سورتوں کی کئی آیات کو خود ہی منسوخ کر دیا لکھتے ہیں

قرآن کی آیات شریعت نہیں ہیں:

قرآن کی آیات منسوخ ہوگئیں:

رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اگر ان کو اور ان کے ساتھیوں کو کسی خطہ ارض میں اقتدار حاصل ہو جائے تو خدا کا فیصلہ ہے کہ اُن کے منکرین کے لیے دو ہی صورتیں ہیں: اُن میں اگر مشرکین ہوں گے تو قتل کر دیے جائیں گے اور کسی نہ کسی درجے میں توحید کے ماننے والے ہوں گے تو محکوم بنا لیے جائیں گے۔ بقرہ، انفال اور توبہ [البقرہ ۲:۱۹۰۔ انفال ۸:۳۸۔۴۰۔ التوبہ ۹:۲۹، ۳۔۵] میں اللہ تعالیٰ نے جس قتال کی ہدایت فرمائی اور مشرکین عرب کے جس قتل عام کا حکم دیا ہے، وہ اسی فیصلے کا نفاذ ہے۔ اس کا شریعت اور اس کے احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۳)

اس فیصلے کی ایک فرع یہ ہے کہ فلسطین اور اس کے گردونواح میں کنعان کا علاقہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے اور جزیرنمائے عرب کا علاقہ بنی اسمٰعیل کے لیے خاص کر دیا ہے تا کہ دنیا کی سب قومیں اُن کے ساتھ اُس کی معیت کا مشاہدہ کریں اور ہدایت پائیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو اسی بنا پر حکم دیا گیا کہ اپنی میراث کے اس علاقے کو اس کے باشندوں سے خالی کرالیں، اس میں کسی کافر اور مشرک

کوزندہ نہ چھوڑیں اور نہ اس کی سرحدوں سے متصل کسی علاقے میں کافروں اور مشرکوں کی کوئی حکومت قائم رہنے دیں، الاّ یہ کہ وہ ان کے باج گزار بن جائیں۔ اور اس سے انکار کریں تو سزا کے طور پر اُن کے مرد قتل کر دیے جائیں اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے۔ استثناء کے باب ۲۰ میں یہ حکم پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو اسی کے تحت تسلیم وانقیاد کے لیے مجبور کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جزیرہ نما عرب میں مشرکین کے تمام معاہد اسی کے تحت ختم کیے گئے۔ "**لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب**" کی ہدایت بھی اسی کے تحت ہے۔ چنانچہ سرزمین عرب میں اسی بنا پر نہ غیر اللہ کی عبادت کے لیے کوئی معبد تعمیر کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کافر و مشرک کو رہنے بسنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ یہ تمام احکام توحید کے اسی مرکز سے متعلق ہیں۔ ان کا دنیا کے کسی دوسرے علاقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ [مقامات، جاوید احمد غامدی ص ۱۹۵۔۱۹۶]

یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہمارے حق میں جو فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہے۔ اس پر سعد بالاتفاق حکم بنائے گئے۔ قرآن میں کوئی متعین سزا چونکہ اس وقت تک ان کے لیے بیان نہیں ہوئی تھی، اس لیے سعد رضی اللہ عنہ نے تورات کے مطابق [استثناء باب ۲۰] فیصلہ کر دیا کہ بنوقریظہ کے بالغ مرد قتل کیے جائیں ،عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں بانٹ دیا جائے [میزان طبع سوم مئی ۲۰۰۸، باب قانون جہاد ص ۵۹۹، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۹۷]

تورات کی ایک ہی آیت کے دو معانی بتانا غامدی صاحب کا کمال ہے اللہ کی کتاب کے معانی میں تحریف کی سزا کیا ہے یہ غامدی صاحب ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ مقامات میں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ''خدا کی کسی کتاب میں تضادات اور احتمالات نہیں ہوتے وہ ہمیشہ قطعی الدلالۃ ہوتی ہے'' [مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۶] یہ تمام دعوے Oxymoron ہیں

کفار ومشرکین سے غامدی صاحب کے موالات محبت اور مودت کے کئی رنگ

قرآن کے بارے میں غامدی صاحب کے متناقض Oxymoron اصول

کافر مشرک کے لئے دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے: غامدی: البیان جلد دوئم لاہور المورد طبع اول اگست ۲۰۱۴ء ص ۳۹۵

کسی کافر کو کافر و مشرک نہیں کہا جاسکتا صرف غیر مسلم کہہ سکتے ہیں: غامدی: انٹرنیٹ پر مضمون مسلم اور غیر مسلم، مرسلہ سمیع اللہ سعدی بلوچستان

قرآن کی سورہ توبہ کی آیت [۹:۱۱۳] کے تحت اللہ نے صحابہ کرام کو کفار و مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے روک دیا غامدی صاحب اللہ سے بھی بڑے ہیں انہوں نے کفار و مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کی اجازت دے دی: البیان جلد دوم ۲۰۱۴ء ص ۳۹۵

غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ قرآن قطعی الدلالۃ ہے مگر میزان کے باب ایمانیات میں وہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن قطعی الدلالۃ نہیں ہے لہٰذا قرآن کی واضح تصریحات کے باوجود کہ دوزخ ابدی ہے غامدی صاحب یہ امید ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دن دوزخ کی بساط لپیٹ دی جائے گی اللہ یہ حق رکھتا ہے کہ اپنی رحمت سے دوزخ کو خاک و راکھ بنا دے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۹۱۔ قرآن کی آیات کیے دو معنی کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ غامدی صاحب کے اصول کے تحت قرآن کی ایک آیت بھی اصلاً محتمل الوجوہ نہیں ہے [مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۳۴] کوئی محتمل الوجوہ کلام قطعی الدلالۃ نہیں ہوسکتا [غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۴] خدا کی کسی کتاب میں تضادات و احتمالات نہیں ہوتے وہ ہمیشہ قطعی الدلالۃ ہوتی ہے" [مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۶] یہ تمام دعوے Oxymoron ہیں

محترم عمار ناصر وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

غامدی صاحب کے تفردات اجتہادات اور تحقیقات کے رنگا رنگ بحر بے کنار کے چند موتی آپ بھی ملاحظہ کیجیے

جناب غامدی صاحب نے برہان میں پہلی مرتبہ ۱۹۹۰ء میں یہ اجتہاد کیا تھا کہ تکفیر کا حق کسی داعی کو حاصل نہیں ہے حضور ﷺ کے بعد تکفیر کا یہ حق اب قیامت تک کسی فرد یا جماعت کو بھی حاصل نہیں رہا کہ وہ کسی شخص کو کافر قرار دے مسلمانوں کا نظم اجتماعی بھی زیادہ سے زیادہ کسی شخص یا گروہ کو غیر مسلم قرار دے سکتا ہے اسے کافر قرار دینے کا حق نہیں [غامدی: برہان لاہور المورد طبع چہارم جون ۲۰۰۶ ص ۲۹۷] اب ارتقاء ہوا تو حضرت والا نے فرمایا کہ مسلمان تو مسلمان اب کافر کو بھی کافر و مشرک نہیں کہہ سکتے [غامدی: مسلم و غیر مسلم انٹر

نیٹ پر غامدی صاحب کا تازہ مضمون اور نیا موقف]

لیکن حضرت کی حرارت ایمانی میں مزید اضافہ ہوا تو جوش جنوں اور سوز دروں کے باعث البیان میں حضرت کا تازہ فتویٰ یہ آیا ہے کہ کفار و مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے۔ البیان سورہ توبہ کی آیت ۱۱۴ کی شرح وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ [۹:۱۱۴] میں اس فتوے کی تقریر غامدی صاحب اس طرح کرتے ہیں

''نبی اور اس کے ماننے والوں کے لیے زیبا نہیں کہ (جن) مشرکین (سے اعلان براءت ہو چکا ہے، اُن) کے لئے مغفرت کی دعا کریں، اگرچہ وہ اُن کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ اُن پر کھل چکا کہ وہ دوزخ کے لوگ ہیں'' [التوبہ ۹:۱۱۳] یہ اس مرحلے کا حکم ہے، جب پیغمبر کی طرف سے اتمام حجت اور اعلان براءت کے بعد بھی لوگ ایمان لانے سے انکار کردیں۔ پیغمبر اور اس کے ساتھیوں کی دعائیں قوم کے لیے خدا کی امان ہوتی ہیں۔ جزاو سزا کے اس مرحلے میں ضروری تھا کہ اُنھیں اس امان سے محروم کردیا جائے اور جو عذاب ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے، وہ اس کو بھگتنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر یہ دعائیں حمیت حق کے بھی منافی تھیں، اس لئے کہ اس وضاحت کے بعد کہ وہ جہنم کے مستحق ہو چکے ہیں، اگر کسی رشتہ و تعلق کی بنا پر مغفرت کی دعا کی جائے تو اس کے صاف معنی یہی ہوں گے کہ قرابت کی حمیت حمیت حق پر غالب ہے۔ نبی ﷺ کے بعد البتہ اس طرح کے اتمام حجت اور اعلان براءت کا موقع باقی نہیں رہا۔ چنانچہ کوئی حرج نہیں کہ کفر و شرک کے کسی مرتکب کے لیے بھی ان الفاظ میں دعا کردی جائے۔ [غامدی: البیان جلد دوم طبع اول ۲۰۱۴ء ص ۳۹۴۔۳۹۵]

کفار و مشرکین کے لیے صرف دعائے خیر پر معاملہ ختم نہیں ہوا غامدی صاحب نے میزان میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر رحمان رحیم اور کریم بننے کی کوشش کرتے ہوئے کافروں اور مشرکوں کو عذاب الٰہی سے بچانے کے لیے یہ امید، تحقیق اور یقین ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم اور کفار کو جلا کر خاک و راکھ کردیں گے تاکہ کافروں کو مزید اذیت نہ ہو اس اصول کی تقریر میزان میں اس طرح کرتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کی ان تصریحات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا کہ مجرموں کی تعذیب کے لیے دوزخ ہمیشہ قائم رکھی جائے گی اس کے باوجود توقع کی جاسکتی ہے کہ ایک دن اس کی بساط لپیٹ دی جائے اللہ تعالیٰ دوزخ کو خاک و راکھ بنادے [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۹۱]

حیرت ہے کہ غامدی صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ قرآن قطعی الدلالۃ ہے مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۱، ص ۱۳۷،۔ قرآن کے الفاظ اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہیں جو کچھ کہنا چاہتا ہے پوری قطعیت کے ساتھ کہتا ہے اس کے الفاظ اپنا مفہوم پوری قطعیت کے ساتھ واضح کرتے ہیں [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۲۵] قرآن میں ایک سے زیادہ تاویلات کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۲۔ اس کے باوجود

غامدی صاحب ایک جانب میزان میں یہ لکھتے ہیں مجرموں کی تکذیب کے لیے دوزخ ہمیشہ قائم رکھی جائے گی[میزان ۲۰۱۵ء،ص۱۹۱] پھر اس کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں کہ دوزخ خاک وراکھ کردی جائے گی کفارومشرکین اس کی مٹی میں دفن ہوجائیں گے[میزان ۲۰۱۵ء،ص۹۱]تو کیا دوزخ کے خاتمے کی اطلاع ان کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے یا قرآن کے الفاظ سے یہ شبہ ہوا ہے ہر دوصورتوں میں قرآن قطعی الدلالۃ نہیں رہا۔

میری زندگی کا مقصد خانقاہ کا قیام ہے: غامدی، مقامات، ص ۴۶

تصوف کے سب سے بڑے دشمن غامدی صاحب خانقاہ کی پناہ گاہ میں

امت کے غموں نے حضرت والا کو آخر کار صوفی بنا دیا

ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ علماء وصالحین کی صحبت سے مستفید ہوں: غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۴۶

غامدی صاحب نے امام ابن تیمیہ کو اپنے مکتب فکر کا امام تسلیم کیا امام صاحب خود تصوف کے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے وہ خود صوفی مرشد تھے انھیں شیخ عبدالقادر جیلانی کا خرقۂ تصوف ابن عربی عمر بن قدامہ (وفات ۶۸۲ھ) نے عطا کیا تھا امام تیمیہ ایک سے زیادہ سلاسل تصوف میں نسبت رکھتے تھے جارج مقدیسی امریکی جرنل آف اسلامک اسٹڈیز ۱۹۷۸ء

آخر عمر میں میری تمام سعی وجد وجہد کا نچوڑ اب یہ ادارہ خانقاہ ہے: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۴۶

زندگی کے تمام دن میں اب علمی کاموں کے علاوہ اسی کے لیے (خانقاہ کے قیام کے لیے) وقف کر چکا ہوں

: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۴۶

حمید الدین فراہی شبلی نعمانی بھی آخر عمر میں مولانا وارث حسن سے بیعت ہو چکے تھے سلیمان ندوی حیات شبلی لاہور بک ٹاک ۲۰۱۴ء ص ۸۱۶

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

میرے نہایت محترم ومکرم غامدی صاحب جو عربی زبان سے معمولی شد بد رکھتے ہیں اور لغت کے ذریعے عربی میں الٹے سیدھے مضامین لکھتے رہے حضرت والا نے برہان میں اسلام اور تصوف پر مضمون لکھا اس مضمون میں اشتعال اور غصے کے عالم میں تصوف کو متوازی دین، ضلالت، بدعت، جہالت، گمراہی بلکہ کفر قرار دیا متوازی دین کا یہی مطلب ہے (تفصیلات کے لیے برہان ۲۰۱۴ء ص ۱۸۱ تا ۲۱۰ مضمون اسلام اور تصوف ملاحظہ کیجیے لیکن اس کے بعد حضرت والا کا

ارتقاء ہوگیا انھیں تصوف کا ادارہ خانقاہ ایک روحانی نورانی ادارہ نظر آیا جہاں سے ان کے افکار روایت کے ملبوس میں زیادہ بہتر طریقے سے اثر انداز ہو سکتے تھے لہٰذا انہوں نے مشرکوں، کفار، بدعتیوں کے اس ادارے کو اپنی میراث کے طور پر قبول فرمالیا۔

غامدی صاحب اپنے مریدین متوسلین معتقدین اور عامۃ المسلمین کو مقامات میں ہدایت کرتے ہیں کہ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علماء وصالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، ان سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر وعبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب ونظر کا اہتمام کریں۔ میری تمام سعی و جہد کا محوراب یہی ادارہ (خانقاہ) ہے۔ زندگی کے جتنے دن باقی ہیں اپنے علمی کاموں کے علاوہ اسی کے لیے خاص کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے علم وعمل میں اخلاص کی دعا ہے [غامدی، مقامات، ص ۴۶] غامدی صاحب نے اس خواب کی تعبیر کے لیے پہلے ''دانش سرا'' کے نام سے ادارہ قائم کیا جس میں ایک کونہ خانقاہ کے نمونے پر تعمیر کیا گیا تھا جہاں وہ ایک مربی اور معلم کو تعینات کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اس کا پہلا تجربہ کراچی کی دانش سرا سنو وہائٹ چیمبرز بہادر آباد کے دفتر میں کیا گیا مگر کوئی مربی و معلم موجود نہ تھا جو اس خانقاہ کو آباد کرتا اور خود کو ایک صوفی، مربی کے طور پر ایک غار میں مقید کرتا ریحان یوسفی، ڈاکٹر حبیب الرحمان مرحوم، عامر گزدر وغیرہ اس تجربے سے کنارہ کش ہی رہے لہٰذا عملاً خانقاہ قائم نہ ہوسکی بلکہ دانش سرا بھی بند ہوگیا

غامدی صاحب کے تمام اصول فلسفے نظریے عقیدے متناقض Oxymoron ہیں ایک جانب ان کا دعویٰ ہے کہ تصوف متوازی دین ہے لیکن متوازی دین کا قائم کردہ ادارہ خانقاہ ٹھیک ہوتا ہے بس اس کا دین غلط ہوتا ہے

غامدی صاحب پہلے پہل صرف ''دبستان شبلی ''اور شبلی کو جدید وقدیم کا سنگم تسلیم کرتے تھے۔مقامات میں ان کا مضمون ''دبستان شبلی'' دیکھا جاسکتا ہے[مقامات ۲۰۰۸ء طبع اول جعلی اشاعت دبستان شبلی ص۵۴ تا ۶۰]مگر ۲۰۱۳ء میں انہوں نے شبلی ،فراہی ،اصلاحی یعنی دبستان شبلی کے بجائے امام ابن تیمیہ کو اپنے مکتب فکر کا امام تسلیم کرلیا۔یعنی وہ ہندوستان کے شبلی ،فراہی ،اصلاحی کے مقامی ،علاقائی ،ہندی اثر سے نکل کر امام ابن تیمیہ تک پہنچ گئے۔

حیات شبلی کے مصنف نے شبلی کے حوالے سے لکھا کہ میری (شبلی کی) عجیب قسمت ہے کہ میں تو پکا حنفی ہوں اور جو مجھ سے پڑھتا ہے وہ اہل حدیث ہو جاتا ہے۔حمید الدین فراہی کا یہی حال ہوا اور تمہارا بھی (سلیمان ندوی) یہی حال ہے [سلیمان ندوی حیات شبلی لاہور بک ٹاک ۲۰۱۴ء ص ۸۰۶]

لیکن شبلی فراہی اور سلیمان ندوی سب کے سب آخر کار خانقاہی حصار میں آ گئے غالباً اسی لیے جاوید غامدی صاحب بھی آخر عمر میں خانقاہ کی پناہ میں آ گئے ہیں۔

سلیمان ندوی لکھتے ہیں شبلی کو آخری زمانے میں روحانی جستجو کی کشش پیدا ہو گئی تھی اس زمانے میں بعض صوفیوں سے بھی ملاقاتیں کیں ایک دفعہ ایک ملاقات میں مولانا وارث حسن صاحب نے جن سے مولانا کے بھائی مولانا حمید الدین فراہی الہ آباد یونیورسٹی کی عربی پروفیسری کے زمانہ میں جو شاید ۱۹۱۰ء ہو بیعت ہو چکے تھے مولانا کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن مولانا نے تقلیدی بیعت پسند نہیں کی مگر ان کو مانتے تھے۔

آخر زمانہ کی فارسی غزلوں میں مولانا پر تصوف کا رنگ غالب آ رہا تھا اور انھیں اس کی تلاش تھی کہ ان کی اس شراب حقیقت کا پیر مغان کون ہے ایک دفعہ خواجہ حسن نظامی کے حلقہ مشائخ میں انہوں نے ۲۰۱۴ء میں تصوف پر تقریر فرمائی جو بڑی

جامع مانع تھی تقریر کے بعد خواجہ صاحب نے کہا کہ اگر تصوف قالی چیز ہوتی تو میں آج آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا اگر زندگی کچھ روز وفا کرتی تو عجب نہیں کہ یہ قال حال بن جاتا (سلیمان ندوی حیات شبلی لاہور بک ٹاک ۲۰۱۴ء ص ۸۱۶)۔

بنیادی سوال صرف یہ ہے کہ دبستان شبلی کے تمام لوگ تصوف اور خانقا کی پناہ میں کیوں گئے حمید الدین فراہی نے مولانا وارث حسن سے بیعت کی سلیمان ندوی نے مولانا اشرف علی تھانوی کا دامن تھام لیا شبلی نے قال و حال میں مولانا وارث حسن کو اختیار کیا مگر تقلیدی بیعت نہیں کی شبلی آخری عمر میں امام ابن تیمیہ سے بہت متاثر تھے یہی حال غامدی صاحب کا ہے ۲۰۱۳ء میں انھوں نے امام ابن تیمیہ کو اپنے مکتب فکر کا امام تسلیم کر لیا اشراق میں ان کا وہ خطاب دیکھ لیجیے جس میں وہ مغرب کے سامعین سے اسلام پر مخاطب ہیں لیکن خود ابن تیمیہ بھی تو آخر عمر میں تصوف اور خانقاہ کے اسیر ہوئے غامدی صاحب اپنے غالی معتقد اور بے غرض مقلد۔ اقبال اکیڈمی کے سابق ناظم سہیل عمر سے ہی ابن تیمیہ کے تصوف کے بارے میں پوچھ لیتے جنھوں نے اپنے مجلّے ''روایت'' میں ایک مرتبہ امام ابن تیمیہ کے قادری سلسلے میں بیعت سے متعلق مقالہ شائع کیا تھا۔

امریکن جنرل آف اسلامک اسٹڈیز ۱۹۷۸ء میں George Maqdisi کا نادر مقالہ Ibn Taymiyya A Sufi Qadiriyya order امام ابن تیمیہ کو قادری سلسلے کا ایک اہم صوفی ثابت کرتا ہے واضح رہے کہ امام صاحب کے فتاویٰ کی جلد گیارہ اور جلد بارہ تصوف سلوک پر ہے۔ یعنی فتاویٰ ابن تیمیہ (جلد ۱۱،۱۲) سلوک و طریقت اور تصوف کے بارے میں ہیں اسی جلد میں ان کی ابن عربی کے بارے میں یہ رائے بھی درج ہے کہ ہم بچپن میں ان کی تصانیف شوق سے پڑھا کرتے تھے نیز یہ کہ ان کے تخیل کی پرواز کس قدر رفیع ہے مگر کبھی کبھی وہ غلطی بھی کرتے ہیں۔

جارج مقدیسی بہت اہم مفکر ہے اس نے امام ابن تیمیہ کے صوفی ہونے کے دلائل ابتدائی ماخذات سے تلاش کیے ہیں ثانوی ماخذات سے نہیں اس نے امام صاحب سے متعلق حنبلی علماء کے مخطوطات اور بنیادی ماخذات تک رسائی کی اور ان مخطوطات کتابیات سے اپنا نتیجہ تیار کیا اپنے مقالے میں اس نے گولٹ تسیتھر کی کتاب الظاہریون ۱۸۸۴ء اسی مصنف کی ایک اور کتاب تاریخ تحریك حنابله ۱۹۰۸ء، مارٹن شرائز کی اسلامی علم کلام کی تحریکوں کا مطالعه ۱۸۹۸ء کی روشنی میں امام صاحب کا روحانی ہالا تیار کرنا شروع کیا۔ اس کی تحقیق کے مطابق مستشرق لاؤس پہلا آدمی ہے جس کا خیال ہے کہ امام ابن تیمیہ کی تصانیف میں تصوف کی تردید کا شائبہ تک نہیں البتہ انہوں نے تصوف حلولی پر ضرور پکڑ کی

مقدیسی نے تحریف وتدلیس سے نہیں تحقیق سے کام لیا ہے۔ مقدیسی نے دراسات العربیه والا سلامیه کی چوتھی کانفرنس پرتگال میں میں ایک مقالہ پڑھا تھا ''تصوف اور حنبلی مکتب فکر '' یہ ایک نہایت اہم مقالہ ہے جس میں اس نے حنابلہ اور تصوف کی مخاصمت کے تاریخی افسانے کا علمی تحقیقی بنیادوں پر استرداد کیا ہے اس نے ان دستاویزات کا بھی حوالہ دیا ہے جن میں بعض حنبلی فقہاء کے روحانی سلسلہ نسبت کا بیان تھا۔

مقدیسی کی تحقیق کے مطابق قادریہ سلسلے کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی نے ابوعمر بن قدامہ (۱۲۱۰/۶۰۷) اور ان کے بھائی موفق الدین بن قدامہ (۱۲۲۳/۶۲۰) دونوں کو خرقہ خلافت عطا کیا تھا اول الذکر کے فرزند اور موخرالذکر کے بھتیجے ابن عربی عمر بن قدامہ (متوفی ۶۸۲ ھجری) کو اپنے والد اور چچا دونوں سے براہ راست خرقہ ملا اور یہ ابن قدامہ ہیں جنھوں نے ابن تیمیہ کو خرقہ خلافت عطا کیا

یہ شجرہ روحانی ابن تیمیہ کے واسطے سے ابن قیم الجوزیہ (۱۳۵۰/۷۵۱) مصنف مدارج السالکین تک پہنچا

ہے یہ کتاب مشہور حنبلی صوفی خواجہ انصار ہروی کی کتاب منازل السائرین کی شرح ہے ابن قیم کے بعد اس سلسلہ بیعت کا آخری نام ابن رجب (۱۳۹۳/۷۹۵) کا ہے جو حنابلہ کے سوانح نگار بھی ہیں یہ شجرہ ایک حنبلی عالم یوسف بن الھادی کی تصنیف میں محفوظ ہے جس کا عنوان ہے بداء العلقه بلبس الخرقه اس کا مخطوطہ پرنسٹن یونیورسٹی میں موجود ہے دوسرا مخطوطہ چسٹر بیٹی لائبریری ڈبلن میں موجود ایک مخطوطے سے ابن تیمیہ کے اس شجرہ تصوف کی ایک اور اہم شہادت ہے مخطوطے کا عنوان ہے ترغیب المتحابین فی لبس خرقه المتمترین مصنف جمال الدین الطبلیانی اس میں امام ابن تیمیہ کے اپنے فقرے کا حوالہ ہے مجھے سیدنا عبدالقادر الجیلانی کا بابرکت خرقۂ تصوف نصیب ہوا اور میرے اور ان کے مابین دو صوفی مرشد تھے

ناصرالدین کی اطفاء الحرقات الحوبة بالباس خرقه التوبة مفقود کتاب ہے مگر اس کے بعض حصے یوسف بن الھادی کی بداء العلقه میں محفوظ ہیں جس میں ابن تیمیہ کا ایک بیان درج ہے جس میں انہوں نے اپنی ایک سے زیادہ سلاسل تصوف میں نسبتوں کا اثبات کیا ہے اور قادریہ سلسلے کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ابن تیمیہ کو انتقال کے بعد دمشق کے گورستان صوفیاء میں دفن کیا گیا تھا۔

کیا غامدی صاحب اپنے شیخ کے راستے پر چل پڑے ہیں اگر واقعی ایسا ہے تو وہ اپنی تمام گم راہیوں سے رجوع کر لیں گے ہمیں امید ہے کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔دیکھیے امید کا یہ چراغ کب تک روشن رہتا ہے۔

ہمیں خطرہ یہ ہے کہ ان کا ارتقاء نہ ہو جائے اور وہ شبلی فراہی اصلاحی کی طرح امام ابن تیمیہ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لیں کیونکہ ارتقاء ان کا بنیادی بدیہی اصول ہے۔

غامدی صاحب کی تمام دینی اصطلاحات بھی متناقض [Oxymoron] ہیں

اعتکاف سنت ہے: غامدی، میزان، لاہور، المورد طبع دہم ۲۰۱۵ء، ص ۱۴

اعتکاف سنت ثابتہ ہے: غامدی البیان اول لاہور المورد طبع اول اگست ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۹

اصطلاحات کے معنی میں تغیر و تبدل کی اجازت کسی شخص کو نہیں دی جاسکتی اس معاملے میں ادنی انحراف بھی پورے دین کو کچھ کا کچھ بنا دے سکتا ہے [غامدی مقامات لاہور المورد طبع دوم ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۴]

امام زہری تدلیس وادراج کے مرتکب تو تھے ہی لیکن ان کے بہت سے تضادات بھی سامنے آتے ہیں ان سے کوئی جب لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق ان کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نقیض Oxymoron ہوتا تھا انھیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس سے پہلے وہ کیا کہہ چکے ہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۱، ۳۲

غامدی صاحب کا حال بھی یہی ہے وہ ایک ہی اصطلاح کے تین چار مطلب بتاتے ہیں مگر پھر بھی معتبر ہیں

مہر اور قربانی کی اصطلاحات کو متنازعہ بنانے کے بعد اب اعتکاف کی اصطلاح کو بھی غامدی صاحب نے اپنی تحقیقات تفردات اور سیماب صفتی کے باعث متنازعہ بنا دیا

غامدی صاحب ایک ہی اصطلاح کے دو تین چار پانچ معانی بتاتے ہیں

غامدی صاحب اصطلاحات کے ساتھ یہ کھیل کب تک جاری رکھیں گے

میرے محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

قربانی کے بعد مہر اور اعتکاف کی عبادت اور اصطلاح بھی غامدی صاحب کے تنوع تفرد کے باعث متنازع ہوگئی۔ اعتکاف کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱) اعتکاف سنت ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۴۔

(۲) اعتکاف سنت ثابتہ ہے: غامدی، البیان، جلد اول ص ۱۹۹۔

(۳) اعتکاف روزے کی عبادت ہے اور لازمی عبادت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۵۴۔

(۴) اعتکاف کی عبادت رمضان کے مہینے میں لازم ہے مگر روزوں کی طرح لازم نہیں ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۵۴

غامدی صاحب میزان کے باب اصول اور مبادی اور قانون معاشرت میں مہر کی متفقہ اسلامی اصطلاح کے بارے میں متضاد آراء کا اظہار

کرتے ہیں غامدی صاحب صرف ایک اصطلاح مہر کے چھ مطالب بتا رہے ہیں:

(۱) مہر سنت: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۱۴

(۲) مہر فرض ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۱۴، ۴۱۵

(۳) مہر خدا کا عائد کردہ فریضہ ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۱۵

(۴) مہر قدیم سنت ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۱۵

(۵) قرآن نے سورۂ نساء میں مہر کو فرض قرار دیا ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۱۴

(۶) مہر حق واجب ہے: میزان: ۲۰۱۵ء، ص۴۴۶

ایک اصطلاح کے چھ معانی، چھ مطالب، چھ مفاہیم آخر کیوں؟

اسی فراخی، بے باکی، وسعت ظرفی کے ساتھ اعتکاف کے بارے میں فرماتے ہیں:

(۱) اعتکاف کی سنت تمام انبیاء کے دین میں ہمیشہ جاری رہی اس لیے اعتکاف سنت ثابتہ ہے: البیان، جلد اول ص۱۹۹ محولہ بالا

(۲) اعتکاف سنت ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۱۴

(۳) روزے کی یہ عبادت (اعتکاف) مسلمانوں پر رمضان کے مہینے میں لازم کی گئی ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۳۵۴

(۴) اعتکاف اگرچہ رمضان کے روزوں کی طرح لازم تو نہیں کیا گیا لیکن تزکیہ نفس کے نقطۂ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے اس سے نفس پر تجرد کی جو حالت طاری ہوتی ہے اس سے مقصود درجہ کمال حاصل ہوتا ہے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص۳۵۴

(۱) قربانی کے بارے میں بھی حضرت نے متنازع متضاد Oxymoron خیالات ظاہر کیے تھے لکھتے ہیں قربانی سنت ہے: میزان ۲۰۱۵ء، ص۱۴

(۲) قربانی حج وعمرہ کے موقع پر اور عیدالاضحیٰ کے دن ہم ایک نفل عبادت کے طور پر پورے اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں: میزان، ص۴۰۲

(۳) قربانی ایک نفل عبادت کے طور پر عیدالاضحیٰ کے علاوہ بھی کی جاسکتی ہے: میزان ۲۰۱۵ء، ص۴۰۴

غامدی صاحب ایک اصطلاح کے دو تین چار مختلف متضاد Oxymoron متناقض معانی بتا رہے ہیں یہ طریقہ علم کی دنیا میں

ناقابل قبول طریقہ ہے خود غامدی صاحب کے اپنے اصولوں کے مطابق اگر کوئی شخص ایک ہی بات کے تین مختلف متضاد جواب دے تو وہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس کی کوئی روایت قبول کی جائے اپنے اس اصول کی تقریر وہ میزان کے باب اصول ومبادی میں اس طرح کرتے ہیں:

امام زہری تدلیس وادراج کے مرتکب تو تھے ہی لیکن ان کے بہت سے تضادات بھی سامنے آتے ہیں ان سے کوئی جب لکھ کر دریافت کرتا تو علم وعقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق ان کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نقیض Oxymoron ہوتا تھا انھیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس سے پہلے وہ کیا کہہ چکے ہیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۳۱، ۳۲

میرے محترم غامدی صاحب کا حال بھی یہی ہے انھیں احساس ہی نہیں ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں جب اس اصول کی بنیاد پر غامدی صاحب امام زہری کی روایت قبول نہیں کرتے تو غامدی صاحب کے اصول کے تحت ان کا دین کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟

دینی اصطلاحات کے ساتھ یہ کھیل غامدی صاحب کے اپنے اصول کے خلاف ہے مقامات میں لکھتے ہیں ہجرت قرآن وحدیث میں بطور اصطلاح مستعمل ہے اور اصطلاحات کے معنی میں تغیر وتبدل کی اجازت کسی شخص کو نہیں دی جاسکتی اس معاملے میں ادنی انحراف بھی پورے دین کو کچھ کا کچھ بنادے سکتا ہے [غامدی مقامات لاہور المورد طبع دوم ۲۰۰۶ء، ص۱۵۴]

میرے نہایت محترم غامدی صاحب اپنے اس اصول سے خود انحراف کر کے دین کو کچھ سے کچھ بنا رہے ہیں جو خطرناک کھیل ہے حالانکہ اس اصول کی اتباع اور تقلید غامدی صاحب پر فرض ہے کیوں کہ میزان میں انہوں نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ آدمی اپنے اجتہاد کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے چنانچہ قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے: میزان ۲۰۱۵ء، ص۳٦٦

ہم غامدی صاحب کو خائن کہنے کی جرات تو نہیں کر سکتے لیکن ان کا تخلیق کردہ اصول ان کے بارے میں یہی حکم لگا رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں غامدی صاحب کے بارے میں کسی بدگمانی سے محفوظ رکھے اور انھیں رجوع حق کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو غامدی صاحب کی طرح آزاد خیالی کے آزار سے محفوظ رکھے۔

☆

دین کی حقانیت، صداقت اور الحق ہونے کے بارے میں غامدی صاحب کے Oxymoron خیالات

داعی اپنے دین میں کسی حال میں ترمیم واضافہ نہ کرے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

میں پیش کردہ دین میں ہر وقت ترمیم واضافہ کے لیے تیار ہوں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۶۵۰

دین حق کے داعی پر دین اللہ کی طرف سے واضح ہوتا ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

میں اللہ کی طرف سے واضح اس دین میں ہر وقت ترمیم وتغیر کے لیے تیار ہوں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۶۵۰

قطعیت احتمال کی نفی ہے جو علم قطعی الدلالہ نہ ہو وہ ظن ہے علم نہیں: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۸

جناب محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون جاوید غامدی صاحب یا کوئی اور

سیّد خالد جامعی

میرے محترم جناب غامدی صاحب نے دین کی ایک نئی تعبیر، تشریح، توضیح، تفسیر، تقریر میزان کے نام سے ۲۰۰۸ء میں مفصل طریقے سے پیش کی تو اس کتاب کے باب قانون دعوت میں اپنے پیش کردہ دین کی حقانیت، صداقت ثابت کرنے کے لیے آٹھ اصول بھی پیش کیے ہم ان آٹھ اصولوں کی روشنی میں غامدی صاحب کے پیش کردہ دین کا جائزہ لیں گے کہ آیا ان کا دین جو میزان میں مقید ہے ان کے آٹھ اصولوں پر پورا اترتا ہے یا نہیں کیونکہ غامدی صاحب صرف اور صرف اپنے اصولوں کو ہی حجت مانتے ہیں اور میزان کے باب قانون عبادات میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں لکھا ہے مجتہد کے لیے اپنے اجتہاد کی خلاف ورزی جائز نہیں چنانچہ قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۶ قانون عبادات روزہ

ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ غامدی صاحب نے اپنے اجتہاد کی تقلید کی ہے یا اپنے ہی اصولوں اور اجتہادات سے انحراف کر کے اپنے ضمیر کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔

العلم الدین کے آٹھ بنیادی اصول: غامدی

(۱) داعی دنیا کے سامنے بے کم وکاست دین پیش کرے وہ کسی حال میں بھی اس دین میں ترمیم اضافہ کرنے کے لیے تیار نہ ہو: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

(۲) داعی کا کلام ابہام سے پاک ہو: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۷۰

(۳) داعی جس دین کی طرف لوگوں کو بلائے سب سے پہلے خود یہ اعلان کرے کہ وہ اس دین پر پورے دل و جان سے ایمان لا چکا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۵۳

(۴) وہ جو دین پیش کرے وہ اس کے دل کی آواز اور روح کی صدا ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

(۵) داعی بالکل آخری درجے میں اس دین کو اختیار کرے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر واضح ہوا ہے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

(۶) داعی اپنے پیش کردہ دین سے گھبرا کر اپنے موقف میں کوئی ترمیم و تغیر کرنے کے لیے تیار نہ ہوں: غامدی ۲۰۱۵ء ص ۵۵۹

(۷) داعی جس دین حق کو لے کر اٹھے اس پر ان کا ایمان راسخ ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۱

(۸) داعی اپنے دین کو آخری درجے میں اختیار کرے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر واضح ہوا ہے: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

میں پیش کردہ دین میں ہر وقت ترمیم کے لیے تیار ہوں: غامدی

یہ آٹھ اصول بیان کرنے کے بعد وہ گھبرا کر اپنے دین سے دستبردار ہو جاتے ہیں اور میزان کے خاتمے میں لکھتے ہیں کہ میرا دین قابل اصلاح ہے اس میں غلطیاں پہلے بھی تھیں اب بھی ہوں گی ماضی میں بھی اس دین کی اصلاح کی طرف لوگوں نے توجہ دلائی تنقید کی تو ان کے کہنے پر بھی میں نے اپنے دین کی اصلاح کی لہٰذا مستقبل میں بھی اپنے دین کی اصلاح خود اپنی تحریک پر یا کسی کے توجہ دلانے پر کرتا رہوں گا میزان کی اصل عبارت پڑھیے:

میزان اس پورے دین کا بیان ہے جو انسانیت کو دیا گیا اسے بے کم و کاست اور خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر اس کتاب میں پیش کر دیا گیا ہے تاہم یہ ایک انسان کا کام ہے جو کسی طرح غلطیوں سے مبرا نہیں ہو سکتا میں بار بار اسے دیکھتا اور اس میں ترمیم و اضافہ کرتا رہا ہوں میں ہر وقت اس کے لیے تیار ہوں کہ آئندہ بھی اس کتاب کی جو غلطی مجھ پر واضح ہو جائے گی یا واضح کر دی جائے گی انشاء اللہ اس کی اصلاح کروں گا: غامدی، میزان، خاتمہ، ۲۰۱۵ء، ص ۶۵۰

حیرت ہے کہ غامدی صاحب کا اپنے پیش کردہ دین پر ایمان ہی نہیں ہے نہ اس دین پر یقین ہے یہ محض دلائل کا دین ہے وہ ارسطو کی طرح اس قول کے قائل ہیں کہ میں ادھر چلا جاؤں گا جدھر مجھے دلیل لے جائے گی اور غامدی صاحب کی دلیل ارتقاء کے اصول کے تحت بدلتی رہتی ہے لیکن خود ارتقاء کے اصول کی دلیل کیا ہے؟ اس اصول کا ماخذ کیا قرآن و سنت ہے؟ اس بارے میں بس گھمبیر خاموشی ہے۔

وہ میزان میں یہ بھی لکھتے ہیں داعی اپنے دین پر ایمان کامل رکھتا ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۱، ۵۵۲، سوال یہ ہے کہ ایمان سے کیا مراد ہے؟

ایمان کی تشریح میں وہ میزان کے باب ایمانیات میں لکھتے ہیں

جب کسی چیز کو دل کے پورے یقین کے ساتھ مان لیا جائے تو اسے ایمان کہا جاتا ہے ایمان کے دو شاہد ہیں ایک قول دوسرا عمل

(غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۸۱، ۸۲)

اس سے ثابت ہوا کہ غامدی صاحب کا اپنے دین پر ایمان راسخ ہی نہیں ہے اس پر انھیں یقین حاصل ہی نہیں ہے اسی لیے وہ دین میں ہر لحظہ ترمیم و تغیر کے لیے آمادہ ہیں ان کا دین مستقل مسلسل تغیر پذیر دین ہے کیا مطلق تغیر پذیر دین کو دین کہا جاسکتا ہے غامدی صاحب کے اصول کے تحت نہیں کہا جاسکتا لیکن ان کا اصرار ہے کہ میزان میں ان کی تحقیق دین ہے ان کے افکار اصول خود Oxymoron ہیں۔

<u>داعی کا ایمان اپنے دین پر کس درجے کا ہو؟</u>

فرمایاؐ میرے ہاتھ پر چاند سورج بھی رکھ دو لیکن!

داعی کو اپنے پیش کردہ دین پر کسی درجے کا ایمان ہونا چاہیے اس کی مثال غامدی صاحب نے میزان میں خود پیش کی ہے لکھتے ہیں رسالت مآب نے کہا کہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوں گا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۷۱۔ یہ داعی کا ایمان ہے کہ اس کا خالق جو چاند سورج کا بھی خالق ہے اس خالق کی مخلوق کو اگر کفار داعی کے ہاتھ پر لا کر رکھ دیں تب بھی وہ اپنے ایمان سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ ہو دین یہ ہوتا ہے اور اس طرح کا ایمان و یقین پیدا کرتا ہے نہ کہ غامدی صاحب کا دین کہ پہلے دعویٰ کیا کہ داعی دین میں ترمیم و اضافہ کے لیے تیار نہ ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲۔ پھر فرمایا میں اپنے دین میں ماضی میں بھی مسلسل مستقل ترمیم و اضافہ کرتا رہا ہوں آئندہ بھی اس کے لیے تیار ہوں: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۶۵۰

اور یہ وہ دین ہے جس کے بارے میں غامدی صاحب کا ارشاد ہے داعی اپنے دین کو بالکل آخری درجے میں اختیار کرے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر واضح ہوا ہے: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲۔ وہ جو دین پیش کرے وہ اس کے دل کی آواز اور روح کی صدا ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲۔ یہ عجیب دل کی آواز اور عجیب روح کی صدا ہے جس پر داعی کو خود یقین نہیں۔ یعنی میزان کا دین جو پروردگار نے خود غامدی صاحب پر واضح کیا ہے مگر وہ دین بے چارہ اتنا غیر واضح ہے کہ غامدی صاحب اس کی اصلاح کے لیے تیار ہیں اس میں ترمیم و

اضافہ کے لیے تیار ہیں یہ دین ہے یا کوئی تحقیقی پروجیکٹ[Pure Research Project]

<u>دنیا کچھ بھی کہے علم نقلی کی بات غلط نہیں ہوسکتی</u>

دین اپنے ماننے والوں اور پیش کرنے والوں سے کس درجے کے ایمان، یقین، عزم، اعتماد، حوصلے، ہمت، حمیت، اور غیرت کا تقاضہ کرتا ہے اس کی ایک جھلک ایک بہت بڑے عالم کی زندگی میں ملتی ہے وہ تفسیر لکھ رہے تھے

سورۂ رحمٰن کی تفسیر لکھتے ہوئے **یخرج منھما اللولو والمرجان** کے تحت جب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ عام خیال کے مطابق موتی صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں، لیکن قرآن بالکل صریح ہے کہ یہ دونوں ہی پانیوں سے نکلتے ہیں۔ عالم نے اپنے ایک شاگرد کو تحقیق کے لیے کہا شاگرد نے تحقیق کر کے بتایا کہ موتی کھاری پانی سے ہی نکلتے ہیں لوگ یہی بتاتے ہیں تو اس عالم باعمل نے صرف اپنے ایمان یقین کی بنیاد پر کسی تذبذب حیرت و تعجب اور پریشانی کا اظہار تک نہ کیا یہ بات سن کر ان کے چہرے پر تردد کی کوئی پرچھائی نہ تھی، بلکہ ایک عجیب اطمینان تھا اور ایمان کی ایک عجیب روشنی تھی۔ اس موقع پر انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم، اگر موتی خود آ کر بھی مجھے کہیں کہ وہ صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں تو میں ان سے کہہ دوں گا: تمہیں اپنی تخلیق میں شبہ ہوا ہے قرآن کا بیان کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ جس داعی کو اپنے پیش کردہ دین پر اس درجے کا ایمان و یقین حاصل نہ ہوا سے اپنا دین امت کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ دین علم الٰہی ہے اور علم کی تعریف یہ ہے کہ وہ قطعیت سے عبارت ہے وہ قطعی الدلالہ ہے اس میں کسی شک، ریب، گمان، ظن، تردد کا کوئی امکان ہی نہیں۔

دین اگر سمجھ میں نہ آئے یا قرآن کی آیت کے فہم کے حصول سے ذہن و عقل قاصر ہوں تب بھی اس پر ایمان و یقین رکھو ایمان بالغیب اسی لیے ہے ہر وہ شے جو انسان کے فہم و ادراک سے ماوراء ہے وہ اس کے لیے غیب ہی ہے لہٰذا ایمان بالغیب ہی مشکل مقامات پر انسان کے ایمان کو سلامت رکھتا ہے حمیت و غیرت دینی کا تقاضہ یہ ہے کہ میرا دین سچا ہے اس میں کوئی عیب نہیں میری عقل قلب وجدان فہم ذرائع علم میں تو عیوب ہوسکتے ہیں جو دین کا حقیقی فہم حاصل کرنے سے قاصر رہ جائیں مگر میرا دین الحق ہے اس یقین کے ساتھ دین پیش کیا جاتا ہے تب وہ دین کہلاتا ہے۔ دین کے ہر اصول اور بیان کی عقلی دلیل نہیں ہوتی۔ دین تو کیا فلسفے اور سائنس میں بھی ہر نظریے اور قضیے کی عقلی دلیل نہیں ہوتی صرف ایمان کامل ایمان راسخ اور یقین پیہم پر فلسفہ اور سائنس چلتے ہیں۔ فلسفہ سائنس کا مفکر تھامس کوہن اپنی کتاب The Structure of Scientific Revolutions میں لکھتا ہے کہ سائنس کے ایک منہاج علم سے دوسرے منہاج علم میں

جانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک مذہب ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار کر لے۔ The change of allegiance on the part of individual scientists from one paradigm to an incompatible is a Gestalt switch or a religious conversion۔سائنس کا ہر منہاج اپنے اصول، عقائد رکھتا ہے جن سے انحراف کی اجازت نہیں وہ قطعی ہوتے ہیں۔

علم دین قطعیت سے عبارت ہے یہ قطعی الدلالۃ ہے: غامدی

قطعیت احتمال کی نفی ہے قطعی کا متضاد ظن علم نہیں جہالت ہے: غامدی

دین علم ہی نہیں العلم ہے۔ غامدی صاحب نے میزان میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ علم دین ہے اور علم کی تعریف یہی ہے کہ وہ قطعی ہوتا ہے اور غامدی صاحب کے اصول کے تحت وہ علم جو قرآن سے حاصل کیا گیا ہے اس کی قطعیت میں کسی شک وشبہ کا امکان نہیں ہوسکتا خود غامدی صاحب نے مقامات میں یہی لکھا ہے۔ اپنے مضمون قطعی اور ظنی میں اس اصول کی تقریر اس طرح کرتے ہیں۔

قطعیت احتمال کی نفی ہے اسی قطعیت کو علم سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ علم اس صفت سے عبارت ہے جس سے حقائق میں ایسا امتیاز حاصل ہو جائے کہ نقیض کا احتمال نہ رہے قرآن جب اپنے بارے میں کہتا ہے وہ العلم اور الحق ہے یا اپنے اندر تضادات کی نفی کرتا ہے تو اسی حقیقت کا اعلان کرتا ہے اس کے مقابل میں لفظ ظن ہے اس میں احتمال کی نفی ممکن نہیں ہوتی صرف ایک احتمال کو ترجیح دی جاسکتی ہے: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۷، ۱۳۸

علم قطعیت کا نام ہے اس کے سات اصول ہیں: غامدی

اگر میزان میں غامدی صاحب کا پیش کردہ دین واقعتاً دین ہے تو یقیناً وہ العلم ہے یا کم از کم علم تو ہے (نعوذ باللہ)

''مقامات،، میں علم کی تعریف غامدی صاحب نے یہ کی ہے کہ

(۱) علم قطعی ہوتا ہے۔

(۲) اتنا قطعی ہوتا ہے کہ حقائق دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جائیں۔

(۳) حقائق اس طرح واضح ہوں کہ نقیض [Oxymoron] کا احتمال ہی محال ہو جائے۔

(۴) ہر وہ شے جو علم کہلانے کی مدعی ہے اس میں تضادات کا امکان نہیں ہوتا۔

(۵) علم قطعیت کا نام ہے اس کا متضاد اور مقابل ظن ہے۔

(۶) علم میں ظن کا احتمال نہیں ہوتا

(۷) ظن میں احتمال کی نفی ممکن نہیں ہوتی صرف ایک احتمال کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

<u>میزان میں پیش کردہ دین علم نہیں محض ظن ہے: غامدی</u>

ان اصولوں کی روشنی میں یہ ثابت ہوگیا کہ وہ علم جو تغیر پذیر ہو مطلق نہ ہو جس میں تصحیح، ترمیم، اضافہ کمی بیشی اور غلطی کا امکان ہمہ وقت ممکن ہو جس میں ہر لحہ احتمال خطا ہو۔ جو ظن پر مبنی ہو اور ظن پر مبنی علم میں احتمال کی نفی ممکن ہی نہیں۔ تو ایسے علم کو غامدی صاحب کی تعریف کے مطابق علم ہی نہیں کہا جاسکتا اور جو چیز غامدی صاحب کی متعین کردہ علم کی تعریف پر پوری نہیں اترتی اسے العلم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن میزان میں پیش کردہ دین دین نہیں صرف تحقیق ہے۔

جو چیز العلم نہیں۔ یقینی نہیں۔ قطعی نہیں، مطلق نہیں۔ وہ دین نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا میزان میں غامدی صاحب کا پیش کردہ دین۔ غامدی صاحب کے اصولوں کے مطابق نہ دین ہے نہ علم نہ العلم وہ محض قیاس، گمان، اندازوں، تیر تکوں، ظن، تخمین، بدلتی ہوئی آراء، نت نئی تحقیقات کا مرکب، آمیختہ اور آمیزہ ہے یہ علمی تحقیقی پروجیکٹ تو ہوسکتا ہے لیکن اسے دین نہیں کہا جاسکتا۔ ہمیں امید ہے کہ غامدی صاحب اپنے اصولوں کی روشنی میں میزان میں پیش کردہ علم دین کو آئندہ کبھی علم کے نام سے پیش نہیں کریں گے اپنے اصول کے تحت ان پر اپنے اجتہاد کی تقلید لازم ہے ورنہ یہ انحراف قرآن کی نظر میں خیانت ہے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۶

☆

غامدی صاحب کے دیباچے بھی Oxymoron ہیں

عہدِ حاضر میں: آسمان کیسے کیسے رنگ بدلتا ہے: غامدی صاحب کے چھ دیباچے

غامدی صاحب نے میزان میں اجماع کو ہی نہیں اصلاحی صاحب کے احترام کو بھی ترک کردیا

صرف تیس سال بعد غامدی صاحب کو فیض تربیت کی ترکیب بھی ترک کرنا پڑی

میزان حصہ اول استاذ امام امین احسن اصلاحی کے فیض تربیت کا نتیجہ ہے: غامدی: میزان، حصہ اول، مقدمہ، لاہور دارالاشراق ۱۹۸۵ء، ص نمبر ندارد

میزان قانون سیاست و معیشت میرے جلیل القدر استاذ امام امین احسن اصلاحی کے فیض تربیت کا نتیجہ ہے: غامدی سیاست و معیشت لاہور دارالاشراق مارچ ۱۹۹۳ء

میزان ۲۰۰۱ء میں طبع ہوئی ۲۰۰۲ء میں طبع دوم کے موقع پر دیباچے میں غامدی صاحب لکھتے ہیں میزان کی ہر محکم بات کو میرے جلیل القدر استاذ امام امین احسن اصلاحی کے فیض تربیت کا نتیجہ سمجھیے: غامدی میزان لاہور دارالاشراق ۱۲۳۔ بی ماڈل ٹاون طبع دوم ۲۰۰۲ء، ص ندارد دیباچہ

میزان قانون معیشت استاذ امام امین احسن اصلاحی کے فیض تربیت کا نتیجہ ہے: غامدی قانون معیشت لاہور المورد مئی ۲۰۰۵ء

میزان حدود و تعزیرات استاد امام احسن اصلاحی کے فیض تربیت کا نتیجہ ہے: غامدی حدود و تعزیرات لاہور المورد اگست ۱۹۹۵ء

اچانک ۲۰۱۵ء میں غامدی صاحب نے فیض تربیت کی ترکیب کو توہین سمجھتے ہوئے میزان کے دیباچے سے یہ اصطلاح خارج کردی اور اس کی جگہ ''اخذ و استفادہ'' کی ترکیب آگئی لہٰذا نئے دیباچے میں لکھتے ہیں:

میزان استاذ امام امین احسن اصلاحی کے رشحات فکر سے اخذ و استفادہ کا نتیجہ ہے: غامدی، میزان، طبع دہم ۲۰۱۵ء، ص دیباچہ، لاہور المورد، ص نمبر ندارد

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

۱۹۸۵ء میں غامدی صاحب کی پہلی کتاب میزان (حصہ اول) منظر عام پر آئی تو اس کے مقدمے میں انہوں نے اپنے استاد امین احسن اصلاحی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بڑے ادب واحترام سے لکھا:

اور اسے (میزان کو) میرے جلیل القدر استاذ امام امین احسن اصلاحی کے فیض تربیت کا نتیجہ سمجھیے (جاوید الغامدی، میزان حصہ اول، لاہور، دارالاشراق ۱۹۸۵ء ص ندارد مقدمہ کا دوسرا صفحہ)

خراج عقیدت کا یہ سلسلہ میزان کے اجزاء کی اشاعت کے دیباچوں سے لے کر میزان ۲۰۰۲ کے دیباچے اور اس کے بعد بھی میزان کے تمام ابواب کی اشاعت میں بھی پابندی سے جاری وساری رہا۔

(۱) مارچ ۱۹۹۳ء میں انہوں نے میزان کے ابواب قانون سیاست ومعیشت شائع کیے تو اس کے دیباچے میں بھی فیض تربیت کی ترکیب استعمال کی۔

(۲) ۱۹۹۵ء میں میزان کا باب حدود وتعزیرات شائع کیا تو اس کے دیباچے میں بھی استاد کا ادب اسی جملے سے کیا گیا

(۳) ۲۰۰۱ اور ۲۰۰۲ میں میزان کی جدید اشاعت سامنے آئی تو اس کے دیباچے میں بھی استاد کے ساتھ ادب و احترام کا یہ رشتہ برقرار رہا

(۴) ۲۰۰۵ء میں میزان کا باب قانون معیشت شائع ہوا تو اس میں بھی استاذ کے لیے یہی الفاظ لکھے تھے فیض تربیت کا نتیجہ

(۵) لیکن ۲۰۰۸ء میں جب میزان نو کی پہلی طباعت آئی تو رنگ محفل بدل گیا۔

۲۰۱۵ء میں میزان کی دسویں اشاعت آئی تو اس میں یہی عبارت اور بدل گئی استاذ وامام کے فیض تربیت کا نتیجہ استاذ وامام کے رشحات فکر سے اخذ واستفادہ میں تبدیل ہو گیا دیباچہ میں لکھتے ہیں

اس کتاب کی ہر محکم بات کو میرے جلیل القدر استاذ امام امین احسن اصلاحی کے رشحات فکر سے اخذ و استفادہ کا نتیجہ سمجھیے (غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ندارد دیباچہ)

فیض صحبت کا قلادہ غامدی صاحب نے گردن سے اتار پھینکا جو ہستی خود امامت کے منصب پر فائز ہونے والی ہو دوسروں کو فیضیاب کر رہی ہو وہ کسی دوسرے سے کیسے فیض یاب ہو سکتی ہے؟ تربیت صحبت اختیار کرنے سے ہوتی ہے فیض کے لیے استاد کا قرب ذاتی لازم ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ غامدی صاحب نے کسی استاد کی صحبت اختیار کی ان کے سامنے زانوے تلمذ تہہ طے کیا ان کے فیضان سے سیراب ہوئے یعنی ان کی شخصیت اب جو کچھ ہے اس تعلیم، تعلم و تدریس، تربیت، تعمیر سیرت کا اثر ہے جو استاد سے ملا لیکن غامدی صاحب کو یہ عجز و اعتراف پسند نہ آیا self made انسان کسی استاد کے بغیر خود رو پودے کی طرح اگ جاتا ہے وہی اصل Legend ہوتا ہے۔اور عبقری کے لیے کسی کا شاگرد ہونا قابل شرم بات ہوتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب نے اکتیس سال کے بعد فیض صحبت کے بجائے اخذ و استفادہ کی ترکیب استعمال کی تو کیا ہو گیا۔ بہ ظاہر بات بہت اہم تو نہیں ہے مگر بہت اہم ہے حمید الدین فراہی نے ایک مرتبہ امین اصلاحی کی جانب سے داڑھی کے بارے میں بحث ومباحثہ کا جواب دیتے ہوئے صرف یہ کہا تھا چٹکی بھر مٹی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی مگر وہ ہوا کا رخ بتا دیتی ہے بالکل اسی طرح غامدی صاحب کے ۱۹۸۵ء کے میزان، حصہ اوّل کے دیباچے کے ایک چھوٹے سے جملے کی بہت بڑی حیثیت ہے وہ جملہ ۲۰۱۵ء کے جملے کی حقیقت ماہیت اصلیت معنویت کو نمایاں کرنے کے لیے کافی ہے پہلے تمام دیباچوں میں وہ استاذ امام کے فیض صحبت کا فخریہ ذکر کرتے تھے اب ان کو صرف اپنی صحبت ہی قابل ذکر نظر آتی ہے حیرت

ہے کہ استاذ امام کی صحبت تربیت سے حضرت نے کچھ نہیں پایا بس رشحات قلم سے استفادہ کیا جب آدمی تکبر اور غرور کے راستے پر چلتا ہے تو اس کی زبان، بیان، لہجہ، قلم، تیور، اسلوب، انداز، اطوار، آداب، اقدار، تہذیب، طریقے سب کچھ بدل جاتا ہے آسمان کیسے کیسے رنگ بدلتا ہے اب معلوم ہوا۔ میرے محترم غامدی صاحب نے امین احسن کی شاگردی کو لائق اعتنا نہ سمجھا تو امت کے اکابرین کا احترام وہ کیسے کرسکتے ہیں لہٰذا ان کے یہاں امت کے اکابرین کے لیے حقارت، نفرت کا پہلو واضح طور پر نظر آتا ہے تو وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں خیر سے غامدی صاحب اب خانقاہ قائم کر کے درویش بننے جا رہے ہیں مگر تکبر غرور کی بد ترین قسم کسی درویش کا اپنی عاجزی پر تکبر ہے اگر غامدی صاحب کے دیباچے کے الفاظ ان کی عاجزی کا نمونہ ہیں تو اللہ ہم سب کو عاجزی کی اس صفت سے محروم رکھے۔

<u>انجیل کے بارے میں غامدی صاحب کے متضاد و متناقض Oxymoron افکار کا جائزہ</u>

غامدی صاحب نہ تاریخ عالم سے واقف ہیں نہ صحائف اور اساطیر کے علوم سے

انجیل بے قاعدہ غیر مرتب غیر مدون کتاب ہے۔ یہ منتشر خطبات کا مجموعہ ہے اسے مرتب و محفوظ کرنے سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کو دنیا سے اٹھالیا

گیا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۳

قرآن بھی قلم سے لکھا گیا اور اس سے پہلے کے صحیفے بھی قلم ہی کے ذریعے سے محفوظ کیے گئے۔ سورۂ قلم اس پورے مدون سرمایے کی گواہی ہے جو

تورات انجیل زبور اور قرآن کی صورت میں اللہ نے عطا کیا: غامدی، البیان، جلد چہارم ص ۲۷۰

اللہ نے نبیوں کے ساتھ خدا کی ہدایت لکھی ہوئی اور خود اس کے الفاظ میں نازل کی تاکہ لوگ اس کے ذریعے سے اختلافات کا فیصلہ

کرسکیں: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۱

انجیل اہم کتاب نہیں وہ محض تورات کی فروع ہے اصل کتاب تورات ہے: غامدی البیان جلد اول ص ۴۶۲

انجیل اہم ترین کتاب ہے حضرت مسیح کی بعثت کا خاص مقصد رسالت مآب کی آمد کی اطلاع تھی یہ حضرت مسیح کا جزوی کام نہیں تھا ان کی بعثت

کا خاص مقصد و مشن تھا: غامدی البیان جلد چہارم ص ۱۹۴ تا ۱۹۵ اپنی اہم ترین کتاب کو غیر اہم ثابت کرنا تحریری کتاب کو غیر تحریری کتاب بتانا

رسالت مآب کی بشارت انجیل کو تورات کی فرع کہنا غامدی صاحب کے Oxymoron منہاج میں ہی کیا جاسکتا ہے

<u>غامدی صاحب کے تمام افکار منتشر، متضاد، متناقض، خطبات کا مجموعہ ہیں</u>

<u>محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور</u>

سیّد خالد جامعی

جناب جاوید غامدی کو علمی دنیا میں عام طور پر بہت بڑا عالم مجتہد، فلسفی اور مفکر اسلام سمجھا جاتا ہے افسوس یہ ہے کہ میرے مکرم و محترم

غامدی صاحب نہ عربی زبان پر عبور رکھتے ہیں نہ انگریزی سے واقف ہیں نہ مغربی فلسفہ سے آ گہی رکھتے ہیں نہ ہی اسلامی علوم پر قدرت اس سلسلے میں راقم الحروف کے سلسلہ مضامین کی قسط نمبر ایک ملاحظہ کیجیے جہاں ہمارے موقف کے تمام حوالے سند کے ساتھ درج کر دیے گئے ہیں انجیل کے بارے میں غامدی صاحب کے ناپختہ غیر علمی متضاد متناقص بلکہ گستاخی کی حد تک پہنچے ہوئے افکار وخیالات کا مختصر جائزہ اس مضمون میں پیش کیا گیا۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

<u>انجیل ایک مدت بعد منتشر خطبات سے جمع کی گئی: غامدی</u>

انجیل مرتب مدون تحریری صورت میں نہیں تھی: غامدی

انجیل باقاعدہ مرتب مدون تحریری کتاب نہیں ہے۔ انجیل منتشر خطبات کا نام ہے۔ انجیل کو مرتب اور محفوظ کرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے اٹھالیا گیا انجیل محض زبانی روایتوں اور تحریری یادداشتوں کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچی مسیح کی سیرت پر ایک مدت کے بعد بعض لوگوں نے رسائل لکھنا شروع کیے تو ان میں حضرت عیسیٰ کے یہ منتشر خطبات حسب موقع جمع کر دیے گئے [غامدی: میزان ۲۰۰۸ء ص ۱۵۳]

خدا کی ہر کتاب خدا کے الفاظ میں لکھی ہوئی ہوتی ہے: غامدی

انجیل اور تمام صحیفے قلم کے ذریعے محفوظ کیے گئے: غامدی

اللہ نے نبیوں کے ساتھ اپنی کتابیں بھی نازل کیں یہ کتابیں اس لئے نازل کی گئیں کہ خدا کی ہدایت لکھی ہوئی [In Written Form] اور خود اس کے الفاظ میں [In Words of God] لوگوں کے پاس موجود رہے۔ تاکہ حق و باطل کے لئے میزان قرار پائے لوگ اس کے ذریعے سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کر سکیں [غامدی: میزان ۲۰۰۸ء ص ۱۵۱]

غامدی صاحب سورہ القلم کی پہلی آیت نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْن [۶۸:۱] کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی اس وقت لکھ رہے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید مراد ہے۔ یہ بھی قلم سے لکھا گیا اور اس سے پہلے کے صحیفے بھی قلم ہی کے ذریعے سے محفوظ کیے گئے۔اس لحاظ سے دیکھیے تو یہ درحقیقت تعلیمات الہیٰہ کے اس پورے مدون سرمایے کی گواہی ہے جو تورات، انجیل، زبور اور قرآن کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔[غامدی، البیان، لاہور المورد طبع دوم مئی ۲۰۱۴ء، جلد چہارم، ص ۴۷۰] انجیل کے بارے میں غامدی صاحب کے دونوں بیانات متضاد، متناقض Oxymoron ہیں انھیں کتاب الٰہی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس طرح مرتب مدون ہوئی جب دل چاہا انجیل کو منتشر خطبات کا مجموعہ بنا دیا جب دل چاہا انجیل کو قلم سے لکھی ہوئی با قاعدہ مدون مرتب کتاب کا درجہ عطا فرما دیا

<u>انجیل قرآن کی طرح غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے: غامدی</u>

قرآن تمام کتابوں پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے مگر ان میں سے چار کتابیں البتہ غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں تورات، زبور، انجیل قرآن [غامدی: میزان ۲۰۰۸ء ص ۱۵۱]

<u>انجیل ایک غیر اہم کتاب اور تورات کی فروع ہے: غامدی</u>

انجیل اہم کتاب نہیں وہ محض تورات کی فروع ہے قرآن سے پہلے اصل کتاب کی حیثیت تورات ہی کو حاصل تھی: غامدی البیان، جلد اول ص ۴۶۲

<u>انجیل نہایت اہم ترین کتاب ہے: غامدی</u>

انجیل کے معنی یونانی میں بشارت کے ہیں یہ بشارت رسالت مآبؐ کی آمد کی بشارت ہے لہٰذا حضرت مسیح کی بعثت کا خاص مقصد رسالت مآب کی آمد کی اطلاع تھی یہ حضرت مسیح کا ضمنی، اضافی، جزوی، غیر اہم کام نہیں تھا یہ ان کی بعثت کا خاص مقصد، وصف اور مشن تھا حضرت عیسیٰؑ نے رسول اللہؐ کے ظہور کا زمانہ بھی پوری قطعیت سے متعین کر دیا اور رسالت مآب کی آمد کی بشارت انتہائی واضح صفات کے ساتھ دیں جو آپ کے سوا کسی پر منطبق نہیں ہوسکتیں۔ غامدی البیان جلد ۴ ص ۱۹۴، ۱۹۵

جو صحیفہ اور جو پیغمبر ایک خاص مقصد کے لیے آ رہا ہو جس کا مقصد اور کام ضمنی اور فروعی نہ ہو جو آخری پیغمبر کی بشارت دینے اور

ذریت ابراہیم کو اس پیغمبر پر ایمان لانے کی دعوت دینے کے لیے مبعوث کیا گیا ہو اس پیغمبر کی کتاب اور صحیفے کو تورات کی فروع کہنا توہین رسالت اور توہین کتاب کا عمل ہے اللہ تعالیٰ غامدی صاحب کو معاف فرمائے اور انھیں توبہ کی توفیق عنایت فرمائے۔

<u>حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کا خاص مقصد نبی آخر کی بشارت دینا تھا: غامدی</u>

حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کوئی ضمنی فروعی غیر اہم نہیں نہایت اہم ترین کام تھا

انجیل صرف اہم ترین ہی نہیں ایک غیر معمولی کتاب ہے کیونکہ اس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دی گئی خود غامدی صاحب سورہ صف کی آیت ۶ من بعدی اسمه احمد کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی تورات کو اپنی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر پیش کرنے کے بعد انھوں (حضرت عیسیٰؑ نے) نے اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دی یہ بشارت اگرچہ اکثر انبیاء نے دی ہے لیکن آں جناب کی بشارت بعض پہلوؤں سے بالکل مختلف ہے: ایک یہ کہ اس بشارت کو انھوں نے اپنی بعثت کا خاص مقصد بتایا ہے، یہ ان کا کوئی ضمنی کام نہیں تھا۔ چنانچہ ان پر جو صحیفہ نازل ہوا اس کا نام ہی انجیل ہے جس کے معنی یونانی میں بشارت کے ہیں۔ اس نام سے موسوم ہونے کی کوئی وجہ اگر سمجھ میں آتی ہے تو وہ یہی ہے کہ ان کا امتیازی وصف اور خاص مشن یہی تھا کہ اپنے بعد آنے والے آخری رسول کی بشارت دیں۔ آسمانی بادشاہت سے وہ اسی رسول کے عہد مبارک کو تعبیر کرتے اور اپنی تمثیلات میں اس کے ظہور اور ارتقاء کی پوری تصویر کھینچ دیتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ یاتی من بعدی کے الفاظ سے انھوں نے اس رسول کے ظہور کا زمانہ بھی پوری قطعیت کے ساتھ متعین کر دیا ہے۔ چنانچہ کوئی انصاف پسند شخص اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے بعد تنہا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی شخصیت ہے جس پر وہ تمام صفات اور تمثیلات پوری طرح منطبق ہوتی ہیں جو آں جناب نے بیان فرمائی ہیں۔ تیسرا یہ کہ انھوں نے یہ بشارت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی صراحت کے ساتھ دی ہے۔ اس کے شواہد انجیلوں میں جگہ جگہ دیکھ لیے جا سکتے ہیں۔ ان حوالوں سے واضح ہے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ایسی واضح صفات کے ساتھ دی ہے جو آپ کے سوا کسی اور پر منطبق نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً: وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے''۔ ''وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا''۔

''دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں'' [غامدی، البیان، جلد چہارم، ص۱۹۳ تا ۱۹۵]

تورات شریعت ہے انجیل حکمت۔حکمت فروع نہیں اصل ہے: غامدی

انجیل اصل دین حکمت ہے تو وہ تورات کی فروع کیسے ہوسکتی ہے؟

سورہ المائدہ کی آیت ۴۸ میں انجیل کا ذکر اس لیے نہیں ہوا کہ قرآن سے پہلے اصل کتاب کی حیثیت تورات ہی کو حاصل تھی زبور و انجیل دوسرے صحائف درحقیقت اسی کے فروع ہیں [البیان جلد اول، لاہور، المورد، طبع دوم جنوری ۲۰۱۴ء، ص۶۴۲] غامدی صاحب کا یہ نقطہ نظر ان کے اپنے اصولوں کی نفی ہے جو میزان کے باب دین حق میں بیان کیا گیا ہے اس باب میں غامدی صاحب کا فلسفہ یہ ہے کہ تورات میں قانون یعنی شریعت بیان ہوئی ہے اور انجیل میں حکمت [میزان ۲۰۱۵ء، ص۶۹] حکمت و شریعت کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ حکمت ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے لیکن شریعت انسانی تمدن میں ارتقاء و تغیر کے باعث البتہ بہت کچھ مختلف رہی ہے۔الحکمۃ عبادت کے لیے مابعد الطبیعیاتی اور اخلاقی اساسات کا بیان ہے [میزان ۲۰۱۵ء، ص۶۸] تمدن کی تبدیلی سے شریعت بے شک تبدیل بھی ہوئی ہے [میزان ۲۰۱۵ء، ص۱۹۷] انجیل اصل دین حکمت ہے تو وہ تورات کی متغیر شریعت کے مقابلے میں مطلق ہے تو وہ تورات کی فروع کیسے ہوسکتی ہے؟

غامدی صاحب کے فلسفے کے تحت تورات انجیل کی فروع ہوسکتی ہے

میزان کے باب اخلاقیات میں محترم غامدی صاحب فرماتے ہیں دین تزکیہ اخلاق اور عمل صالح کا نام ہے تمام شریعت اسی کی فرع ہے تمدن کی تبدیلی کے ساتھ شریعت تو بے شک تبدیل بھی ہوئی ہے لیکن ایمان اور عمل صالح اصل دین ہیں ان میں کوئی ترمیم و تغیر کبھی نہیں ہوا [میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۹۷] الحکمۃ ہمیشہ ایک رہی ہے لیکن شریعت تمدن میں ارتقاء و تغیر کے باعث البتہ بہت کچھ مختلف رہی ہے [میزان ۲۰۱۵ء، ص۶۸]

غامدی صاحب کے ان اصولوں کے تحت حکمت، ایمان، عمل صالح، مطلق، قطعی، ناقابل تغیر ہے اور شریعت غیر مطلق غیر قطعی اور

تغیر پذیر ہے لہٰذا اصولی منقطی اور شرعی طور پر شریعت اصل نہیں فروع ہے اور حکمت اصل ہے اور تمام شریعتیں اس کی فروع لہٰذا وہ لکھتے ہیں تورات میں شریعت بیان ہوئی ہے [غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص۶۹] اور انجیل میں حکمت [غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص۶۸، ۶۹] تو انجیل تورات کی فروع نہیں ہو سکتی لیکن غامدی صاحب کے فلسفے کے تحت البتہ تورات انجیل کی فروع کہلا سکتی ہے۔

غامدی صاحب نے میزان میں یہ اصول بیان کیا ہے۔ اللہ نے اپنی کتابیں بالعموم اس لئے نازل کیں کہ یہ حق و باطل کے لئے میزان قرار پائیں تاکہ ان کے ذریعے سے لوگ اپنے اختلافات کا فیصلہ کر سکیں اور اس طرح حق کے معاملے میں ٹھیک انصاف پر قائم ہو جائیں [غامدی: میزان ۲۰۱۵ء ص ۷۱] دوسرے معنوں میں غامدی صاحب کے اس اصول کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ کتابیں مرتب مدون اور تحریری شکل میں اور حافظے کی صورت میں محفوظ رہتی ہیں تاکہ جب بھی امت میں کسی مسئلے پر اختلافات پیدا ہوں تو ان کتابوں سے رجوع کر کے ان کی رہنمائی میں اپنے اختلافات حل کریں یعنی اختلافات کے حل کے لیے تحریری کتاب کا وجود لازم ہے تو انجیل اگر الکتاب ہے تو یہ لازماً غامدی صاحب کے اصول کے تحت تحریری شکل میں ہی ہوگی ورنہ یہ کتاب نہیں ہو سکتی اور کتاب کے بغیر اختلافات کا فیصلہ نہیں ہو سکتا لہٰذا انجیل لازماً تحریری شکل میں تھی مگر غامدی صاحب کا دعویٰ اسی میزان میں یہ ہے کہ انجیل حضرت عیسیٰ کے منتشر خطبات کا مجموعہ ہے جو بہت عرصے بعد کتابی شکل میں مرتب ہوا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص۱۵۳۔ اور اسی میزان میں یہ دعویٰ بھی ہے کہ اللہ نے نبیوں کے ساتھ لکھی ہوئی کتاب نازل کی تاکہ وہ اختلافات میں میزان بنے میزان ۲۰۱۵ ص ۱۵۱ یہ دونوں بیانات ہی Oxymoron ہیں۔

جو مکالمے اور مباحثے کے قائل تھے اب صرف شعر اور وضاحت تک محدود ہو گئے

عمار ناصر صاحب کے شعر اور حسن الیاس صاحب کے نصیحت نامے کی وصولی کا شکریہ

جناب غامدی صاحب کی جانب سے مکمل خاموشی

محترم عمار ناصر صاحب کی جانب سے صرف ایک شعر

محترم حسن الیاس کی جانب سے صرف نصیحت نامۂ مقلد

غامدی صاحب پر ہونے والی تنقیدات کے دور دعمل

سیّد خالد جامعی

تین ماہ پہلے میرے برادر محترم جناب عمار ناصر راشدی صاحب نے ایک مشترکہ دوست سے یہ کہا تھا کہ خالد جامعی وضاع ہے اور جناب غامدی صاحب پر بے بنیاد الزامات لگاتے ہیں 'ساحل' میں غامدی صاحب کی عربی دانی، سرقہ بازی سے متعلق جو کچھ شائع ہوا ہے وہ غلط سلط کذب، افتراء کے سوا کچھ نہیں

ان کے اس اعتراض کے بعد راقم نے غامدی صاحب کے افکار، نظریات کے بارے میں قسط وار مضامین کا سلسلہ شروع کیا تو عمار ناصر صاحب نے مکمل سکوت اختیار کیا برادرم حسن الیاس بھی ان اعتراضات سے لاتعلق رہے حالانکہ نادر عقیل انصاری صاحب اور ان کے حلقے سے وہ بہت دیر تک دلیل کے صفحات پر الجھتے رہے اور غصے میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ چلیے اسے دفن کر دیں۔ تدفین کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہم اس سے لاعلم ہیں لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ

غامدی صاحب جو ہر ایک کو مکالمے مباحثے اور آزادانہ تنقید کی دعوت دیتے ہیں جب ان پر بنیادی حوالوں سے تنقید کی گئی تو نہ صرف یہ کہ وہ خود خاموش ہو گئے بلکہ انہوں نے اپنے حلقے کے دو اہم ترین اہل علم محترم عمار ناصر صاحب اور محترم حسن الیاس صاحب کو بھی راقم کے مباحث، سوالات، اعتراضات کا جواب دینے کی اجازت نہیں دی اور ان سے کہا کہ اپنے ناقدین سے اذا مرُّو باللّغو مروُّا کِراماً کا طریقہ اختیار کیجیے ان کے افترا اور بہتان طرازی کے باوجود اشتعال میں آنے سے انکار کر دیجیے اس کے بعد خدا آپ کے ساتھ ہوگا اور آپ انشاءاللہ انھیں اپنے میدان میں شکست دیں گے۔

یہ بات ہمارے فہم و گمان سے ماورا ہے کہ ہماری تنقید میں کیا لہو اور کیا لغو ہے ہر بات نہایت متانت سنجیدگی اور دلیل سے کی گئی

ہے ہر بات کے لیے اصول غامدی صاحب کے لیے گئے ہیں اور تنقید کے لیے تمام حوالے عبارتیں غامدی صاحب کی مطبوعہ کتابوں سے پیش کیے گئے ہیں کہیں احترام تکریم کا دامن چھوڑنے کی کوشش نہیں کی گئی اس کے باوجود غامدی صاحب اوران کے پورے حلقے، ان کے قلم کاروں، صحافیوں دانشوروں کی جانب سے اجتماعی سکوت حیران کن ہے۔

محترم عمار ناصر صاحب نے ہماری اکتالیس قسطوں کے جواب میں صرف ایک شعرارسال فرمایا ہے شعر کے بین السطور کا پیغام صرف یہ ہے کہ غامدی صاحب کی اغلاط کم زوریوں، خامیوں، گستاخیوں کا ذمہ دار میں نہیں ہوں

شعر ملاحظہ کیجیے:

یوں زندگی کی راہ پر چلنا پڑا ہمیں　　　لغزش ہوئی کسی سے سنبھلنا پڑا ہمیں

برادرم حسن الیاس صاحب نے غامدی صاحب کی فکر سے متاثر دوستوں کے نام ایک نصیحت نامہ یعنی خط لکھا ہے اور از راہ عنایت وہ خط ہمیں بھی ارسال کیا ہے دوسرے معنوں میں غامدی صاحب کے افکار پر ہماری اکتالیس قسطوں کا جواب یہ خط ہے اس خط کا کلیدی نکتہ ہمارے اس موقف کی تائید مزید ہے کہ غامدی صاحب دین پیش نہیں کرتے کیوں کہ دین تحقیق محض [Pure Research] کا نام نہیں ہے۔ دین قطعی الدلالۃ ہوتا ہے حتمی ہوتا ہے غامدی صاحب ایک تحقیق اور نظریہ پیش کرتے ہیں ظاہر ہے نظریے بنائے جاتے ہیں تحقیق مفروضات پر منحصر ہوتی ہے اور تجربات سے ان مفروضات کو ثابت کیا جاتا ہے یہ ثابت نہ ہوسکیں تو انھیں ترک کر کے کچھ اور مفروضات قائم کر کے تحقیقات کا عمل جاری وساری رہتا ہے غامدی صاحب کا تمام علم، منہاج علمی، طریقہ استنباط صرف اور صرف دلیل پر کھڑا ہے اس معاملے میں وہ ارسطو کے مقلد ہیں جس کا تاریخی جملہ ہے

''میں اس طرف چلا جاؤں گا جس طرف مجھے دلیل لے جائے گی''

صرف دلیل کی بنیاد پر اختیار کردہ سفر کبھی ختم نہیں ہوتا وہ ہمیشہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ زندگی کا سفر ختم ہوجاتا ہے علمی سفر کے جاری رہنے کا مطلب یہ ہے کہ الحق کی بازیافت نہیں ہوسکی متوفی ساری زندگی تلاش حق میں مصروف رہا اور اس کا اجر پائے گا۔

جناب حسن الیاس صاحب نے دس ستمبر کے خط میں غامدی صاحب کے پیش کردہ دین کے بارے میں چند باتیں اصولی طور پر تسلیم کرلی ہیں

(۱) غامدی صاحب کی ہر بات درست نہیں ہوسکتی۔

(۲) غامدی صاحب بہر کیف انسان ہیں انسان معصوم عن الخطاء نہیں۔

(۳) علم کا سفر دلیل پر کھڑا ہے دلیل کہیں سے بھی آئے اسے سنجیدگی سے سنا جائے۔

(۴) استدلال وہ مشکل پروسس ہے جس سے گزر کر کوئی نتیجہ سامنے آتا ہے یعنی تمام دین کا آشیانہ استدلال کے کم زور تنکے پر کھڑا ہے۔

(۵) استدلال سے آنے والا نتیجہ آپ کو متاثر کرسکتا ہے لیکن غامدی صاحب (فکر کے موجد) کے نزدیک نتیجہ کبھی اہم نہیں ہوتا ممکن ہے کل غامدی صاحب اسی پروسس سے کسی دوسرے نتیجے تک پہنچ جائیں۔

میرے محترم حسن الیاس صاحب نے غامدی صاحب کے دین کے بارے میں یہ تسلیم کرلیا ہے کہ وہ دین نہیں محض فکر [Pure thought] ۔محض استدلال کے مشکل پروسس کا نتیجہ ہے اور نتیجہ کبھی اہم نہیں ہوتا صرف استدلال کا مشکل پروسس[Complicated process of argument] سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔

کیوں کہ حسن الیاس صاحب کے اصول کے مطابق

(۱) غامدی صاحب ممکن ہے کل اسی پروسس سے کسی دوسرے نتیجے تک پہنچ جائیں۔

(۲) لہٰذا اصل اہمیت کسی عقیدے، نظریے، اصول، دلیل کی نہیں بلکہ استدلال کے مشکل پروسس کی ہے جس سے گزر کر کوئی نتیجہ سامنے آتا ہے۔

اگر اس اصول، کلیے، مفروضے کو مان لیا جائے کہ نتیجہ غیر اہم ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نتیجے پر عمل بھی غیر اہم ہوتا ہے کیوں کہ جو چیز غیر اہم ہے اس پر عمل بھی غیر اہم ہے اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ دین پر عمل کرنا یا نہ کرنا اہم نہیں بس استدلال کے مشکل طریقے سے کسی نہ کسی نتیجے تک پہنچتے رہنا ہی اصل دین ہے۔

یہ تمام باتیں شاید درست ہوں مگر بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر پروسس کے ذریعے نتیجہ ہر وقت بدلتا رہے تو دین پر عمل کب ہوگا اور کون سا عمل صحیح ہوگا کیونکہ آج غامدی صاحب کے تحقیقی نتیجے کی بنیاد پر ایک عمل کیا گیا وہ صحیح تھا وہ شریعت تھی وہ سنت تھی کل نتیجہ بدل گیا تو وہ سارا عمل ہی غلط ہوگیا۔تو کیا دین غلط اعمال اور ان کی اصلاحِ مسلسل کا نام ہے۔مثلاً غامدی صاحب نے ۱۹۹۸ء میں مرد و عورت کی ختنہ کو

سنت قرار دیا تھا ان کے نتیجے پر عمل کرنے والی عورتوں کو بعد میں بتایا گیا کہ عورت کی ختنہ سنت نہیں ہے سوال یہ ہے کہ جن عورتوں نے ختنہ کرالی اب وہ بسطر کو واپس کیسے لاسکتی ہیں مثلاً غامدی صاحب نے ۲۰۰۸ء میں تحقیق کی کہ نومولود کے کان میں اذان دینا سنت ہے لیکن جنھوں نے پہلے اذان نہیں دی کیا وہ بدعت پر عمل کرر ہے تھے کیوں کہ جو چیز سنت نہیں ہے یا غامدی صاحب کے منہاج میں آج سنت تھی جیسے عورت کی ختنہ۔ جب وہ ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۵ء میں سنت نہیں رہی تو لازماً وہ بدعت کے دائرے میں آ گئی کیونکہ سنت کا متضاد مقابل بدعت ہی ہے اور غامدی صاحب مقامات میں بدعت کے حوالے سے قرآن کے نص کو پیش کر کے لکھتے ہیں کہ بدعت حرام ہے [غامدی، مقامات،۲۰۱۴ء،ص ۲۱۱،۲۱۲] فرمار ہے ہیں کہ عورت کا ختنہ کرنا حرام بدعت ہے مگر اٹھارہ سال پہلے اسی پروسس کے ذریعے نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ختنہ سنت ہے شریعت ہے لہٰذا بنیادی سوال میرے محترم حسن الیاس صاحب سے صرف یہ ہے کہ غامدی صاحب کا استدلال کا مشکل پروسس کبھی ختنہ کو شریعت ثابت کرتا ہے پھر یہی مشکل پروسس نیا نتیجہ دیتا ہے کہ ختنہ سنت نہیں بدعت ہے تو یہ کیسا طریقہ استدلال ہے جو اپنے نتیجے کو مسلسل اور مستقل بدلتا رہتا ہے کیا متغیر غیر قطعی ظنی پروسس سے قطعی مطلق غیر متغیر شریعت کا حصول ممکن ہے؟

غامدی صاحب نے میزان میں دین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ حسن الیاس صاحب کے استدلال سے بالکل مختلف ہے وہ تو دین کو قطعی، حتمی، نا قابل تغیر نا قابل ترمیم پروسس قرار دیتے ہیں۔

قانون دعوت میں وہ واضح طور پر لکھتے ہیں:

<u>العلم الدین کے آٹھ بنیادی اصول: غامدی</u>

(۱) داعی دنیا کے سامنے بے کم وکاست دین پیش کرے وہ کسی حال میں بھی اس دین میں ترمیم اضافہ کرنے کے لیے تیار نہ ہو: غامدی ،میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

(۲) داعی کا کلام ابہام سے پاک ہو: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۴۷۰

(۳) داعی جس دین کی طرف لوگوں کو بلائے سب سے پہلے خود یہ اعلان کرے کہ وہ اس دین پر پورے دل و جان سے ایمان لا چکا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۵۳

(۴) وہ جو دین پیش کرے وہ اس کے دل کی آواز اور روح کی صدا ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

(۵) داعی بالکل آخری درجے میں اس دین کو اختیار کرے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر واضح ہوا ہے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

(۶) داعی اپنے پیش کردہ دین سے گھبرا کر اپنے موقف میں کوئی ترمیم وتغیر کرنے کے لیے تیار نہ ہوں: غامدی ۲۰۱۵ء ص ۵۵۹

(۷) داعی جس دین حق کو لے کر اٹھے اس پر ان کا ایمان راسخ ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۱

(۸) داعی اپنے دین کو آخری درجے میں اختیار کرے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر واضح ہوا ہے: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲

وہ میزان میں یہ بھی لکھتے ہیں داعی اپنے دین پر ایمان کامل رکھتا ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۱، ۵۵۲، سوال یہ ہے کہ ایمان سے کیا مراد ہے؟

ایمان کی تشریح میں وہ میزان کے باب ایمانیات میں لکھتے ہیں

جب کسی چیز کو دل کے پورے یقین کے ساتھ مان لیا جائے تو اسے ایمان کہا جاتا ہے ایمان کے دو شاہد ہیں ایک قول دوسرا عمل

(غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۸۱، ۸۲)

اس سے ثابت ہوا کہ غامدی صاحب کا اپنے دین پر ایمان راسخ ہی نہیں ہے اس پر انھیں یقین حاصل ہی نہیں ہے اسی لیے وہ دین میں ہر لحظہ ترمیم وتغیر کے لیے آمادہ ہیں ان کا دین مستقل مسلسل تغیر پذیر دین ہے کیا مطلق تغیر پذیر دین کو دین کہا جا سکتا ہے غامدی صاحب کے اصول کے تحت نہیں کہا جا سکتا لیکن ان کا اصرار ہے کہ میزان میں ان کی تحقیق دین ہے ان کے افکار اصول خود Oxymoron ہیں۔

<u>داعی کا ایمان اپنے دین پر کس درجے کا ہو؟</u>

فرمایا میرے ہاتھ پر چاند سورج بھی رکھ دو لیکن!

داعی کو اپنے پیش کردہ دین پر کسی درجے کا ایمان ہونا چاہیے اس کی مثال غامدی صاحب نے میزان میں خود پیش کی ہے لکھتے ہیں رسالت مآب نے کہا کہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوں گا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۱۷۱۔ یہ داعی کا ایمان ہے کہ اس کا خالق جو چاند سورج کا بھی خالق ہے اس خالق کی مخلوق کو اگر کفار داعی کے ہاتھ پر لا کر رکھ دیں تب بھی وہ اپنے ایمان سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ ہو دین یہ ہوتا ہے اور اس طرح کا ایمان ویقین پیدا کرتا ہے نہ کہ غامدی صاحب کا دین کہ پہلے دعویٰ کیا کہ داعی دین میں ترمیم واضافہ کے لیے تیار نہ ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۵۲۔ پھر فرمایا میں اپنے دین میں ماضی میں بھی مسلسل مستقل ترمیم واضافہ کرتا رہا ہوں آئندہ بھی اس کے لیے تیار ہوں: میزان ۲۰۱۵ء، ص ۶۵۰

اور یہ وہ دین ہے جس کے بارے میں غامدی صاحب کا ارشاد ہے داعی اپنے دین کو بالکل آخری درجے میں اختیار کرے جوان

کے پروردگار کی طرف سے ان پر واضح ہوا ہے: میزان ۲۰۱۵ء،ص۵۵۲۔ وہ جو دین پیش کرے وہ اس کے دل کی آواز اور روح کی صدا ہو : میزان ۲۰۱۵ء،ص۵۵۲۔ یہ عجیب دل کی آواز اور عجیب روح کی صدا ہے جس پر داعی کو خود یقین نہیں۔ یعنی میزان کا دین جو پروردگار نے خود غامدی صاحب پر واضح کیا ہے مگر وہ دین بے چارہ اتنا غیر واضح ہے کہ غامدی صاحب اس کی اصلاح کے لیے تیار ہیں اس میں ترمیم و اضافہ کے لیے تیار ہیں یہ دین ہے یا کوئی تحقیقی پروجیکٹ[Pure Research Project]

<u>دنیا کچھ بھی کہے علم نقلی کی بات غلط نہیں ہوسکتی</u>

دین اپنے ماننے والوں اور پیش کرنے والوں سے کس درجے کے ایمان، یقین، عزم، اعتماد، حوصلے، ہمت، حمیت، اور غیرت کا تقاضہ کرتا ہے اس کی ایک جھلک ایک بہت بڑے عالم کی زندگی میں ملتی ہے وہ تفسیر لکھ رہے تھے

سورۂ رحمٰن کی تفسیر لکھتے ہوئے یخرج منهما اللولو والمرجان کے تحت جب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ عام خیال کے مطابق موتی صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں، لیکن قرآن بالکل صریح ہے کہ یہ دونوں ہی پانیوں سے نکلتے ہیں۔ عالم نے اپنے ایک شاگرد کو تحقیق کے لیے کہا شاگرد نے تحقیق کر کے بتایا کہ موتی کھاری پانی سے ہی نکلتے ہیں لوگ یہی بتاتے ہیں تو اس عالم باعمل نے صرف اپنے ایمان یقین کی بنیاد پر کسی تذبذب حیرت و تعجب اور پریشانی کا اظہار تک نہ کیا یہ بات سن کر ان کے چہرے پر تردد کی کوئی پرچھائی نہ تھی، بلکہ ایک عجیب اطمینان تھا اور ایمان کی ایک عجیب روشنی تھی۔ اس موقع پر انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم، اگر موتی خود آ کر بھی مجھے کہیں کہ وہ صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں تو میں ان سے کہہ دوں گا: تمہیں اپنی تخلیق میں شبہ ہوا ہے قرآن کا بیان کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ جس داعی کو اپنے پیش کردہ دین پر اس درجے کا ایمان و یقین حاصل نہ ہو اسے اپنا دین امت کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ دین علم الٰہی ہے اور علم کی تعریف یہ ہے کہ وہ قطعیت سے عبارت ہے وہ قطعی الدلالہ ہے اس میں کسی شک، ریب، گمان، ظن، تردد کا کوئی امکان ہی نہیں۔

دین اگر سمجھ میں نہ آئے یا قرآن کی آیت کے فہم کے حصول سے ذہن و عقل قاصر ہوں تب بھی اس پر ایمان و یقین رکھو ایمان بالغیب اسی لیے ہے ہر وہ شے جو انسان کے فہم وادراک سے ماوراء ہے وہ اس کے لیے غیب ہی ہے لہٰذا ایمان بالغیب ہی مشکل مقامات پر انسان کے ایمان کو سلامت رکھتا ہے حمیت و غیرت دینی کا تقاضہ یہ ہے کہ میرا دین سچا ہے اس میں کوئی عیب نہیں میری عقل قلب وجدان فہم ذرائع علم میں تو عیوب ہوسکتے ہیں جو دین کا حقیقی فہم حاصل کرنے سے قاصر رہ جائیں مگر میرا دین الحق ہے اس یقین کے ساتھ دین پیش کیا

جاتا ہے تب وہ دین کہلاتا ہے۔ دین کے ہر اصول اور بیان کی عقلی دلیل نہیں ہوتی۔ دین تو کیا فلسفے اور سائنس میں بھی ہر نظریے اور قضیے کی عقلی دلیل نہیں ہوتی صرف ایمان کامل ایمان راسخ اور یقین پیہم پر فلسفہ اور سائنس چلتے ہیں۔ فلسفہ سائنس کا مفکر تھامس کوہن اپنی کتاب The Structure of Scientific Revolutions میں لکھتا ہے کہ سائنس کے ایک منہاج علم سے دوسرے منہاج علم میں جانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک مذہب ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار کرلے۔ The change of allegiance on the part of individual scientists from one paradigm to an incompatible is a Gestalt switch or a religious conversion۔ سائنس کا ہر منہاج اپنے اصول، عقائد رکھتا ہے جن سے انحراف کی اجازت نہیں وہ قطعی ہوتے ہیں۔

<u>علم دین قطعیت سے عبارت ہے یہ قطعی الدلالۃ ہے: غامدی</u>

قطعیت احتمال کی نفی ہے قطعی کا متضاد ظن علم نہیں جہالت ہے: غامدی

دین علم ہی نہیں العلم ہے۔ غامدی صاحب نے میزان میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ علم دین ہے اور علم کی تعریف یہی ہے کہ وہ قطعی ہوتا ہے اور غامدی صاحب کے اصول کے تحت وہ علم جو قرآن سے حاصل کیا گیا ہے اس کی قطعیت میں کسی شک وشبہ کا امکان نہیں ہوسکتا خود غامدی صاحب نے مقامات میں یہی لکھا ہے۔ اپنے مضمون قطعی اور ظنی میں اس اصول کی تقریر اس طرح کرتے ہیں۔

قطعیت احتمال کی نفی ہے اسی قطعیت کو علم سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ علم اس صفت سے عبارت ہے جس سے حقائق میں ایسا امتیاز حاصل ہوجائے کہ نقیض کا احتمال نہ رہے قرآن جب اپنے بارے میں کہتا ہے وہ العلم اور الحق ہے یا اپنے اندر تضادات کی نفی کرتا ہے تو اسی حقیقت کا اعلان کرتا ہے اس کے مقابل میں لفظ ظن ہے اس میں احتمال کی نفی ممکن نہیں ہوتی صرف ایک احتمال کو ترجیح دی جاسکتی ہے: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۷، ۱۳۸

<u>علم قطعیت کا نام ہے اس کے سات اصول ہیں: غامدی</u>

اگر میزان میں غامدی صاحب کا پیش کردہ دین واقعتاً دین ہے تو یقیناً وہ العلم ہے یا کم از کم علم تو ہے (نعوذ باللہ)

''مقامات''، میں علم کی تعریف غامدی صاحب نے یہ کی ہے کہ

(۱) علم قطعی ہوتا ہے۔

(۲) اتنا قطعی ہوتا ہے کہ حقائق دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جائیں۔

(۳) حقائق اس طرح واضح ہوں کہ نقیض [Oxymoron] کا احتمال ہی محال ہو جائے۔

(۴) ہر وہ شے جو علم کہلانے کی مدعی ہے اس میں تضادات کا امکان نہیں ہوتا۔

(۵) علم قطعیت کا نام ہے اس کا متضاد اور مقابل ظن ہے۔

(۶) علم میں ظن کا احتمال نہیں ہوتا

(۷) ظن میں احتمال کی نفی ممکن نہیں ہوتی صرف ایک احتمال کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

<u>میزان میں پیش کردہ دین علم نہیں محض ظن ہے: غامدی</u>

ان اصولوں کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ وہ علم جو تغیر پذیر ہو مطلق نہ ہو جس میں تصحیح، ترمیم، اضافہ کمی بیشی اور غلطی کا امکان ہمہ وقت ممکن ہو جس میں ہر لمحہ احتمال خطا ہو۔ جو ظن پر مبنی ہو اور ظن پر مبنی علم میں احتمال کی نفی ممکن ہی نہیں۔ تو ایسے علم کو غامدی صاحب کی تعریف کے مطابق علم ہی نہیں کہا جاسکتا اور جو چیز غامدی صاحب کی متعین کردہ علم کی تعریف پر پوری نہیں اترتی اسے العلم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن میزان میں پیش کردہ دین دین نہیں صرف تحقیق ہے۔

جو چیز العلم نہیں۔ یقینی نہیں۔ قطعی نہیں، مطلق نہیں۔ وہ دین نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا میزان میں غامدی صاحب کا پیش کردہ دین۔ غامدی صاحب کے اصولوں کے مطابق نہ دین ہے نہ علم نہ العلم وہ محض قیاس، گمان، اندازوں، تیر تکوں، ظن، تخمین، بدلتی ہوئی آراء، نت نئی تحقیقات کا مرکب، آمیختہ اور آمیزہ ہے یہ علمی تحقیقی پروجیکٹ تو ہوسکتا ہے لیکن اسے دین نہیں کہا جاسکتا۔ ہمیں امید ہے کہ غامدی صاحب اپنے اصولوں کی روشنی میں میزان میں پیش کردہ علم دین کو آئندہ کبھی علم کے نام سے پیش نہیں کریں گے اپنے اصول کے تحت ان پر اپنے اجتہاد کی تقلید لازم ہے ورنہ یہ انحراف قرآن کی نظر میں خیانت ہے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۶

راقم کے نام حسن الیاس صاحب کا خط اس مضمون کے ساتھ منسلک ہے۔

جہاد پر میرے محترم جاوید غامدی صاحب کے متضاد و متناقض Oxymoron افکار

فتنہ کے خلاف جہاد فرض ہے: غامدی ۔فتنہ کے خلاف جہاد فرض نہیں: غامدی

فتنہ کے خلاف قیامت تک جہاد و قتال کی اجازت ہے: میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۷۷، ۵۹۲

مسلمان فتنہ کی صورت میں قتال کے بجائے صبر کریں مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۹

مسلمانوں پر مذہبی جبر ہو تو وہ جہاد کے بجائے کسی دوسرے جگہ منتقل ہو جائیں مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۹

بالجبر دین سے برگشتہ کرنے والے فتنہ کے خلاف مسلمان اٹھیں مظلوموں کی مدد کریں اور اللہ کی راہ میں جنگ کا اعلان کردیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۳

غامدی صاحب نے نساء کی آیت ۹۷ میں ہجرت کی اصطلاح کا ترجمہ منتقل ہونا کیا ہے یعنی قرآن کی اصطلاح ہجرت منسوخ ہوگئی: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۹

ہجرت اللہ کے رسولوں نے کی وہ ہجرت ہمیشہ کے لیے ختم ہوئی اب اس کا ذکر ایک بے معنی بات ہے: غامدی برہان ۲۰۱۴ء ص ۳۱۷۔

اگر فتنہ کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے تو غامدی صاحب مسلمانوں پر مذہبی جبر کی صورت میں ان کو جہاد کے بجائے فرار عزیمت کے بجائے صبر اور اپنے مقام سے منتقل ہونے کی ہدایت کیوں دے رہے ہیں یہ اصول ہی Oxymoron ہیں

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور

سیّد خالد جامعی

غامدی صاحب کا پورا دین ہی تضادات، تناقضات، ابہامات، اشکالات، قیاسات ناقص تحقیقات، تنازعات، تسامحات اور نو بہ نو تفردات کا مجموعہ ہے ان کی کوئی بات، کوئی قول کوئی اصول کوئی نظریہ کوئی عقیدہ محکم نہیں وہ سیماب کی طرح بدلتے رہتے ہیں مذہبی جبر فتنہ ظلم وعدوان ان کے خلاف وہ قیامت تک جہاد کی اجازت دیتے ہیں مگر جب مسلمانوں پر کوئی مذہبی جبر کرے ان کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرے اس موقع پر جہاد کی اجازت اچانک منسوخ کر دیتے ہیں حالانکہ وہ ظلم وعدوان اور مذہبی جبر کے خلاف قیامت تک جہاد ابدی

جدوجہد کے قائل ہیں ان کے تناقضات ملاحظہ فرمائیے۔

<u>فتنہ کی تعریف مذہبی جبر ہے: غامدی</u>

فتنہ کے معنی کسی شخص کو ظلم و جبر کے ساتھ مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کے ہیں جسے انگریزی میں Persecution کہتے ہیں یہ قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے اللہ نے انسانوں کو اس دنیا میں حق دیا ہے کہ وہ اپنے آزادانہ فیصلے سے جو دین اور جو نقطۂ نظر چاہیں اختیار کریں لہٰذا کوئی شخص یا گروہ اگر دوسروں کو بالجبر ان کا دین چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے تو یہ درحقیقت اس دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی پوری اسکیم کے خلاف اعلان جنگ ہے فتنہ کی حالت ختم ہونے تک مسلمان تلوار اٹھائے رکھیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص۵۹۲

<u>مسلمان فتنہ کے خلاف قیامت تک جہاد کریں: غامدی</u>

مسلمانوں کو صرف اور صرف ظلم و عدوان اور فتنہ کے خلاف قیامت تک جہاد و قتال کی اجازت ہے یہ شریعت کا ابدی حکم ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۷۷، ۵۹۲

مسلمان فتنہ کے خاتمے تک تلوار اٹھائیں اور برابر اٹھائے رکھیں یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے: غامدی: میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۵۸۱

فتنہ کے خلاف جنگ کا حکم قیامت تک کے لیے باقی ہے اس میں شبہ نہیں کہ دوسروں کو بالجبر ان کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی روایت اب ختم ہوگئی ہے اللہ کی زمین پر جب بھی فتنہ سر اٹھائے مسلمان مظلوموں کی مدد کے لیے اٹھیں اور اللہ کی راہ میں جنگ کا اعلان کردیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۳

<u>مسلمان فتنہ کے جواب میں جہاد نہیں صبر کریں: غامدی</u>

مسلمانوں کو فتنہ کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں فتنہ کے تشدد کا جواب تشدد سے دینے کے بجائے مسلمان صبر کریں: غامدی

اس اصول کی تقریر مقامات میں غامدی صاحب اس طرح کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو مذہبی جبر Persecution کا نشانہ بنایا جائے تو وہ تشدد کے جواب میں تشدد کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے صبر کریں اور ممکن ہو تو اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسے مقام کی طرف منتقل ہو جائیں جہاں وہ اعلانیہ اپنے دین پر عمل پیرا ہوسکیں اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ

الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیٓ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ کُنۡتُمۡ قَالُوۡا کُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِیۡهَا فَاُولٰٓئِکَ مَاۡوٰهُمۡ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا[۴:۹۷]غامدی مقامات۲۰۱۴ءص۱۶۹

قرآن نے سورہ نساء کی آیت ۹۷ میں فتنہ کی جگہ سے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا ہے **فتهـا جـر و** اس کا ترجمہ غامدی صاحب نے جان بوجھ کر ہجرت کے بجائے ''منتقل ہونا'' کیا ہے۔

فتنہ کے بارے میں غامدی صاحب کے بیان کردہ اصول متناقض متضاد Oxymoron ہیں (۱) ایک جانب وہ قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ مسلمان صرف اور صرف فتنے کے خلاف جنگ کر سکتے ہیں۔صرف یہی نہیں (۲) وہ اجازت دیتے ہیں کہ دنیا میں جہاں کہیں فتنہ برپا ہو جہاں بھی کسی کو اس کے مذہب سے جبراً برگشتہ کیا جارہا ہو مسلمانوں کا فرض ہے ہر ایسے فتنے کے خاتمے کے لیے جہاد کریں میزان ۲۰۱۵ء ص۵۹۳ مگر جب دنیا میں مسلمانوں کو جبراً دین چھوڑنے پر تیار کیا جارہا ہو انھیں مجبور کیا جارہا ہو کہ وہ اللہ کا نام نہ لیں تو اس وقت غامدی صاحب انہیں جہاد کے بجائے صرف صبر اور صرف وہاں سے منتقل ہونے کا حکم دیتے ہیں۔

قرآن کے ایک ہی حکم کے دو معانی بیان ان کے اصول قرآن کے تحت غلط ہے لہٰذا وہ لکھتے ہیں قرآن میں ایک سے زیادہ تاویلات کی ہرگز گنجائش نہیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص۵۲ مقامات کے مضمون قطعی الدلالۃ قطعی اور ظنی اور خاص اور عام میں انہوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ قرآن قطعی الدلالۃ ہے اس کی کوئی آیت محتمل وجوہ نہیں اس کی ہر آیت کا ایک ہی مطلب ہے مگر اب غامدی صاحب اپنے اصولوں کے خلاف ہی رائے پیش کر رہے ہیں حالانکہ ان کا اصول یہ ہے کہ مجتہد کے لیے اپنے اجتہاد کی خلاف ورزی جائز نہیں چنانچہ قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص۳۶۶

جہاد سے گریز اور فرار کے بارے میں غامدی صاحب کے متناقض [Oxymoron] افکار

نفیر عام کے موقع پر جہاد و قتال میں شرکت سے گریز اسلامی شریعت میں سرے سے کوئی جرم نہیں ہے انھیں کوئی سزا نہیں دی جاسکتی: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۵

صرف نفیر عام کے وقت ہر مسلمان کا جہاد میں شریک ہونا لازم اور عدم شرکت جرم ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۸۴

بدر احد تبوک کے سوا سب قتال جہاد عذاب محض درجہ فضیلت کے تھے ان کے سوا کسی قتال عذاب جہاد میں نکلنے کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر قرآن کی سورۂ نساء کی آیت ۹۵،۹۶ کی رو سے عائد ہی نہیں ہوتی: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۸۲

جہادوقتال میں عبداللہ بن ابی کے گریز پر رسول اللہ اگر چاہتے تو کچھ مواخذہ کر سکتے تھے مگر اللہ نے روک دیا: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۵

عبداللہ ابن ابی شرعی طور پر قتل کا مستحق تھا: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۸

یہی مصلحت تھی جس کی بنا پر حضورؐ نے عبداللہ بن ابی کو سزا نہ دی: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۸

عبداللہ بن ابی سے رسول اللہ کی چشم پوشی مصالحت اور مسامحت کا تقاضہ تھا: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۵

رسول اللہ نے فرمایا آج میں عبداللہ ابن ابی کے قتل کا حکم دوں تو اسے قتل تک کیا جاسکتا ہے: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۸

عبداللہ ابن ابی کا طرز عمل کوئی شخص اختیار کرے تو وہ قتل کا مستحق ہے: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۸

کسی شخص کے قانوناً مستحق قتل ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرور اسے قتل کر دیا جائے: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۸

صرف بدر احد اور تبوک میں ہر مسلمان کو جہاد کی ذمہ داری کا مکلّف ٹھہرایا گیا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۸۲

ان تین مہمات کے سوا کسی مہم عذاب جہاد قتال میں سب مسلمانوں کو نکلنے کی ضرورت نہ تھی اللہ نے ان میں شرکت کو بس درجہ

فضیلت کا معاملہ قرار دیا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۸۲

میرے محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

غامدی صاحب اپنے افکار بدلنے، تحقیقی نتائج فراموش کرنے اور نت نئی تحقیقات پیش کرنے میں کمال رکھتے ہیں لہذا ان کا کوئی موقف حتمی قطعی۔ قطعی الدلالہ نہیں ہوتا ان کی نظر میں دین ایک تحقیقی پروجیکٹ ہے لہذا نتیجہ بدلتا رہتا ہے عمار ناصر صاحب اور حسن الیاس صاحب نے دس ستمبر کے خط میں یہی اصول بیان کیا ہے کہ "استدلال وہ مشکل پراسس ہے جس سے گزر کر کوئی نتیجہ سامنے آتا ہے فکر کے موجد (غامدی صاحب) کے نزدیک نتیجہ کبھی اہم نہیں ہوتا ممکن ہے وہ کل اسی پروسس سے کسی دوسرے نتیجے پر پہنچ جائیں" اس اصول کے تحت غامدی صاحب نے جہاد، نفیر عام، عبداللہ ابن ابی کے بارے میں جو نتیجے بدلے ہیں وہ پڑھ لیجئے ان کے متناقض افکار تاریخ علم کا عظیم المیہ ہے اس قسم کے نتائج کی بنیاد پر انہوں نے امام شہاب زہری کے بارے میں لکھا تھا کہ ان سے احادیث کی روایات قبول نہیں کی جا سکتیں کیونکہ وہ ایک ہی سوال کے مختلف اور متضاد جوابات دیتے ہیں غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۱، ۳۲ سوال یہ ہے کہ اسی اصول کی بنیاد پر کیا غامدی صاحب سے دین اخذ کیا جا سکتا ہے؟

جہاد سے گریز فرار کے بارے میں غامدی صاحب کے متضاد، متنازع اور متناقض افکار تحقیقات مطالعات کی جھلکیاں آپ نے اوپر دیکھ لیں اب اس کی تفصیلات ملاحظہ کیجیے۔

رسول کے حکم پر جہاد میں شرکت نہ کرنا کوئی جرم نہیں: غامدی

نفیر عام کے موقع پر جہاد و قتال میں شرکت سے گریز جرم ہے لیکن اسلام میں اس پر کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔

اسلامی شریعت میں یہ سرے سے کوئی جرم مستلزم سزا یا قانون کی زبان میں قابل دست اندازی حکومت جرم [cognizable] ہی نہیں ہے کہ اس پر کسی شخص کو کوئی سزا دی جا سکے لہٰذا کسی غزوہ کے موقع پر اگر کچھ لوگ جنگ میں شامل نہیں ہوئے یا عمرہ کے لیے آپ کے ساتھ نہیں نکلے تو دنیا کی حکومتیں جو چاہیں کریں اسلام کے ضابطۂ حدود و تعزیرات میں اس کے لیے کوئی گنجایش نہ تھی کہ آپ انھیں کوئی سزا دے سکتے۔[غامدی، برہان، ۲۰۱۳ء ص ۲۵۴]

<u>عبداللہ بن ابی کی واپسی جرم نہیں مواخذہ ہوسکتا تھا: غامدی</u>

اللہ نے جہاد سے گریز پر عبداللہ بن ابی کو معاف کیا: غامدی

اس میں شبہ نہیں کہ غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی چونکہ عین میدان جنگ سے واپس ہوئے تھے۔اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو اس پر کچھ مواخذہ کر سکتے تھے۔لیکن قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ نظم اجتماعی کے مصالح کی رعایت اور ان منافقوں پر اتمام حجت کی غرض سے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا کہ اس معاملے میں بھی عفو و درگزر ہی کا رویہ اختیار کیا جائے۔[غامدی، برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۵]

<u>رسالت مآب نے مصلحتاً عبداللہ ابن ابی کو سزا نہ دی: غامدی</u>

اس سے واضح ہے کہ یہ اس نوعیت کی کوئی بے بسی نہ تھی کہ آپ کا اقتدار چونکہ ابھی ان پر قائم نہ ہوا تھا۔اس وجہ سے آپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا بلکہ چشم پوشی اور مسامحت تھی اور اس لیے تھی کہ دین و شریعت اور ریاست و حکومت کی مصلحت کا تقاضا اس وقت یہی تھا[غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۵۶]

عبداللہ ابن ابی فی الواقع قتل کا مستحق تھا: غامدی

اس (عبداللہ ابن ابی کے بارے میں رسول اللہ کے طرز عمل سے) دو اہم شرعی مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے ایک یہ کہ جو طرز عمل ابن ابی نے اختیار کیا تھا اگر کوئی شخص مسلم ملت میں رہتے ہوئے اس طرح کا رویہ اختیار کرے تو وہ قتل کا مستحق ہے۔ دوسرے یہ کہ محض قانوناً کسی شخص کے مستحق قتل ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرور اسے قتل ہی کر دیا جائے۔[غامدی، برہان ۲۰۱۴ء، ص ۲۵۸]

عبداللہ ابن ابی کو آج قتل کیا جا سکتا ہے اس وقت نہیں: رسالت مآب ﷺ

عبداللہ ابن ابی صرف مواخذہ کا نہیں قتل کا مستحق ہے: غامدی

اپنے طرز عمل کی آپ نے خود یہی مصلحت بیان کی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عمر کیا خیال ہے جس وقت تم اس کے قتل کی اجازت مانگ رہے تھے اس وقت اگر تم اسے قتل کر دیتے تو اس پر بہت سی ناکیں پھڑکنے لگتیں لیکن آج اگر میں اس کے قتل کا حکم دوں تو اسے قتل تک کیا جا سکتا ہے۔[غامدی، برہان، ۲۰۱۳ء ص ۲۵۸] غامدی صاحب، عبداللہ بن ابی کے قتل کی بات کر رہے ہیں پہلے فرمایا تھا کہ ابی کا صرف مواخذہ ہو سکتا ہے (غامدی برہان ۲۵۵) کیا مواخذہ قتل کا مترادف یا مرادف ہے؟

غامدی صاحب کے تمام افکار تحقیقات OXymoron ہیں اور اس کا نام دین حق رکھ دیا گیا ہے۔

محترم عمار ناصر اور حسن الیاس صاحب کا مشترکہ خط اس مضمون کے ساتھ منسلک ہے

امام غزالی کے بارے میں غامدی صاحب کے متضاد متناقض Oxymoron افکار

نماز کو ریا سے محفوظ رکھنے اور اس کی مختلف شکلوں سے اچھی طرح واقف ہونے کے لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''احیاء العلوم'' کا مطالعہ نہایت مفید ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۲۹

غزالی کی احیاء علوم الدین متوازی دین تصوف کی کتاب ہے جس میں اوراد اشغال چلوں اور مراقبوں کی ایک پوری شریعت ہے: غامدی برہان ۲۰۱۴ء ص ۲۰۹

برہان، طبع ہشتم جولائی ۲۰۱۳ء میں غامدی صاحب نے نہایت بدتہذیبی کے ساتھ حجۃ الاسلام غزالی کو۔ صرف اور صرف ''غزالی'' لکھا۔ غامدی، برہان، طبع ہشتم ۲۰۱۳ء ص ۲۰۹

غامدی صاحب نے میزان ۲۰۱۵ء کے باب قانون عبادات میں انہی غزالی کا ذکر ادب و احترام سے کرتے ہوئے انھیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۲۸

برہان میں امام غزالی کی توہین تضحیک تذلیل کی گئی ہے اور میزان میں امام صاحب کو رحمت اللہ علیہ لکھا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک گمراہ، دین دشمن، متوازی دین پیش کرنے والے شخص کو اللہ کی رحمت میں داخل کیا جا سکتا ہے؟

امام غزالی اور احیاء العلوم الدین کے بارے میں غامدی صاحب کے دونوں نقطۂ ہائے نظر Oxymoron ہیں

وضاع کون محترم عمار ناصر صاحب یا کوئی اور؟ [قسط نمبر ۴۵]

سیّد خالد جامعی

میرے محترم جاوید غامدی صاحب نے امام شہاب زہریؒ جیسے عظیم عالم اور محدث کی روایات کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے جو دلیل دی تھی وہ جدیدیت پسند اہل علم میں بہت مقبول ہوئی اور فیس بک پر کئی مفکرین نے غامدی صاحب کی اس دلیل کو بار بار دہرایا غامدی صاحب کا اعتراض صرف یہ تھا کہ ہم امام زہری کی روایات حدیث کو اس لیے قبول نہیں کر سکتے کہ وہ ادراج وتدلیس کے مرتکب

ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہی سوال کے تین متضاد متناقض جوابات دیتے تھے ایسے شخص کی روایات کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا میزان میں لکھتے ہیں ابن شہاب زہری کے کئی تضادات سامنے آئے ہم میں سے کوئی جب ان سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق ان کا جواب تین طرح کا ہوتا تھا جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نقیض Oxymoron ہوتا اور انھیں اس بات کا احساس ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۲

غامدی صاحب کا حال تو امام زہری سے بھی ابتر اور بدتر ہے امام زہری تو مختلف لوگوں کو الگ الگ وقتوں میں خط کا جواب دیتے ہوئے مختلف متناقض جوابات لکھ دیتے ہوں گے لیکن غامدی صاحب تو اپنی ایک ہی کتاب کے ہر صفحے پر متناقض جوابات دیتے چلے جاتے ہیں اور حضرت والا کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ دین کے نام پر کیا کچھ پیش فرما چکے۔

غامدی صاحب پر تنقیدی سلسلے کے مضامین میں راقم اب تک عمار ناصر صاحب کی توجہ اور دلچسپی کے لیے ۴۲ مختصر مقالات تحریر کر چکا ہے۔ جن میں ایک ہی موضوع پر ایک ہی کتاب میزان میں غامدی صاحب کے کئی کئی مختلف متضاد جوابات ان کی کتابوں کے حوالے سے پیش کیے گئے لیکن غامدی صاحب کے حلقے کی جانب سے مکمل خاموشی ہے حالانکہ غامدی صاحب کا ہی اصول ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد سے انحراف نہیں کرسکتا۔ یہ اللہ کی نظر میں ضمیر کے ساتھ خیانت ہے۔ غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۳۶۶

امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم دین کے بارے میں غامدی صاحب متناقض افکار پیش کرتے ہوئے لکھتے:

<u>ریا کاری سے بچانے کے لیے احیاء العلوم بہترین کتاب ہے: غامدی</u>

حقیقت دین کے لیے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کا مطالعہ کیا جائے: غامدی

نماز کو ریا سے محفوظ رکھا جائے ـــــ یہ حقیقت ہے کہ نماز کی سب سے زیادہ عام اور سب سے زیادہ خطرناک آفت یہی ہے۔ عام آفت اس وجہ سے کہ اس کی اتنی مخفی قسمیں ہیں کہ محتاط سے محتاط آدمی بھی اس کی بعض قسموں کے حملے سے اپنی نماز کو نہیں بچا سکتا۔ اور خطرناک اس وجہ سے کہ نماز کے لیے اخلاص شرط ہے اور ریا اخلاص کے منافی ہے۔ اس کے علاج کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔

ایک یہ کہ آدمی ریا کی مختلف شکلوں سے اچھی طرح واقف ہو۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم اوراسی طرح کی بعض دوسری کتابوں کا مطالعہ ریا کی اقسام سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے نہایت مفید ہے۔ایک چیز سے اچھی طرح واقف ہونے کے بعد ہی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ آدمی اس کو پکڑ سکے اوراگر چاہے تو اس کی اصلاح کر سکے۔یہ واقفیت عام لوگوں کے لیے جس قدر ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ ضروری علمائے دین اوراہل تقویٰ کے لیے ہے۔[غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۲۹]

احیاء العلوم تعمیر سیرت تزکیہ نفس تطہیر باطن کے لیے ایک معیاری مثالی کتاب ہے اسی لیے غامدی صاحب نے قانون عبادات کے تحت میزان میں ریا کاری کے سلسلے میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے لیکن اس تذکرے میں کہیں اس کتاب کی کوئی خامی کمزوری نہیں بیان کی گئی نہ امت کو اس کتاب کی گمراہیوں کے بارے میں آگاہ کیا گیا۔جو کتاب ریا کاری کے لیے تیر بہدف ہے وہ کتاب الدین القیم ہی کی ترجمان ہوسکتی ہے لیکن اچانک غامدی صاحب کی سیماب صفت طبیعت نے اس کتاب میں دنیا بھر کا کفر طغیان شرک بدعت،گمراہی، ضلالت،دریافت کرلیا حتی کہ اس کتاب کے عقائد،افکار کو متوازی دین تک قرار دے دیا لکھتے ہیں:

<u>احیاء العلوم چلوں مراقبوں کی شریعت کا نام ہے:غامدی</u>

چنانچہ اس تصور تصوف کے تحت اوراردو اشغال اور چلوں اور مراقبوں کی ایک پوری شریعت ہے جو خدا کی شریعت سے آگے اور قرآن وسنت سے باہر بلکہ ان کے مقاصد کے بالکل خلاف ان اہل تصوف نے طریقت کے نام سے رائج کرنے کی کوشش کی ہے اوراس کے بارے میں وہ برملا کہتے ہیں کہ اس کا علم جس طرح ہمارے مشائخ سے تعلق پیدا کر کے حاصل کیا جاسکتا ہے اس طرح کسی دوسرے طریقے سے اس کا حصول اب لوگوں کے لیے آسان نہیں رہا۔

بزرگوں کے جو درجات اس دین میں بیان کیے جاتے ہیں ان کے لحاظ سے اللہ کے پیغمبر اوران کے صحابہ کو بھی دیکھیے تو بہ مشکل پہلے یا دوسرے درجے تک ہی پہنچتے معلوم ہوتے ہیں۔صاف واضح ہوتا ہے کہ اس سے آگے اخص الخواص کے درجے تک ان کی رسائی بھی نہیں ہوسکی۔تصوف کی امہات کتب میں سے غزالی کی احیاء علوم الدین کا ایک بڑا حصہ انھی مباحث کے لیے خاص ہے۔ان

کتابوں کے مطالعے سے ہر شخص یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ اس معاملے میں جو آخری مقامات اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں مقرر کیے ہیں اہل تصوف کا ہدف ان سے فی الواقع بہت آگے ہے۔ یہ کتاب اور تصوف واضح رہے کہ ایک متوازی دین ہے۔ ہماری یہ تحریر اس موضوع پر کسی مفصل بحث کے لیے نہیں ہے۔ تاہم ان چند نکات ہی سے پوری طرح واضح ہے کہ تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے جسے دین خداوندی کی روح اور حقیقت کے نام سے اس امت میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔[غامدی برہان ۲۰۱۴ء ص ۲۰۹۔۲۲۰]

بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر امام غزالی نے احیاء العلوم میں قرآن وسنت کی مخالفت میں کوئی متوازی دین پیش کیا ہے تو قرآن وسنت کا انکار کرنے والا تعظیم وتکریم احترام کا مستحق کیوں ہے میزان میں امام غزالی کو رحمۃ اللہ علیہ لکھنا کیا منافقت ہے یا حقیقت ہے جو شخص ماخذات دین میں تحریف کردے کیا اس کی کتاب امت کو پڑھنے کا مشورہ دیا جاسکتا ہے۔کیا ایک گمراہ شخص کی کتاب ایک ایسے شخص کی کتاب جو متوازی دین پیش کررہا ہو عوام الناس کو مطالعے کے لیے دی جاسکتی ہے؟

غامدی صاحب نے برہان میں امام غزالی کی توہین تضحیک وتذلیل کی ہے لیکن میزان میں ان کا ذکر نہایت احترام سے کیا ہے اگر فی الواقع ایک شخص دین کا دشمن ہے اور احیاء العلوم میں ایک متوازی دین پیش کررہا ہے ہو تو ہمارا آخری سوال صرف یہ ہے کہ ایک شخص دین سے انکار انحراف کے بعد بھی کیا رحمت الٰہی کا مستحق ہوسکتا ہے؟

☆

وہ جومباحثہ مکالمے کے قائل تھے اب تکفیراور گالیوں پرآ گئے ہیں

برادرمحترم حسن الیاس صاحب کی خدمت میں

برادرم محترم عمار ناصر صاحب کیا کر رہے ہیں؟

کیا غامدی صاحب کے مکتب فکر میں کسی مسلمان کو ہندو، عیسائی، یہودی اور یہودی سے بدتر کہنا جائز ہے۔صرف کافر،مشرک کہنا ناجائز اور حرام ہے؟

عمار ناصر صاحب نے اپنی پوسٹ میں خالد جامعی کو یہودیوں سے بدتر قرار دے دیا: ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء پوسٹ فیس بک

اس سے پہلے مقامات میں غامدی صاحب امت مسلمہ کو یہودیوں سے بدتر قرار دے چکے: مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۷۳

اگر مرید اپنے پیرو مرشد کے نقش قدم پر تکفیر و تحقیق کا چراغ جلا رہے ہوں تو شکایت کا کیا سوال پیدا بھی ہو سکتا ہے؟

کسی مسلمان کی تکفیر کا حق کسی داعی کو حاصل نہیں کسی شخص کو کافر نہیں کہا جا سکتا [غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۱۹] ظاہر ہے کسی مسلمان کو کافر تو نہیں کہا جا سکتا مگر اسے یہودی اور یہود سے بدتر تو کہا جا سکتا ہے کیوں کہ یہودی تو غامدی صاحب کی شریعت میں کافر نہیں ہوتے۔

علماء سے تکفیر کا اختیار واپس لینے کے بعد غامدی صاحب نے پوری امت مسلمہ کو یہودی ــــ بلکہ یہودیوں سے بدتر قرار دے کر ان کی تکفیر کر دی مسلمان کو یہودی سے بدتر قرار دینا سب سے بڑی تکفیر اور سب سے بڑی گالی ہے۔غامدی صاحب کا بیان کہ مسلمان یہود سے بدتر ہیں اصلاً فلسفے میں Paradox ہے ان کے تمام بیانات Paradoxical ہی ہوتے ہیں۔

غامدی صاحب نے پوری امت کی تکفیر کر دی ایسی اجتماعی تکفیر امت کے کسی گروہ نے آج تک کسی مکتب فکر کی بھی نہیں کی پوری امت کی تکفیر کرنے والے میرے محترم غامدی صاحب امت کے علماء کو روک رہے ہیں کہ وہ کافر کو کافر اور مشرک کو مشرک نہیں کہہ سکتے صرف انہیں غیر مسلم کہہ سکتے ہیں لیکن میرے محترم غامدی صاحب بھول گئے کہ کسی مسلمان کو یہودی کہنا سب سے بڑی گالی اور سب سے بڑی تکفیر ہے۔

محترم عمار ناصر صاحب نے غامدی صاحب کی اتباع میں سید خالد جامعی کو یہودیوں سے بدتر قرار دیا فیس بک پر وضاع سلسلے کی چوالیس قسطوں کے جواب میں لکھتے ہیں ''وضاع کے نام''۔۔۔''وضع'' میں تم ہو۔۔۔۔۔[فیس بک محترم عمار ناصر ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء]

اشارہ اقبال کے شعر کی طرف ہے

غامدی صاحب کا یہ بیان کہ امت مسلمہ یہودیوں سے بدتر ہے فلسفے کے دائرے میں Paradox ہے ایک ایسا بیان جو متناقض Oxymoron ہے اس ''استبعاد'' کا جائزہ اگلی قسط میں Paradox of Epimenides کی روشنی میں لیا جائے گا اس کا انتظار فرمایئے

غامدی صاحب کا یہ بیان نقل عقل اور فلسفے کے معیار پر بھی ایک باطل اور کاذب [False] بیان کے سوا کچھ نہیں

محترم عمار ناصر وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

میرے محترم برادرم حسن الیاس صاحب

دلیل پر مناظرانہ ذہنیت کے حوالے سے آپ کا تیئس نکاتی منشور پڑھنے کا اتفاق ہوا۔اس منشور میں آپ نے مناظرانہ ذہنیت بلکہ مریضانہ ذہنیت کا عمدہ تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے آپ نے لکھا ہے کہ مناظرانہ ذہنیت والے

۱۔ اپنے مداحوں کی مخاطب پر لعن طعن سے نظریں چرا لیتے ہیں (اصول سولہ)

۲۔ علمی مباحث کو پروپیگنڈہ بناتے اور اسکینڈلائز کرتے ہیں (اصول سترہ)

۳۔ مخاطب کی دلیل صحیح مان لینے کے باوجود اقرار نہیں کرتے (اصول پندرہ)

۴۔ آپ نے دلیل پر برادرم نادر عقیل انصاری سے مباحثے میں تکفیر کے حوالے سے دلائل دیتے ہوئے یہ بھی لکھا تھا کہ کسی کو مسلمان کی تکفیر کا حق نہیں، قرآن وحدیث میں کہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کی تکفیر کی جائے۔

نہایت افسوس اور دکھ کے ساتھ آپ کی توجہ برادر محترم عمار صاحب کے رویے کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔حضرت والا نے آپ

کے ان چاروں اصولوں کا انکار کرتے ہوئے آپ کے منہاج علمی کے مطابق چار جرائم کا نادانستہ طریقے سے ارتکاب فرمایا ہے

۱۔ آپ کے شیخ، میرے محترم غامدی صاحب پر راقم الحروف کی اکتالیس قسطوں کا جواب دینے کے بجائے میرے بھائی عمار ناصر صاحب نے صرف ایک شعر ارسال فرمایا:

یوں زندگی کی راہ پر چلنا پڑا ہمیں لغزش ہوئی کسی سے سنبھلنا پڑا ہمیں

حالانکہ آپ کے منشور کے اصول نمبر ۱۵ کے مطابق غامدی صاحب پر ہونے والی علمی تنقید کے تمام دلائل کو صحیح مان لینے کے بعد غامدی صاحب کے ان غلط افکار سے عمار صاحب کو اظہار لاتعلقی کرنا چاہیے تھا مگر انہوں نے سنبھلنے کے بجائے صرف اور صرف شعر کہنے پہ اکتفا کیا اور راقم کے دلائل کو درست تسلیم کرنے کے باوجود غامدی صاحب کی فکر سے اظہار برات نہیں کیا۔

۲۔ معاملہ صرف یہیں ختم نہیں ہوا۔ انہوں نے علمی مباحث کو پروپیگنڈہ میں تبدیل کرنے اور اسکینڈلائز کرنے کے لئے ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۶ء کو فیس بک پر راقم کے حوالے سے علامہ اقبال کا ایک شعر پوسٹ کیا اور راقم کی تکفیر، تذلیل، تضحیک فرمائی۔ شعر تھا:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ وہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

[عمار ناصر صاحب ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء فیس بک]

کسی مسلمان کو عیسائی اور ہندو اور یہودی کہنا۔۔۔ صرف یہودی نہیں بلکہ یہودی سے بدتر قرار دینا کیا یہ جرم، تکفیر، تذلیل، تحقیر، تضحیک کے دائرے میں نہیں آتا۔ کیا آپ کے مکتب فکر میں صرف مسلمان کو کافر مشرک کہنا ناجائز ہے لیکن کسی مسلمان عیسائی، ہندو کو یہودی، یہودی سے بدتر، کہنا جائز ہے؟ کیا مسلمان کو مشرک و کافر نہ کہنے کا اصول آپ نے بھی بدل دیا ہے؟ کیا غامدی صاحب کے اس اصول میں کوئی ارتقاء ہوا ہے؟

۳۔ مناظرانہ اور مریضانہ ذہنیت کے حوالے سے آپ کے منشور کا اصول نمبر سولہ بھی کلیدی اصول ہے کہ اپنے مداحوں کی مخاطب پر لعن طعن سے نظریں چرا لینا۔۔۔ عمار ناصر صاحب نے اپنی پوسٹ میں اقبال کے شعر کے مفاہیم کا راقم پر اطلاق کر کے اسے ہندو، عیسائی اور یہودی بلکہ یہودی سے بدتر قرار دیا۔۔۔ لیکن غامدی صاحب کے مداح کی اس لعن طعن پر آپ بھی خاموش رہے۔ غامدی صاحب بھی

چپ رہے اورآپ کے پورے حلقے کی جانب سے کوئی اعتراض،تنقید میرے بھائی عمار صاحب پرنہیں کی گئی اس طرح آپ نے خود اپنے منشور کی شق سولہ کی خلاف ورزی فرمائی ایسا کیوں ہوا؟ کیا آپ جواب دینا پسند کریں گے؟

۴۔ ان شکایات، حکایات، کے باوجود میں بغیر کسی تردد کے یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ غامدی صاحب کی کتاب مقامات کا مضمون مسلمانوں کا زوال پڑھا تو میرے دل میں عمار ناصر صاحب کی عزت بہت بڑھ گئی کیونکہ عمار ناصر صاحب نے تو صرف خالد جامعی کو ہندو،عیسائی اور یہودی اور یہودی سے بدتر قرار دیا یعنی صرف ایک فرد کواور راقم کی تکفیر وتضحیک کرتے ہوئے میرے بھائی محترم ومکرم ومعظم عمار ناصر صاحب نے شرم وحیاء وحجاب کرتے ہوئے علامہ اقبال کا پورا شعر بھی نہیں لکھا بس اس شعر کے چھ حروف لکھ کر اشارہ دے کر تکفیر کے بقیہ اجزاء حافظے کی مدد سے پڑھنے کی ذمہ داری قارئین سامعین ناظرین پر ڈال دی یہ شرم،حیاء، حجاب،توقف،تردد،تاسف ان کے صاحب ایمان اور صاحب کردار ہونے کی بین دلیل ہے کہ ایک غلط بات کرتے ،لکھتے ،اورنشر کرتے ہوئے حجاب آڑے آ گیا لیکن ان کے پیرومرشد میرے محترم جناب غامدی صاحب نے تو پوری امت مسلمہ کو ہندو،عیسائی، یہودی بلکہ یہودیوں سے بدتر قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں ''مسلمانوں کے جرائم بنی اسرائیل کے جرائم ہیں جن کی بناء پر خدا کے نبیوں نے ان پر لعنت کی مسلمان بھی اسی حدتک پہنچ چکے ہیں ان کی تصویر انجیل کے صفحات میں دیکھی جاسکتی ہے مسیح علیہ سلام نے بنی اسرائیل کی جو فرد جرم انجیل میں بیان کی ہے وہی ان کی ہے۔ یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۷۳۔

غامدی صاحب کا یہ بیانیہ فلسفے کی اصطلاح میں Paradox ہے اس Paradox کے بارے میں فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اگلی قسط میں گفتگو کی جائے گی میرے علم کے مطابق بہ ظاہر تو غامدی صاحب اورآپ، کسی مسلمان کی تکفیر کے قائل نہیں لیکن غامدی صاحب کے قلم سے پوری امت کی اجتماعی تکفیر،تذلیل،تضحیک کا کیا مطلب ہے؟؟ صرف مسلم کو مشرک،کافر کہنا حرام،ممنوع ناجائز مگر امت کے ہر ہر فرد کو ہندو،عیسائی، یہودی کہنا بلکہ یہودی سے بدتر قرار دینا جائز کام ہے؟؟ امید ہے آپ اپنے منشور کی اصلاح کریں گے اور عمار ناصر صاحب اور غامدی صاحب کی اصلاح کی بھی کوشش کریں گے کیوں کہ کسی فرد کی تکفیر اورامت کی اجماعی تکفیر کم ازکم آپ کے منشور اور میرے محترم غامدی صاحب کے اصول کے تحت جائز نہیں۔

☆

امت کے بعد اب امت کی نماز بھی گئی

جناب حسن الیاس وعمار صاحب نے جناب غامدی صاحب کے میزان میں بیان کردہ اصولوں کو مسترد کردیا

داماد دسر اور عمار صاحب میں ایک اہم مسئلے پر علمی اختلاف ہو گیا پہلے اپنے اختلافات طے کرلیں پھر دین کی دعوت دیں

نماز پڑھنے کا اصل مقصد تلاوت شدہ آیات کے فہم کے بغیر کیسے حاصل ہو سکتا ہے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۳۲۸

نماز میں پڑھی جانے والی آیتوں کا مطلب جاننا نماز پڑھتے ہوئے ضروری ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۲۸

نماز کے لیے اہتمام ضروری ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھا جائے: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء ص ۳۲۸

نماز میں قرآن مجید کے مفاہیم کو سمجھنا اصلاً مطلوب نہیں ہے تلاوت علامتی اظہار ہے نماز کے بعد جس زبان میں چاہیں قرآن کے تراجم سے پڑھی گئی آیات کا مفہوم سمجھ سکتے ہیں دلیل ڈاٹ کام پر حسن الیاس صاحب کی تحقیق ۲ ستمبر ۲۰۱۶ء

سوال یہ ہے کہ جس زمانے میں ترجمے شائع نہیں ہوتے تھے اور طباعت کی سہولت ہی میسر نہ تھی اور ترجمے بھی نہیں کیے گئے اور لوگ ان پڑھ تھے اس زمانے میں لوگ بغیر ترجموں کے —— نماز کے بعد اور نماز سے پہلے بھی نماز میں پڑھی گئی آیات کے فہم سے قاصر ہی رہتے ہوں گے ان اربوں انسانوں کی نماز قبول ہوئی یا نہیں؟ غامدی صاحب اور حسن الیاس صاحب کے متضاد اصولوں کی روشنی میں امت کے کسی نمازی کی نماز قبول نہیں ہوئی رائیگاں گئی کیوں کہ ایک کے مطابق لوگوں نے نماز پڑھتے ہوئے آیات کے مطالب کو نہیں جانا دوسرے کے مطابق لوگوں نے نماز کے بعد تراجم سے آیات کا فہم حاصل نہ کیا۔

محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور؟

سیّد خالد جامعی

دینی تحقیق میں پروسس اہم ہوتا ہے نتیجہ غیر اہم: عمار ناصر حسن الیاس

جناب جاوید غامدی صاحب کے ولی عہد اور شاگرد رشید و داماد جناب حسن الیاس صاحب اور علمی ولی عہد جناب

محترم عمار ناصر صاحب نے فیس بک پر غامدی صاحب کے غلط سلط عقائد نظریات کا خود ہی ایسا غلط سلط رد شروع کر دیا ہے جس کے نتیجے میں غامدی صاحب کا محرف دین سلامت رہے گا نہ امت کی اجماعی علمیت سے ثابت متفقہ مشترکہ مسلمہ دین باقی بچے گا دین کی علمی روایت ہی کا خاتمہ ہو جائے گا عمار ناصر صاحب اور حسن الیاس صاحب نے دس ستمبر ۲۰۱۶ء کو غامدی صاحب کے مداحوں کے نام ایک خط لکھا تو اس میں ایک ایسا اصول بیان کیا جس سے غامدی صاحب کے دین کی چولیں ہی نہیں بلکہ بنیادیں بھی ہل گئیں۔

<u>دس ستمبر کے خط میں عمار ناصر حسن الیاس صاحبان کا استدلال</u>

دینی تحقیق کا ہر نتیجہ مطلق نہیں متغیر ہوتا ہے تحقیق اہم نتیجہ غیر اہم

دس ستمبر ۲۰۱۶ء کے خط میں جو غامدی صاحب کے مقلدین معتقدین کے نام جاری کیا گیا دونوں محترم حضرات کا بیان کردہ اصول یہ تھا کہ ”استدلال وہ مشکل پروسس ہے جس سے گزر کر کوئی نتیجہ سامنے آتا ہے نتیجہ آپ کو متاثر کرسکتا ہے لیکن فکر کے موجد (غامدی صاحب) کے نزدیک نتیجہ کبھی اہم نہیں ہوتا ممکن ہے کل غامدی صاحب اسی پروسس سے کسی دوسرے نتیجے تک پہنچ جائیں“ دوسرے معنوں میں دونوں حضرات نے دین کو مطلق کے بجائے مطلق متغیر کر دیا۔ یعنی دین ایک تحقیقی پروجیکٹ ہے جس میں کوئی نتیجہ اہم نہیں محقق کا طریقہ بنائے استدلال اہم ہے نتیجہ کچھ بھی نکلے یہ اہل دین کا ہدف مقصد ہی نہیں۔ استدلال کے طریقے کی مشین میں دلائل ڈالتے رہو اور جو کچھ نکلے وہ چونکہ مستقل نہیں ہے لہذا Out put نتیجہ وہ بدلتا رہے گا تو دین پر عمل کب ہوگا؟

<u>۹۸ء میں عورت کی ختنہ سنت تھی پھر بدعت ہوگئی</u>

تحقیق کا نتیجہ پہلے ختنہ پھر امتناع تحقیق اہم نتیجہ غیر اہم

اس ضمن میں ہم نے پہلے بھی ایک سوال کیا تھا کہ ۱۹۹۸ء میں غامدی صاحب نے عورت کی ختنہ کو سنت قرار دیا یہ

استدلال کے مشکل پروسس کا نتیجہ تھا۔مگر چونکہ نتیجہ غیر اہم ہوتا ہے لہٰذا ۲۰۰۸ء میں اس مشکل پراسس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ ختنہ سنت نہیں ہے یعنی بدعت ہے اور بدعت قرآن کی روشنی میں حرام ہے [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۱۱] وہ خواتین جنہوں نے آپ کے نتیجے مطابق عمل کر کے ختنہ کرالی انہوں نے ایک بدعت کا ارتکاب کیا ایک حرام کام کیا آپ نے نتیجہ بدل دیا بہت بہتر مگر وہ عورتیں اپنا بـطـر کیسے واپس لائیں یہ ہے اہم سوال لہٰذا سادہ طریقے سے صرف یہ کہہ دینا کہ نتیجہ غیر اہم ہے ایک غلط بات ہے دین میں تحقیق کا ہر نتیجہ اہم ہے مطلوب و مقصود ہے کیوں کہ اس پر عمل کرنے سے ہماری آخرت مشروط ہے جس عمل کا تعلق آخرت سے ہو اسے غیر اہم کہہ کر صرف تحقیقی پروسس کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ غامدی صاحب نے میزان کے قانون دعوت میں دین اور دینی تحقیق کے بارے میں جو اصول پیش کیے ہیں وہ عمار ناصر صاحب اور حسن الیاس صاحب کے اصولوں سے بالکل مختلف ہیں غامدی صاحب ان اصولوں سے محکم نتیجہ نکالتے ہیں جو نا قابل تغیر نا قابل ترمیم نا قابل تنسیخ ہو مگر عمار ناصر اور حسن الیاس صاحب نے اپنے خط مورخہ دس ستمبر میں غامدی صاحب کے تمام چاہنے والوں کو جو خود ساختہ نیا اصول کہ ''دلائـل کـا پراسس اہم نتیجہ غیر اہم ہے'' دیا ہے۔سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب کے چاہنے والوں کو غامدی صاحب کے اصول سے انحراف کر کے نیا اصول دینا دیانت داری ہے یا تحقیق دشمنی کا تقاضہ ہے؟

علم دین اور اس کا نتیجہ مطلق ہوتا ہے: غامدی صاحب کے اصول

دین کے مطلق ہونے سے متعلق میزان میں غامدی صاحب کے آٹھ اصول جو عمار ناصر ناصر اور حسن الیاس کے اصول مطلق تغیر [Permanant Change] کے خلاف ہیں وہ میزان کے باب قانون دعوت میں واضح طور پر لکھتے ہیں کہ دین ترمیم و تغیر سے ماوراء ہے یعنی یہ تحقیق نہیں ہے مگر عمار ناصر صاحب اور حسن الیاس صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ دین صرف اور صرف تحقیقی پراسس کا نام ہے اس پراسس میں جو نتیجہ بھی نکلے وہ غیر اہم ہے اصل چیز صرف اور صرف تحقیقی پراسس ہے دوسرے معنوں میں ان دونوں حضرات نے میزان کے قانون دعوت میں بیان کردہ غامدی صاحب کے محکم

اصولوں کومسترد کرکے اپنا نیا اصول مکتب غامدی کو بچانے کے لیے پیش کیا ہے تا کہ غامدی صاحب کی پارے کی طرح بدلتی ہوئی آراء کا کوئی اخلاقی، قانونی، منطقی، عقلی جواز اس نئے اصول کی روشنی میں پیش کیا جا سکے یہ شاہ سے زیادہ شاہ کی وفاداری کا معاملہ ہے۔غامدی صاحب نے میزان میں ایسا کوئی اصول پیش نہیں کیا مقامات برہان میں بھی انہوں نے کوئی ایسا اصول نہیں دیا مقامات میں انہوں نے قرآن اور اسیران جنگ کے مضمون میں صرف استثناء کا اصول پیش کیا ہے جس کے مطابق علم وعقل کے مسلمات جن مستثنیات کا تقاضہ کرتے ہیں وہ ہر قانون ہر قاعدے اور ہر حکم میں اس کی ابتداء ہی سے مضمر ہوتے ہیں: غامدی مقامات ۲۰۱۵ء ص ۳۲۱

ظاہر ہے اس کی آڑ میں غامدی صاحب اپنے اجتہادات بلکہ تفردات کو اسلام کے نام پر اسلام کے نام سے پیش کرنا چاہتے ہیں جس طرح میزان کے باب خو رونوش میں انھوں نے اسی طرح کا ایک تفرد، تحقیق، اجتہاد پیش کیا ہے کہ قرآن نے صرف سور کا گوشت کھانے کو حرام ٹھہرایا ہے لیکن سور کے دیگر استعمالات، اس کی خرید وفروخت اس کی کھال اعضاء کا استعمال وغیرہ یہ سب قرآن کی رو سے حلال ہیں [تفصیل کے لیے میزان کا باب خورو نوش کے صفحات ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۷ دیکھیے] سور کے گوشت کو حرام اور اس کے تمام اعضاء کو تجارتی وغیر تجارتی ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی دلیل وہ ذات رسالت مآبؐ کی حدیث سے لیتے ہیں یہ سراسر توہین رسالت کا معاملہ ہے امت کی پوری تاریخ میں کسی صحابی تابعی تبع تابعی نے سور کے اجزاء اعضاء عناصر کو حلال قرار دے کر یہ فتویٰ نہیں دیا کہ سور صرف خورونوش کے لیے حرام ہے اس کے دوسرے استعمالات بالکل جائز ہیں [غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۳۷]

دین ناقابل ترمیم وتغیر ہے غامدی صاحب کے آٹھ اصول:

عمار ناصر اور حسن الیاس صاحب کے اصول کے برعکس تحقیق کے بجائے نتیجے کی اہمیت سے متعلق غامدی صاحب کے آٹھ اصول جو میزان میں بیان ہوئے درج ذیل ہیں:

(۱) داعی دنیا کے سامنے بے کم وکاست دین پیش کرے وہ کسی حال میں بھی اس دین میں ترمیم اضافہ کرنے کے لیے تیار نہ ہو: غامدی

،میزان،۲۰۱۵ء،ص۵۵۲

(۲) داعی کا کلام ابہام سے پاک ہو: غامدی، میزان، ۲۰۱۵ء، ص۴۷۰

(۳) داعی جس دین کی طرف لوگوں کو بلائے سب سے پہلے خود یہ اعلان کرے کہ وہ اس دین پر پورے دل و جان سے ایمان لا چکا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص۵۵۳

(۴) وہ جو دین پیش کرے وہ اس کے دل کی آواز اور روح کی صدا ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص۵۵۲

(۵) داعی بالکل آخری درجے میں اس دین کو اختیار کرے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر واضح ہوا ہے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص۵۵۲

(۶) داعی اپنے پیش کردہ دین سے گھبرا کر اپنے موقف میں کوئی ترمیم و تغیر کرنے کے لیے تیار نہ ہوں: غامدی ۲۰۱۵ء ص۵۵۹

(۷) داعی جس دین حق کو لے کر اٹھے اس پر ان کا ایمان راسخ ہو: میزان ۲۰۱۵ء، ص۵۵۱

(۸) داعی اپنے دین کو آخری درجے میں اختیار کرے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر واضح ہوا ہے: میزان ۲۰۱۵ء، ص۵۵۲

<u>نماز کی قرأت کے بارے میں نیا اصول: حسن الیاس</u>

آیات کا فہم جانے بغیر نماز ہو جاتی ہے یہ مقصود نہیں

اب حسن الیاس صاحب نے ایک نیا اصول بتایا ہے کہ نماز میں قرآن کی تلاوت کردہ آیات کا فہم اہم نہیں صرف تلاوت اہم ہے اگر کسی کو تلاوت شدہ آیات کے معانی نہیں معلوم تو وہ نماز کے بعد ترجمے دیکھ لے۔ دلیل ڈاٹ کام پر لکھتے ہیں کہ

نماز میں قرآن مجید کے مفاہیم کو سمجھنا اصلاً مطلوب نہیں ہے تلاوت علامتی اظہار ہے نماز کے بعد جس زبان میں چاہیں قرآن کے تراجم سے پڑھی گئی آیات کا مفہوم سمجھ سکتے ہیں دلیل ڈاٹ کام پر حسن الیاس صاحب کی تحقیق ۲ رسمبر ۲۰۱۶ء

حسن الیاس صاحب کے اس نئے اصول کے اطلاقات [Applications] دیکھے جائیں تو وہ نہایت حیران کن بلکہ پریشان کن ہیں ان کے جدید اصول سے مندرجہ ذیل امور خود بخود لازم آتے ہیں (ا) مقتدی حافظ ہو، تا کہ جان لے کہ امام صاحب نے نماز میں کونسی سورت تلاوت کرائی یہ مسئلہ بھی جہری نمازوں میں حاصل ہوگا سری نمازوں کے لیے وہ امام صاحب سے معلوم کرلے کہ حضرت آج آپ نے سری نمازوں میں کن آیات کی تلاوت کی پھر ان کا ترجمہ گھر جا کر

دیکھ لے(۲) مقتدی خواندہ ہو، (۳) مقتدی قرآن کے ترجمے کا مالک ہو تا کہ نماز کے بعد ترجمہ دیکھ سکے، (۴) مقتدی صاحب حیثیت ہو کہ ترجمہ خرید سکے، (۵) لازم ہے کہ جو زبان مقتدی جانتا ہو اس زبان میں ترجمہ بھی موجود ہو صرف موجود نہ ہو اور مخطوطے کی شکل میں نہ ہو بلکہ مطبوعہ بھی ہو، (٦) مقتدی کی بینائی بھی ٹھیک ہو، (۷) مقتدی کا حافظہ بھی اچھا ہو تا کہ امام صاحب سے پوچھ کر یاد رکھے کہ آج انھوں نے جماعت میں کس سورت کی کونسی آیت پڑھائی (۸) اس کا حافظہ اچھا نہ ہو تو اس کے پاس کاغذ قلم ہو تا کہ امام صاحب سے پوچھ کر لکھ سکے کہ کونسی آیات تلاوت ہوئی گھر جا کر ترجمہ دیکھ لے (۹) اسے لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو (۱۰) مقتدی صحت مند ہو بینائی بحال ہو ہاتھوں میں رعشہ نہ ہو تا کہ آیات سورت کے نمبر نماز کے بعد لکھ سکے—— وہ لوگ جو نماز تو اچھی طرح پڑھتے ہیں مگر نسیان کے بھی مریض ہیں ان کا حکم کیا ہوگا؟ حسن الیاس صاحب نے ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اگر آدمی ان پڑھ ہے غریب ہے ترجمے سے محروم ہے یا اس زبان میں ترجمہ ہی نہیں ہوا تو وہ کیا کرے؟ اور آدمی کا حافظ ہونا بھی ضروری ہے کیوں کہ اسے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ امام نے جماعت میں جن آیات کی تلاوت کی وہ کس سورت کی ہیں؟ لہٰذا نماز میں پڑھی گئی آیات کے فہم کے حصول کے لیے ترجمے کے ساتھ ساتھ انسان کا حافظ ہونا ضروری ہے یا امام مسجد نماز پڑھانے سے پہلے اعلان کر دے کہ وہ آج نماز میں فلاں سورہ کی فلاں فلاں آیات تلاوت کر رہا ہے ترجمہ پڑھنے والے لکھ لیں اور نماز کے بعد ترجمہ پڑھ لیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مقتدی خواندہ ہو کاغذ قلم بھی ہر وقت رکھتا ہو اور مقتدی کی آنکھیں ٹھیک ہوں جسم میں رعشہ نہ ہو ورنہ وہ ان لوازم کا اہتمام نہیں کر سکے گا نمازوں میں پڑھی گئی آیات کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف حسن الیاس صاحب سے بالکل مختلف ہے وہ لکھتے ہیں

<u>تلاوت کردہ آیات کا فہم نماز میں جانے بغیر نماز کا مقصد حاصل نہیں ہوتا: غامدی</u>

نماز کے لیے ضروری ہے کہ نماز میں اسے سمجھ کر پڑھا جائے: غامدی

قرآن مجید کا کوئی حصہ بھی پڑھا جائے یہ اس کتاب کا اعجاز ہے کہ اس کے ہر حصہ میں وہ اصل چیز موجود ہوتی ہے

جس کی تعلیم ودعوت کے لیے قرآن اترا ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن مجید کا کوئی حصہ پڑھا یا سنا جائے۔ تین آیتوں کے بقدر رہی سہی اور آدمی کے سامنے نہایت موثر اور دل نشین انداز میں اس حقیقت کی یاد دہانی نہ ہو جائے جو اس کی زندگی کے رخ کو صحیح رکھنے کے لیے ضروری ہے۔

اس سے واضح ہے کہ نماز کے لیے یہ اہتمام کس قدر ضروری ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے۔ اس لیے اسے جاننا چاہیے کہ کس چیز کے ذریعے سے سرگوشی کر رہا ہے۔

<u>نماز کا مقصد آیات کے فہم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا: غامدی</u>

یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ جب ایک ہی طرح کی دعائیں اور سورتیں ہر نماز میں پڑھی جاتی ہیں اور وہ معلوم ہیں تو پھر ان پر ہر روز اور ہر وقت غور کرنے کی کیا ضرورت ہے ایک مرتبہ جب اس کو سمجھ لیا تو یہ کافی ہے جو لوگ یہ بات کہتے ہیں وہ نماز کی اور نماز کی دعاؤں کی حقیقت سے ناواقف ہیں نماز معلومات کے اضافہ کے لیے نہیں پڑھی جاتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد کی تجدید اس سے رہنمائی اور استعانت کی طلب اور توبہ واستغفار کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ یہ مقصد آخر بے سمجھے بوجھے الفاظ دہرا دینے کسے کس طرح حاصل ہوسکتا ہے جبکہ آدمی کا ذہن اور دماغ حاضر نہ ہو۔ غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۲۸

نماز کے لیے یہ اہتمام کس قدر ضروری ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھا جائے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۲۸

لیجیے غامدی صاحب نے حسن الیاس صاحب کے پورے مقدمے کی بنیاد ہی ہلا دی غامدی صاحب عمار ناصر صاحب اور محترم حسن الیاس صاحب پہلے اس چھوٹے سے مسئلے کو اپنے گھر میں اجتماعی طور پر اتفاق رائے سے حل کر لیں کہ نماز میں تلاوت کردہ آیات کے فہم کا حصول لازمی ہے یا نہیں؟ یہ فہم نماز کے دوران ہونا چاہیے یا نماز کے بعد ترجمے کی مدد سے۔ جب وہ یہ مسئلہ حل کر لیں تو پھر امت کی رہنمائی کے لیے فیس بک سے رجوع کریں۔

☆

غامدی صاحب مسلمان اور کفار کی تکفیر کا یہ حق آپ کو کس نے دیا ہے؟

خروج میں اسلامی حکومت کے امیر اور رفقاء کے خلاف جہاد ان کے کفر کے باعث ہوتا ہے: غامدی

حکمران کی جانب سے ذاتی اور اجتماعی زندگی میں شریعت کی بالادستی کا انکار کفر کا ارتکاب ہے: غامدی، برہان، ۲۰۱۳ء، ص ۲۹۹

شریعت کے منکر حاکم کے خلاف منازعت، خروج سیاسی انقلاب، بغاوت، متوازی حکومت، جہاد جائز ہے: غامدی مقامات ۲۹۸ تا ۳۰۱

غامدی صاحب کی خام عربی ان کے متناقض Oxymoron اصولوں کا اصل سبب ہے

غامدی صاحب نے میزان مقامات اور برہان میں مسلم و غیر مسلم کے لیے کافر و مشرک کے فتوے دیے ہیں

۲۰۰۶ء اور ۱۹۹۸ء کی دو عربی عبارتیں غامدی صاحب کی عربی دانی کی حقیقت کھول دیتی ہیں

خروج کی شرط اول یہ ہے کہ حکمران کھلے کفر کا ارتکاب کریں: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۹۸

جہاد صرف کافروں کے خلاف ہو سکتا ہے: غامدی برہان طبع ہشتم جولائی ۲۰۱۳ء ص ۲۶۸

حکمران ارتکاب کفر کے باعث واجب القتل ہو جاتا ہے: غامدی، برہان، ۲۰۱۳ء، ص ۲۹۹

خروج جہاد ہے اس کی شرط ہجرت ہے ہجرت کے بغیر جہاد جائز نہیں: غامدی برہان ۲۰۱۳ء، ص ۳۰۱

شرک کفر ارتداد سنگین جرائم ہیں لیکن ان کی سزا کوئی انسان دوسرے انسان کو نہیں دے سکتا دنیا میں اگر کبھی ان کی سزا اللہ دینا چاہے تو وہی دیتا ہے: غامدی، مقامات، ص ۳۱۲ سوال یہ ہے کہ مسلمان حاکم کے کفر پر خروج سے سزا کیوں دی جا رہی ہے اور یہ سزا انسان کیوں دے رہے ہیں؟

مسلمانوں کے لیے قتال کی ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ ظلم و عدوان کے خلاف جنگ ہے اللہ کی راہ میں قتال اب یہی ہے اس کے سوا کسی مقصد کے لیے بھی دین کے نام پر جنگ نہیں کی جا سکتی: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۹

خروج سیاسی انقلاب ہے اور کفر بواح کے مرتکب حاکم کے خلاف برپا کیا جا سکتا ہے: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۹۸ جو حکمراں اپنی ذات پر

شریعت کی بالادستی کا منکر ہواس کی اطاعت واجب نہیں رہتی: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۹۹ اولی الامر کی اطاعت کا حکم اسلام نے صرف مسلمان حکمرانوں کی اطاعت کے لیے دیا ہے غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۴۸۴ غیر مسلم حکمراں کی اطاعت ظاہر ہے اس حکم کی روشنی میں جائز نہیں حاکم اگر قرآن میں بیان کردہ مسلمان کی شرائط پوری نہ کرے ان سے انحراف کرے تو اطاعت کا یہ حکم اس سے متعلق نہیں رہتا روایت ہے کہ تم حکمرانوں سے جھگڑا کر سکتے ہو جب کوئی کھلا کفران کی طرف سے دیکھو اور تمہارے پاس اس سلسلے میں اللہ کی واضح حجت موجود ہو ایسے حکمران کے خلاف بغاوت شرائط کے ساتھ کی جاسکتی ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۴۸۴، ۴۸۵ ظاہر ہے قرآن وسنت کی روشنی میں ہی حکمران کی تکفیر ہوگی اطاعت باقی نہ رہے گی اور جہاد ہوگا اور بغاوت کی جاسکے گی۔

پیغمبر بھی تلوار اس وقت اٹھا سکتا ہے جب اس کا اقتدار ہجرت کے بعد آزاد علاقے میں قائم ہو: غامدی، برہان ۳۰۱

ہجرت کا حکم اللہ ہی دیتے ہیں کیوں کہ یہ اتمام حجت کے بعد ہوتی ہے پیغمبر بھی اپنی عقل ورائے سے پتہ نہیں چلا سکتا کہ قوم پر حجت پوری ہوئی یا نہیں اللہ ہی بتاتے ہیں کہ حجت پوری ہوگئی مہلت ختم ہوگئی: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۴۰۔ ہجرت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی دین کے مراحل میں اس کا ذکر بے معنی بات ہے جس کی تائید نہ عقل سے ہوتی ہے نہ قرآن وسنت سے: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۱۷۔ اہل باطل اہل ایمان کے لیے جینے کا کوئی موقع باقی نہ رہنے دیں تو وہ اصحاب کہف ومہاجرین حبشہ کی طرح کسی ایسے مقام کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں جہاں ظلم سے نجات حاصل کرسکیں: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۱۷ غامدی صاحب نے ہجرت کے بجائے منتقلی کی اصطلاح استعمال کی ہے کہ ظلم سے بچنے کے لیے مسلمان کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں یعنی صرف ہجرت ختم نہیں ہوئی ہجرت کی اصطلاح بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ سوال یہ ہے کہ جب ہجرت ختم ہوگئی تو خروج کیسے ہوگا خروج کی شرط تو ہجرت ہے

خروج میں مسلم حکمراں کو اس لیے قتل کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی ذات اور نظم حکومت میں شریعت کے احکام کا انکار کر کے کفر بواح کا مرتکب ہوا لہٰذا وہ مسلمان نہیں رہا لہٰذا وہ دائرہ کفر میں داخل ہوگیا اس کی تکفیر کے باعث ہی اس کا خون بہانا حلال ہے اس اصول کی تقریر غامدی صاحب نے میزان میں سورہ نساء کی آیت ۹۳ کے حوالے سے اس طرح کی ہے کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۲۹

خروج جہاد ہے جو حکمرانوں کے خلاف اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی ذات پر یا نظم ریاست میں شریعت کی بالادستی ماننے سے انکار کر دیں: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۹۹

زمانہ رسالت کے بعد پیدا ہونے والے مسلمان مرتد ہو جائیں تو انھیں قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۰

جب مسلمان کو ختم نبوت کے بعد مرتد ہونے کی آزادی ہے تو کفر بواح کے مرتکب مسلم حاکم کو کفر وارتداد پر قتل کرنے کی اجازت غامدی صاحب نے کیسے دے دی؟ قرآن اس قتل کے بارے میں خاموش ہے دینی کام کے شروع ہونے کا ذریعہ قرآن کی خاموشی نہیں بلکہ اثبات ہوتا ہے یہ حسن الیاس صاحب کا بیان کردہ اصول ہے جو دلیل کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

خروج کے لیے ہجرت لازمی ہے اور ہجرت کے بعد نظم سیاسی اسلامی حکومت کا قیام بھی لازمی ہے تا کہ جہاد و قتال ہو سکے: غامدی، برہان ،۲۰۱۳ء، ص ۳۰۱ خروج کی چوتھی شرط یہ ہے کہ مسلح اقدام سے پہلے خروج کرنے والے آزاد علاقے میں اپنی حکومت قائم کریں کیونکہ اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں ہے کیوں کہ جہاد اگر صاحب جمعیت اور صاحب اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو وہ محض فساد ہے: غامدی، برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۰۱

(خروج کے لیے) الجماعۃ کے بغیر کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ (خروج کے لیے) عملاً جہاد بالسیف اور قتال کے لیے اقدام شروع کرے: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۰۲

جہاد ایک ایسی جماعت کر سکتی ہے جس نے بالفعل ایک سیاسی جماعت کی صورت اختیار کر لی ہو جس پر الجماعۃ کا اطلاق ہو سکے: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۰۲۔ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ الجماعۃ بننے کے لیے جدوجہد کرے اس کی یہ جدوجہد جہاد ہی کے حکم میں ہوگی: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۰۲۔ الجماعۃ بننے سے پہلے کوئی سیاسی جماعت مسلم حکومت کے خلاف جہاد نہیں کر سکتی: غامدی، برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۰۲

مسلمان حکومت کا فرض ہے کہ وہ کافر و مشرک کا واضح طور پر تعین کرے اور جس کا شرک و کفر ثابت ہو اس کو جزیرہ العرب سے نکال دے اس اصول کی تقریر غامدی صاحب مقامات کے مضمون خدا کے فیصلے میں اس طرح کرتے ہیں۔ سرزمین عرب میں کسی کافر و مشرک کو رہنے بسنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ نہ غیر اللہ کی عبادت کے لیے کوئی معبد تعمیر کیا جا سکتا ہے یہ تمام احکام توحید کے

اسی مرکز سے متعلق ہیں دنیا کے دوسرے علاقوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ خدا کے منصوص فیصلے ہیں تورات اور قرآن میں انھیں واضح کر دیا گیا ہے بنی اسرائیل کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ اپنی میراث کے اس علاقے میں کسی کافر ومشرک کو زندہ نہ چھوڑیں اور نہ اس کی سرحدوں سے متصل کسی علاقے میں کافروں اور مشرکوں کی کوئی حکومت قائم رہنے دیں: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۶، ۱۹۵ قرآن نے صرف جزیرہ العرب سے کفار ومشرکین کو ہمیشہ کے لیے نکالنے کا فیصلہ سنایا یہ احکام توحید کے اسی مرکز سے متعلق تھے مگر علماء خدا کے ان فیصلوں کو سمجھ نہ سکے اور ان فیصلوں کی تعمیم کر کے فتنے پیدا کر کے پوری دنیا سے کفار ومشرکین کو نکالنا چاہتے ہیں لہٰذا خدا کے ان منصوص فیصلوں کو عالمی سطح پر سمجھا اور سمجھایا جائے اور بتایا جائے کہ مشرکین وکفار کو صرف اور صرف جزیرۃ العرب سے نکالنے کا حکم ہے ان کا دنیا کے کسی دوسری علاقے سے کوئی تعلق نہیں: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۹۶

کسی کو ظلم وجبر کے ساتھ اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش فتنہ ہے یہ قتل سے بڑا جرم ہے اللہ نے یہ دنیا آزمائش کے لیے بنائی ہے اور ہر انسان کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے آزادانہ فیصلے سے جو دین اور جو نقطۂ نظر چاہیں اختیار کریں کوئی شخص یا گروہ اگر دوسروں کو بالجبر ان کا دین چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے تو یہ اللہ کی پوری اسکیم کے خلاف اعلان جنگ ہے: غامدی، میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۹۳۔

ایک جانب میزان میں وہ ہر شخص کو اپنی مرضی کا دین مذہب عقیدہ نظریہ رکھنے کی اجازت عام دے رہے ہیں دوسری جانب مقامات میں لکھتے ہیں مشرکین مکہ کے بارے میں خدا کا فیصلہ یہی تھا کہ اگر وہ کفر پر قائم رہیں گے تو اس کی سزا بھی موت ہے اور ایمان لے آنے کے بعد دوبارہ کفر اختیار کریں گے تو اس کی سزا بھی موت ہے حدیث ہے جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو: غامدی، مقامات، ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۰ یہ خدا کی عجیب اسکیم (نعوذ باللہ) ہے کہ اگر اسلام قبول نہ کرو تو قتل کیے جاؤ گے اور اگر اسلام قبول کر کے اسلام چھوڑ دو تب بھی قتل کیے جاؤ گے یہ آزادی کی کونسی قسم ہے؟ حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کی خود خلاف ورزی کر دی جب دنیا کی اسکیم میں ہر شخص کو اپنی مرضی کا عقیدہ رکھنے کی آزادی ہے جب چاہے عقیدہ بدلنے کی آزادی ہے تو مشرکین مکہ کی آزادی چھین لینا اللہ کی اسکیم آزادی سے انحراف ہے کسی مسلم حاکم کے خلاف خروج غامدی صاحب کے اس اصول کے تحت اللہ کی پوری اسکیم کے خلاف اعلان جنگ ہے بلکہ اس دنیا میں رسولوں کی آمد ہی اللہ کی اس اسکیم کے خلاف خود اللہ کی

بغاوت تھی (نعوذ باللہ) کہ اللہ نے اس دنیا میں لوگوں کو آزادانہ فیصلے سے اپنی مرضی کا دین پسند کرنے کی آزادی دی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت کے تحت انبیاء اپنی قوموں کی آزادی چھینتے رہے اوران کو اپنا دین بدلنے پر قوت سے مجبور کرتے رہے مشرکین مکہ، یہود و نصاریٰ اور عرب کے باہر کی آٹھ قوموں کو جبراً مسلمان ہونے یا ذمی بن کر رہنے پر مجبور کرنا خدا کی اسکیم کی سنگین خلاف ورزی تھی ختم نبوت کے بعد ہی دنیا اس الٰہی جبر (نعوذ باللہ) سے قیامت تک کے لیے آزاد ہوئی مگر خروج کے ذریعے مسلمانوں کی ریاست پر اس جبر کا دروازہ (نعوذ باللہ) اللہ کے رسول نے قیامت تک کھول دیا ہے۔ غامدی صاحب کے اصول اللہ کی اسکیم اعلان آزادی کے تحت تو مسلم حکمراں کی مرضی کہ وہ شریعت کو تسلیم کرے یا نہ کرے یہ اس کی آزادی ہے۔

کسی کو صرف دو صورتوں میں قتل کر سکتے ہیں: ا۔ نظم اجتماعی سے سرکشی، ۲۔ فساد فی الارض۔ اس کے سوا کسی دوسرے جرم میں کسی کا قتل ناحق ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۲۸

خروج کے لیے شرط ہے کہ ہجرت ہو اسلامی ریاست قائم ہو پھر حکمران کے خلاف کفر بواح کے باعث جہاد کر کے اسے قتل کیا جائے۔ ورنہ ایک مسلم حکمران کو قتل کرنے کے لیے نہ ہجرت کی ضرورت ہے نہ الگ اسلامی حکومت قائم کرنے کی نہ قتال و جہاد کرنے کی اس لیے غامدی صاحب نے برہان میں خروج کی بحث کا خاتمہ اسی پر کیا ہے کہ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاسی اقتدار کے بغیر جہاد محض فساد ہے۔ جو نظام امارت اپنی جماعت پر اللہ کے حدود نافذ کرنے اور ارتکاب جرم کی صورت میں مجرم کو سزا دینے کا اختیار نہیں رکھتا اسے قتال کی اجازت آخر کس طرح دی جا سکتی ہے؟ اس امت کے علماء ہمیشہ اس شرط کے قائل رہے ہیں۔ والنوع الثالث من الفروض الكفائية ما يشترط فيه الحاكم، مثلاً ا لجهاد واقامة الحدود۔ اور کفایہ فرائض کی تیسری قسم وہ ہے جس میں حکمران کا ہونا شرط ہے مثال کے طور پر جہاد اور اقامت حدود یہ جہاد اپنے ملک میں ہجرت کے بغیر جائز نہیں: غامدی، برہان، ۱۰۳، ص ۳۰۱ ———

کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنے والا قیامت میں ابدی جہنم کا مستحق ہے وَ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡہَا وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ لَعَنَہٗ وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا[۴:۹۳] غامدی میزان، ۲۰۱۵ء، ص ۶۱۶

اس اصول سے واضح ہو گیا کہ کفر بواح کا مرتکب مسلمان کافر ہو گیا لہٰذا اس کا قتل جائز ہے اگر وہ مسلمان ہوتا تو سورہ نساء کی آیت کی

روسے وہ جہنم میں جاتا۔ اگر شریعت کے منکر مسلمان حکمران کو قتل کرنا حرام ہوتا تو غامدی صاحب خروج کی کبھی اجازت نہ دیتے چونکہ حکمران اپنی ذات اور ریاست میں شریعت کی بالادستی کا منکر ہوگیا لہٰذا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوکر مباح الدم ہوگیا اس کی تکفیر نے ہی اس کے خون کو حلال ٹھیرایا ورنہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور غامدی صاحب کے مذہب میں تو مسلمان تو مسلمان کسی کافر عیسائی یہودی کو بھی قتل نہیں کیا جاسکتا۔

جناب حسن الیاس صاحب اور محترم عمار ناصر صاحب وضاع کون غامدی صاحب یا کوئی اور

سیّد خالد جامعی

جناب حسن الیاس صاحب نے المورد کے سابق سربراہ جناب نادر عقیل انصاری صاحب کی تردید میں دلیل کے صفحے پر کسی کو کافر مشرک قرار دینے کے سلسلے میں یہ حق آپ کو دیا کس نے ہے کے عنوان سے یہ تحقیق پیش کی ہے:

یہ آپ کو کس نے حق دے دیا کہ آپ اپنی عدالتیں لگا کر لوگوں کے کفر و ایمان کا فیصلہ کریں۔کفر شرک ارتداد اگر تو زید عمر بکر کے ہرن [Deer] کی جگہ بندہ مارنے کی طرح جرم ہے تو اس کا فیصلہ ہم دنیا میں کریں گے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے یہ تو خدا کے خلاف جرائم ہیں دنیاوی جرائم نہیں ہیں آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ ان کے انکار کی وجہ پر بات بھی کریں اور فیصلہ سنائیں فلاں کافر ہے فلاں کافر نہیں اب فاضل محقق کو آگے بڑھ کر یہ بتا دینا چاہیے کہ قران مجید کے فلاں آیت یا فلاں حدیث ہمیں یہ حق دیتی ہے کہ ہم مسلمان کی حیثیت سے لوگوں کے کفر و ایمان کا فیصلہ کریں تکفیر ایک دینی عمل ہے۔جس میں ہم کسی دوسرے کے ایمان کے بارے میں فیصلہ کررہے ہوتے ہیں یہ اختیار مسلمانوں کو دیا کس نے ہے کہ وہ دوسروں کے انکار کی وجہ ان کے دل میں اتر کر دریافت کریں اور کفر کے فتوے صادر کریں یہ فیصلہ انسان کو کرنا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے اگر تو یہ مسلمانوں کی دینی ذمہ داری ہے تو دینی اعمال کے مشروع ہونے کی ہمیشہ اثباتی دلیل درکار ہوتی ہے۔لہٰذا فاضل محقق کو یہ بتانا چاہیے کیونکہ قرآن وحدیث میں مسلمانوں کو کہاں یہ حکم دیا گیا کہ لوگوں کی تکفیر کی جائے۔کسی دینی کام کے مشروع ہونے کا ذریعہ قرآن وحدیث کی خاموشی نہیں ہوتی بلکہ اثبات ہوتا ہے۔

[حسن الیاس تبصرے ۲۷،۲۹ مناظر ویب ڈیسک دلیل ۲۰۱۶ء۔۹۔۲]

غامدی صاحب نے مسلمان کی خود تکفیر کی ہے:

کفار کو کافر و مشرک قرار دیا ہے:

میرے محترم مجی حسن الیاس صاحب نے غامدی صاحب کے فلسفہ کفر و شرک کے دفاع میں جارحیت کا ارتکاب کیا لیکن وہ بھول گئے غامدی صاحب نے برہان کے مضمون اسلامی انقلاب اور مقامات کے مضمون خدا کے فیصلے میں مسلمان کی تکفیر اس کے قتل اور کافر و مشرک کو کافر و مشرک کہنے کا اختیار اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے [تفصیلات کے لیے برہان ص ۲۹۸ تا ۳۰۱ اور مقامات صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۶ ملاحظہ فرمائیے] سوال یہ ہے کہ یہ حق غامدی صاحب کو دیا کس نے ہے کہ وہ مسلم حکمران کی تکفیر کر کے اس کے خلاف جہاد کی اجازت دے کر اس کے قتال کو جائز قرار دیں حسن الیاس صاحب نے یہ بھی سوال اٹھایا تھا کہ فاضل محقق کو بتانا چاہیے کہ قرآن مجید کے فلاں آیت یا حدیث میں مسلمانوں کو تکفیر کا حکم دیا گیا ہے۔غامدی صاحب نے برہان میں حدیث کی روایت مسلم سے نقل کی ہے اور اس کی بنیاد پر حاکم کے خلاف تکفیر۔ہجرت۔اور جہاد کی اجازت دی ہے۔

حیرت کی بات تو یہ کہ ایک جانب غامدی صاحب مسلمان حاکم کی تکفیر کرتے ہیں جزیرہ العرب میں قیامت تک کسی کافر مشرک کو رہنے کی اجازت نہیں دیتے کسی کافر مشرک کو اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنے کا حق نہیں دیتے اپنے ان افکار کو خدا کے منصوص فیصلے قرار دیتے ہیں جو تمام الہامی صحائف اور تورات و قرآن میں بھی بیان ہوئے ہیں [غامدی مقامات ۲۰۱۴ء،ص ۱۹۶] غامدی صاحب کے ان متناقض Oxymoron افکار کی اصل بنیاد ان کی خام،کم زور،غلط سلط،ژولیدہ،مغلق،قواعد وضوابط سے آزاد،لنگڑی لولی عربی ہے جس کے دو نمونے ہم آپ کی خدمت میں ارسال کر چکے ہیں اس مضمون کے اختتام پر ضمیموں میں آپ عربی کی عبارتیں دوبارہ ملاحظہ کر سکتے ہیں

غامدی صاحب عربی سے نابلد مفکر اسلام ہیں:

میرے محترم جاوید غامدی صاحب عربی زبان پر عبور ہی نہیں رکھتے ان کی غلط سلط عربی عبارات کا کراچی کے ماہنامہ 'ساحل' نے اپریل ۲۰۰۷ء میں تنقیدی جائزہ لیا تھا۔جس کے بعد غامدی صاحب نے اپنی کتاب مقامات طبع دوم ۲۰۰۶ء بازار سے غائب کرادی جس

میں چھبیس صفحات پر مشتمل یہ غلط سلط عربی تحریر شائع کی گئی تھی۔

اسی کتاب مقامات میں غامدی صاحب کی لولی لنگڑی انگریزی میں چار نظمیں بھی شامل تھیں جو انگریزی کے بڑے شعراء کے مصرعوں کا سرقہ تھیں عربی اردو انگریزی میں شائع کردہ یہ سہ لسانی کتاب اب صرف ہمارے پاس محفوظ ہے کتاب غائب کرانے کے بعد مقامات کی اشاعت ۲۰۰۸ء میں منظر عام پر آئی تو اس میں سے عربی انگریزی حصے غائب کر دیے گئے کتاب صرف اردو میں طبع کی گئی۔اس پر دھوکہ دینے کے لیے لکھا گیا طبع اول اور سن اشاعت ۲۰۰۸ء جبکہ یہ کتاب ۲۰۰۶ء میں دوسری مرتبہ طبع ہو چکی تھی۔

۲۰۰۸ء میں مقامات طبع اول آئی تو اس پر غامدی صاحب کی تصویر تھی اور کتاب کا حجم [size] بھی چھوٹا یہ کتاب صرف اردو میں تھی عربی انگریزی حصے غائب ہوگئے اور دیباچہ بھی بدل گیا اب دیباچہ کی عبارت یہ ہے یہ متفرق تحریروں کا مجموعہ ہے میں نے اسے تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے [غامدی دیباچہ مقامات طبع اول ۲۰۰۸ء ص نمبر ندارد] پہلے دیباچہ تین زبانوں میں تھا اب صرف تین حصوں میں تبدیل ہوگیا۔دین پیش کرنے والوں کو کم از کم اتنا دیانت دار تو نہیں ہونا چاہیے۔حالانکہ مقامات ۲۰۰۶ء کے دیباچے میں غامدی صاحب نے بڑی شان سے لکھا تھا یہ اردو انگریزی اور عربی زبان میں چند نا تمام تصنیفات اور چند متفرق تحریروں کا مجموعہ ہے [غامدی مقامات لاہور المورد طبع دوم ۲۰۰۶ء ص ندارد دیباچہ] غامدی صاحب نے آیت بسم اللہ کی عربی تفسیر لکھی تو وہ بھی اغلاط،تسامحات کا دفتر تھی چند صفحات پر مشتمل یہ غلط سلط عربی تحریر راقم نے ستمبر ۲۰۱۶ء میں انٹرنیٹ پر شائع کی تو علماء حیران رہ گئے اور خود غامدی صاحب کے داماد حسن الیاس بھی پریشان ہوگئے جن کی عربی غامدی صاحب سے بدر جہا بہتر ہے کاش کہ غامدی صاحب اپنے داماد سے عربی سیکھ لیتے یا کم از کم عمار ناصر صاحب سے عربی تحریروں کی اصلاح کرا لیتے عمار صاحب کی عربی بھی غامدی صاحب سے لاکھ درجے بہتر ہے واضح رہے کہ یہ عربی تحریر غامدی صاحب نے راقم کو ۱۹۹۸ء میں خود شکیل الرحمان سنو وہائٹ والے کے گھر پر پیش کی تھی ۱۹۹۸ء میں ان کی عربی دانی کا یہ عالم تھا کہ وہ فصیح بلیغ تو کیا قابل قبول سلیس،سادہ،عام فہم درست عربی لکھنے پر بھی قادر نہ تھے۔

<u>عربی سے نابلد غامدی صاحب نے تمام علماء کی عربی کو غلط قرار دے دیا:</u>

جو صاحب ۲۰۰۶ء میں صحیح عربی نہیں لکھ سکتے تھے وہ میزان کے قانون زکوٰۃ میں العاملین علی اخذ الضرائب

وردھا ابی المصارف کی تفسیر میں لکھتے ہیں ریاست کے تمام ملازمین اس میں شامل ہیں اس میں شبہ نہیں کہ لوگ بالعموم (سلف سے خلف تک حضرت ابوبکر صدیق سے لے کر عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید آخر ۱۹۲۴ء تک) اسے سمجھنے سے قاصر رہے لیکن ہم نے اس کی تالیف بیان کردی ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۳۴۹

امت نے اپنی پوری تاریخ میں ریاست کے ملازمین کی تنخواہیں زکوٰۃ سے ادا نہیں کیں پوری امت ضلالت، گمراہی پر مجتمع ہوگئی کیونکہ قرآن کے صحیح فہم سے اجتماعی طور پر لاعلم رہی جب کہ غامدی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ پوری امت کسی ضلالت پر جمع ہو جائے یہ ناممکن ہے دین کے معاملے میں ہدایت وضلالت کا فرق اتمام حجت کے درجے میں واضح کردیا گیا ہے لہٰذا عقلاً محال ہے کہ امت ضلالت پر اجماع کرے غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۱ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امت ہدایت پر ہے غامدی صاحب ضلالت پر ہیں اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اتمام حجت کے لیے امت کو رسول ظاہر کی ضرورت نہیں ہے اتمام حجت رسول کے غیاب میں بھی ممکن ہے کیوں کہ غامدی صاحب نے خود لکھ دیا دین کے معاملے میں ہدایت وضلالت کا فرق اتمام حجت کے درجے میں واضح کردیا گیا ہے: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۱

<u>اتمام حجت کے لیے رسالت کی ضرورت نہیں: غامدی</u>

اتمام حجت دلالت الفاظ قرآن سے ہو چکا: غامدی

غامدی صاحب مقامات کے مضمون اجماع میں لکھ چکے ہیں کہ دین کے معاملے میں ہدایت وضلالت کا فرق اتمام حجت کے درجے میں واضح کردیا گیا ہے لہٰذا امت کا اجماع کبھی ضلالت پر نہیں ہوسکتا: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۶۱

اسی مقامات کے دوسرے مضمون اضطراری علم میں لکھتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ کی دلالت اتنی قطعی ہے کہ وہ اتمام حجت کے لیے کافی ہے اصل عبارت پڑھیے:

قرآن کے الفاظ کی دلالت کا معاملہ بھی یہی ہے وہ میزان فرقان ہے اور فصل نزاعات کے لیے حکم کی حیثیت سے نازل ہوا ہے اور اس نے اپنی بات اس قطعیت کے سات پہنچادی ہے کہ اس کی بنیاد پر روز قیامت انسان مسئول ہوں گے اور ان کے لیے جنت اور جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا قرآن کا یہ ارشاد اس فطری یقین پر مبنی ہے جو انسان کو نطق و بیان کی صلاحیت اور اس کے ذریعے سے ابلاغ کی قطعیت پر

ہمیشہ سے رہا ہے ائمہ فقہ وحدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے "ماثبت بالکتاب قطعي موجب العلم العمل: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۱۲۰

مسئلہ غامدی صاحب کی عربی کا نہیں ان کے تفردات، اجتہادات، اختراعات، تحقیقات کا بھی ایسا ہی ہے لہٰذا وہ ایک جانب علماء کو کفر وشرک کے فتوے دینے سے روکتے ہیں دوسری جانب برہان اور مقامات میں خود کفر وشرک کے فتوے جاری کر کے مسلمان حکمران کے خون کو بھی حلال کر دیتے ہیں منکرن اسلام کو کافر ومشرک بھی کہتے ہیں ان کے متناقض افکار کا طائرانہ جائزہ ذیل میں لیا گیا ہے۔

<u>قتل عمد اور فساد فی الارض کے جرم کے سوا کسی جرم میں قتل جائز نہیں: غامدی</u>

پانچواں حکم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو قتل نہ کرے۔ انسانی جان کو یہ حرمت ہمیشہ سے حاصل رہی ہے یہ اسی حرمت کا بیان ہے۔ ایک انسان کا قتل درحقیقت پوری انسانیت کا قتل ہے۔ سورہء مائدہ میں قرآن نے اسی کا حوالہ دیا ہے: "اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی انسان کو بچایا اس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا" مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ [۵:۳۲]۔

<u>کفر وبواح کا مرتکب مسلمان کافر ہوجاتا ہے: غامدی</u>

کفر بواح کا ارتکاب کرنے والا حکمران کافر ہوجاتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس کی تکفیر کے باعث ہی اس کا خون حلال ہوجاتا ہے اور اس کے خلاف جہاد جائز قرار پاتا ہے کیونکہ جہاد صرف اور صرف کافر کے خلاف ہوسکتا ہے کسی مسلمان کے خلاف کسی حالت میں نہیں ہوسکتا کافر حکمران کو اسلامی حکومت واقتدار میں برداشت نہیں کیا جاسکتا اس اصول کی تقریر میں غامدی صاحب برہان میں لکھتے ہیں "رسول اللہ نے فرمایا الا ان ترو کفراً بوا حاً حکمرانوں سے نزاع (جنگ) بس اس وقت کرسکتے ہو جب کوئی کھلا کفران کی طرف سے دیکھو": غامدی برہان ۲۰۱۳ء ۲۹۹۔

خروج کے لیے آزاد علاقے میں ہجرت کے بعد سیاسی اقتدار لازمی ہے سیاسی اقتدار کے بغیر جہاد محض فساد ہے نظام امارت ہی قتال کرسکتا ہے قتال کفایہ فرائض کی تیسری قسم ہے جس میں حکمران کا ہونا شرط ہے مثال کے طور پر جہاد اور اقامت حدود: غامدی

برہان۲۰۱۳ء،ص ۳۰۱۔ ظاہر ہے اگر حکمران کی تکفیر نہ کی جائے وہ کافر نہ ہو دائرہ اسلام سے خارج نہ ہو تب تک اسے قتل کرنا حرام ہے مسلمان حکمران کو صرف اور صرف اس وقت قتل کیا جاسکتا ہے جب وہ اپنی ذاتی زندگی اور نظم ریاست میں شریعت کی بالادستی کا انکار کردے مسلم اقتدار کا مطلب ہی صلوٰۃ زکوٰۃ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نفاذ و نفوذ ہے جب حکمراں اقتدار کے ان بنیادی مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کا منکر ہوجائے تو وہ صرف حق حکمرانی ہی نہیں اس زمین پر زندگی کا حق بھی کھودیتا ہے۔ کیونکہ اسلامی حکومت کا سربراہ بننے کے بعد اگر وہ اپنی ذات اور نظم اجتماعی حکومت و ریاست پر شریعت کی بالادستی ماننے سے انکار کرتا ہے تو ارض وسماء میں اس انکار سے زلزلہ برپا ہوجاتا ہے ایک مسلمان کی جانب سے نجی اور اجتماعی زندگی میں احکام شریعت کا انکار کفر اور ارتداد اور فساد فی الارض ہے اسی لیے غامدی صاحب جیسے متجدد بھی اس کے خلاف جہاد کرکے اسے قتل کرنے کے قائل ہیں وہ اس عمل کو برہان میں سیاسی انقلاب، بغاوت، منازعت، خروج اور جہاد کی اصطلاحات سے جائز ثابت کرتے ہیں [برہان ص ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱] ظاہر ہے جہاد کسی مسلمان حکمران کے خلاف اس وقت ہوسکتا ہے جب اس کی تکفیر کردی گئی ہو امت کو اس کے کفر کا یقین حاصل ہو صرف امکان کفر پر کسی مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے۔ خروج اصلاً جہاد ہی ہے اور جہاد صرف اور صرف کافر کے خلاف ہی کیا جاسکتا ہے۔ غامدی صاحب نے میزان میں اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنے والا قیامت میں ابدی جہنم کا مستحق قرار دیا گیا ہے اور قرآن نے پوری صراحت سے کہا ہے **وَ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡہَا وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ لَعَنَہٗ وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا** [۴:۹۳] غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۶۱۶ خروج مسلم حکمران اور اس کی مسلم فوج کے خلاف ہی ہوتا ہے اور اس آیت کی روشنی میں وہ مسلمان کے خلاف نہیں ہوسکتا اسی لیے رسالت مآب نے قتال کی اجازت دی اور غامدی صاحب نے خروج کو تسلیم کیا جس سے ثابت ہوا کہ کفر کا ارتکاب کفر بواح کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے تبھی اس کا خون حدیث نبوی کی روشنی میں حلال ہوتا ہے۔

اس فرمان سے واضح ہے کہ کسی انسان کی جان دو ہی صورتوں میں لی جاسکتی ہے: ایک یہ کہ وہ کسی کو قتل کردے، دوسری یہ کہ نظم اجتماعی سے سرکشی کرکے وہ دوسروں کی جان و مال اور آبرو کے درپے ہوجائے۔ زمین میں فساد پھیلانے کی تعبیر یہاں اسی مفہوم کے لیے اختیار کی گئی ہے۔ اس کے سوا ہر قتل ایک ناحق قتل ہے جس کی سزا قرآن کی رو سے ابدی جہنم ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۲۸ لیکن غامدی صاحب برہان میں مسلم کی حدیث ۴۷۷۱ کے حوالے سے کفر بواح کے مرتکب مسلم حکمراں کے خلاف خروج جہاد و قتال کی اجازت دیتے

ہیں غامدی برہان۲۰۱۳ء ص۳۰۱اس کا مطلب یہ ہوا کہ کفر بواح کا مرتکب مسلمان کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے اسی لیے رسالت مآب نے اس کے خلاف خروج کی اجازت دی اور غامدی صاحب نے اپنے مضمون اسلامی انقلاب اور میزان کے باب قانون سیاست میں خروج کا اثبات کیا۔

کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنے والا جہنمی ہے: غامدی

مسلمانوں میں سے جو لوگ اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف اس جرم (قتل) کے مرتکب ہوتے ہیں انھیں قرآن نے اس طرح متنبہ فرمایا ہے: ''اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوئی اور اس کے لیے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۲۸، ۲۲۹۔ خروج مسلم حکمراں اور اس کی قوت ریاست حاکمیت کے خلاف ہوتا ہے اور ظاہر ہے خروج مسلمان ہی کرتے ہیں لہٰذا خروج میں قتل ہونے والے مسلم حکمران اور قتل کرنے والے باغی مسلم حکمران پر ان آیات کا اطلاق نہیں ہوگا۔

کسی مسلمان کو قتل کرنے والا ابدی جہنمی ہے: غامدی

سورہ نساء میں مسلمان کے قاتل کو ابدی جہنم کی وعید دی

لیکن جہاں تک قتل کا تعلق ہے اس کو تو قرآن نے پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اس صورت میں قرآن مجید نے اس کے (قتل کے) مرتکبین کو بالخصوص جب وہ کسی مسلمان کو قتل کریں قیامت میں ابدی جہنم کا مستحق قرار دیا اور پوری صراحت کے ساتھ فرمایا:

وَ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡہَا وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ لَعَنَہٗ وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا [النساء ۴:۹۳] ''اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوئی اور اس کے لیے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے''۔ غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۲۲۸، ۲۲۹

کفر کے مرتکب کافر حکمران کے خلاف خروج کیا جاسکتا ہے: غامدی

اسلامی شریعت میں منازعت اور خروج کو وہ اسی وقت گوارا کرتا ہے جب تین شرطیں پوری ہوجائیں اولاً حکمران کھلے کفر کا

ارتکاب کریں: غامدی برہان ۲۰۱۳ء، ص ۲۹۸

<u>حکمران شریعت کا حکم نہ مانے تو یہ کھلا کفر ہے: غامدی</u>

شریعت کے منکر کے خلاف بغاوت جائز ہے

پہلی شرط کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کی رو سے مسلمانوں کے اولی الامر جب تک ان میں سے ہوں اور اپنی ذات پر یا نظم ریاست سے متعلق کسی معاملے میں شریعت کی بالادستی ماننے سے انکار نہ کردیں ان کی اطاعت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اہل ایمان میں سے کوئی شخص اس سے انحراف نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی وضاحت میں فرمایا:

الا ان تروا كفراس بو احاً عند كم من الله فيه برهان [مسلم رقم ۴۷۷۱] ''تم اپنے حکمرانوں سے نزاع بس اس وقت کر سکتے ہو جب کوئی کھلا کفر ان کی طرف سے دیکھو اور تمہارے پاس اس معاملے میں اللہ کی حجت موجود ہو'': غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۹۹۔ لیکن اگر حکمران شریعت کی بالادستی ماننے سے انکار کردیں تو ان کی اطاعت مسلمان پر واجب نہیں رہتی اور ایسے حکمرانوں کے خلاف بغاوت قتال کیا جاسکتا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۴۸۴۔ ۴۸۵

<u>شریعت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے: غامدی</u>

قرآن کی سورۂ نساء میں آتا ہے وَ مَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا [۴:۹۳] کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنے والا ابدی جہنمی ہوگا لیکن رسالت مآب نے کفر بواح کے ارتکاب پر مسلمان حاکم کو قتل کرنے اس کے خلاف خروج، منازعت، بغاوت کی اجازت دی تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ شریعت کا ذاتی زندگی اور نظم اجتماعی میں انکار کرنے کے بعد مسلمان نہیں رہا۔ لہٰذا اس کی تکفیر کی گئی اور اس کافر کا خون حلال قرار دیا گیا رسالت مآب ؐ نے اس کے خلاف جہاد کی اجازت اور جہاد کے لیے ہجرت اور نظم سیاسی کا قیام لازم کیا۔

واضح رہے کہ مسلمان حکمران کے خلاف خروج، بغاوت، منازعت، ہجرت، جہاد سیاسی انقلاب، جھگڑے اور قتل کی اجازت غامدی صاحب نے صرف اور صرف ایک حدیث کی بنیاد پر دی ہے کیوں کہ قرآن اس بارے میں بالکل خاموش ہے قرآن کی آیات جہاد

میں مسلم حکمران کے ارتکاب کفر پر قتل کی اجازت سرے سے مذکور ہی نہیں ہے۔خروج کے حکم کی بنیاد صرف اور صرف حدیث ہے یہ قرآن سے ثابت ہی نہیں ہے۔[غامدی برہان ۲۰۱۳ء حدیث کی بنیاد پر خروج جہاد قتال کا استدلال صفحہ ۲۹۹ سے ۳۰۱ تک محیط ہے وہاں دلائل دیکھیے] اس استدلال کی بنیاد پر غامدی صاحب کا میزان میں پیش کردہ وہ اصول بھی خود بخود مسترد ہو گیا کہ دین کا ماخذ صرف اور صرف قرآن وسنت ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۳ کیوں کہ یہاں دین کا ماخذ حدیث ہے اسی طرح حدیث پر ان کا وہ اعتراض بھی خود منسوخ ہو گیا کہ حدیث سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا بھی اضافہ نہیں ہوتا دین صرف قرآن وسنت میں محصور ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۱۵

عین ممکن ہے کہ غامدی صاحب اس تحریر کو پڑھنے کے بعد ارتقاء فرمالیں اور خروج کا انکار کردیں حالاں کہ خروج کا انکار اسلامی تاریخ اور علمیت کا انکار ہے اور میرے محترم غامدی صاحب کی تمام تحقیقات اسلامی علمیت اور تاریخ کے صریح انکار کا نام ہے۔

<u>کافر حکمران کے خلاف مسلم متوازی حکومت جہاد کرسکتی ہے: غامدی</u>

جہاد کی بنیادی شرط ہجرت اور متوازی حکومت: غامدی

پھر خروج کی ان صورتوں میں سے اگر مسلح اقدام کی صورت اختیار کی جائے تو اس کے لیے ایک چوتھی شرط یہ ہے کہ بغاوت کرنے والے پہلے کسی آزاد علاقے میں جا کر اپنی حکومت قائم کریں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے کسی پیغمبر کو بھی جو اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے تلوار اٹھانے کی اجازت اس وقت تک نہیں دی جب تک اس نے ہجرت کر کے اپنی جماعت کو کسی آزاد علاقے میں منظم نہیں کرلیا اور اس کا اقتدار اس جماعت پر بزور قوت قائم نہیں ہو گیا: غامدی، برہان، ۲۰۱۳ء، ص ۳۰۱

<u>ہجرت ہی نہیں ہجرت کی اصطلاح بھی ختم ہو گئی: غامدی</u>

پیغمبر بھی تلوار اس وقت اٹھا سکتا ہے جب اس کا اقتدار ہجرت کے بعد آزاد علاقے میں قائم ہو: غامدی، برہان ۳۰۱

ہجرت کا حکم اللہ ہی دیتے ہیں کیوں کہ یہ اتمام حجت کے بعد ہوتی ہے پیغمبر بھی اپنی عقل ورائے سے پتہ نہیں چلا سکتا کہ قوم پر حجت پوری ہوئی یا نہیں اللہ ہی بتاتے ہیں کہ حجت پوری ہو گئی مہلت ختم ہو گئی: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۴۰۔ ہجرت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی دین کے مراحل میں اس کا ذکر

بے معنی بات ہے جس کی تائید نہ عقل سے ہوتی ہے نہ قرآن وسنت سے: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۱۷۔ اہل باطل اہل ایمان کے لیے جینے کا کوئی موقع باقی نہ رہنے دیں تو وہ اصحاب کہف ومہاجرین حبشہ کی طرح کسی ایسے مقام کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں جہاں ظلم سے نجات حاصل کرسکیں: غامدی برہان ۲۰۱۳ء ص ۳۱۷ غامدی صاحب نے ہجرت کے بجائے منتقلی کی اصطلاح استعمال کی ہے کہ ظلم سے بچنے کے لیے مسلمان کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں یعنی صرف ہجرت ختم نہیں ہوئی ہجرت کی اصطلاح بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ سوال یہ ہے کہ جب ہجرت ختم ہوگئی تو خروج کیسے ہوگا خروج کی شرط تو ہجرت ہے

<u>خروج کا قتال اصلاً جہاد ہے لہٰذا حکومت کا قیام لازمی شرط ہے: غامدی</u>

اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاسی اقتدار کے بغیر جہاد محض فساد ہے۔ جو نظام امارت اپنی جماعت پر اللہ کے حدود نافذ کرنے اور ارتکاب جرم کی صورت میں مجرم کو سزا دینے کا اختیار نہیں رکھتا اسے قتال کی اجازت آخر کس طرح دی جاسکتی ہے؟ اس امت کے علماء ہمیشہ اس شرط کے قائل رہے ہیں۔ والنوع الثالث من الفروض الكفائية ما يشترط فيه الحاكم، مثلاً الجهاد واقامة الحدود۔ اور کفایہ فرائض کی تیسری قسم وہ ہے جس میں حکمران کا ہونا شرط ہے مثال کے طور پر جہاد اور اقامت حدود: غامدی، برہان، ۲۰۱۳ ص ۳۰۱

<u>خروج کے لیے ہجرت لازم ہے ہجرت کے بغیر جہاد ناجائز ہے: غامدی</u>

خروج کا قتال اصلاً جہاد کا ہی قتال ہے جو ریاست سے مشروط ہے: غامدی

غامدی صاحب مسلم حکمران کے خلاف خروج یعنی بغاوت قتال اور جہاد کے حوالے سے صاف صاف لکھتے ہیں ''......اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت اور ہجرت سے متعلق دوسری آیات سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اگر صاحب جمعیت اور صاحب اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو وہ محض شورش و بدامنی اور فتنہ فساد ہے'': غامدی برہان ۲۰۱۳ء، ص ۳۰۱

<u>مسلم حاکم جو کافر ہو گیا اس کے خلاف قتال الجماعہ کرسکتی ہے: غامدی</u>

الجماعۃ بننے کے لیے جدوجہد جہاد ہی کے حکم میں ہوگی: غامدی

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی باطل نظام کے اختلال وانتشار کو بھی اس وقت تک پسند نہیں کرتا جب تک اس بات کا امکان نہ ہو کہ جو لوگ اس باطل نظام کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ وہ اس کی جگہ پر کوئی نظام حق بھی قائم کر سکیں گے۔ انارکی اور بے نظمی کی حالت ایک غیر فطری حالت ہے۔ بلکہ انسانی فطرت سے یہ اس قدر بعید ہے کہ ایک غیر عادلانہ نظام بھی اس کے مقابل میں قابل ترجیح ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی جماعت کو جنگ چھیڑنے کا اختیار نہیں دیا ہے جو بالکل مبہم اور مجہول ہو جس کی قوت واستطاعت غیر معلوم اور مشتبہ ہو جس پر کسی با اختیار امیر کا اقتدار قائم نہ ہو، جس کی اطاعت ووفاداری کا امتحان نہ ہوا ہو جس کے افراد منتشر اور پراگندہ ہوں جو کسی نظام کو درہم برہم تو کر سکتے ہوں لیکن اس بات کا کوئی ثبوت انھوں نے بہم نہ پہنچایا ہو کہ وہ کسی انتشار کو مجتمع بھی کر سکتے ہیں۔ یہ اعتماد صرف ایک ہی جماعت پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ جس نے بالفعل ایک سیاسی جماعت کی صورت اختیار کر لی ہو اور جو اپنے دائرہ کے اندر ایک ایسا ضبط ونظم رکھتی ہو کہ اس پر الجماعۃ کا اطلاق ہو سکے۔ اس حیثیت کے حاصل ہونے سے پہلے کسی جماعت کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ الجماعۃ بننے کے لیے جدوجہد کرے اور اس کی یہ جدوجہد جہاد ہی کے حکم میں ہو گی لیکن اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عملاً جہاد بالسیف اور قتال کے لیے اقدام شروع کر دے۔

مجرد اخلاقی اقتدار کے اعتماد پر کسی اسلامی لیڈر کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دے دے ورنہ اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ جب ایک مرتبہ ان کی تلوار چمک جائے گی تو وہ حلال و حرام کے حدود کی پابند نہیں رہے گی اور ان کے ہاتھوں وہ سب کچھ ہو جائے گا جس کے مٹانے کے لیے ہی اس نے تلوار اٹھائی تھی: غامدی، برہان، ۲۰۱۳ء، ص۳۰۲

<u>جہاد صرف اور صرف ظلم وعدوان کے خلاف ہو سکتا ہے: غامدی</u>

جہاد کفر بواح کے مرتکب حکمران کے خلاف ہو سکتا ہے: غامدی

ایک جانب برہان میں غامدی صاحب نے اسلامی انقلاب میں ایک حدیث کے حوالے سے مسلمانوں کو شریعت کے باغی مسلم حاکم کے قتال کے لیے جہاد کی اجازت دی لیکن دوسری جانب میزان میں وہ جہاد کی صرف ایک قسم بیان کرتے ہیں کہ جہاد صرف اور صرف مذہبی جبر فتنہ Persecution کے خلاف ہو سکتا ہے ان کے دونوں اصول متناقض [Oxymoron] ہیں لہٰذا لکھتے ہیں ۔

شریعت میں جہاد وقتال کے حکم کی صرف دو صورتیں ہیں: ۱۔ ظلم وعدوان کے خلاف، ۲۔ اتمام حجت کے بعد منکرین کے خلاف۔ پہلی صورت

شریعت کا ابدی حکم ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۷۷۔ اتمام حجت کے بعد منکرین کے خلاف جہاد وقتال تو غامدی صاحب کی شریعت میں ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا لیکن جہاد وقتال کی پہلی صورت ظلم وعدوان کے خلاف قتال قیامت تک جاری رہے گا اس قتال و جہاد کی حدود و شرائط میں غامدی صاحب نے کہیں بھی کفر بواح کے ارتکاب پر مسلمان حاکم اور اس کی حکومت کے خلاف جہاد کا تذکرہ سرے سے نہیں کیا دوسرے معنوں میں قرآن جس جہاد کی اجازت دے رہا ہے وہ اجازت مسلم حکمران کے کفر بواح کے ارتکاب پر اس کی تکفیر اس کے قتال اور اس کی حکومت کے خلاف جہاد کی اجازت نہیں دیتی جہاد کی شرائط حدود کے سلسلے میں غامدی صاحب کا موقف درج ذیل ہے۔

اقدام کی غایت: چوتھی بات اقدام کی غایت ہے۔ سورۂ بقرہ کی ان آیات میں پوری صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک یہ دو مقاصد بالکل آخری درجے میں حاصل نہیں ہو جاتے: ایک یہ کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ سرزمین عرب میں دین صرف اللہ ہی کا ہو جائے۔ پہلے مقصد کے لیے قرآن میں حتی لا تکون فتنة کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۂ انفال (۸) کی آیت ۳۹ میں بھی جنگ کا یہ مقصد کم وبیش انھی الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ یہ فتنہ جسے قرآن نے یہاں اشد من القتل (قتل سے بھی بڑا جرم) قرار دیا ہے، اس کے معنی کسی شخص کو ظلم و جبر کے ساتھ اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کے ہیں۔ یہی چیز ہے جسے انگریزی زبان میں Persecution کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن میں یہ لفظ جگہ جگہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ فی الواقع قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمایش کے لیے بنائی ہے۔ اور اس میں انسانوں کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے آزادانہ فیصلے سے جو دین اور جو نقطۂ نظر چاہیں اختیار کریں لہٰذا کوئی شخص یا گروہ دوسروں کو بالجبر ان کا دین چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے تو یہ درحقیقت اس دنیا کے لیے اللہ کی پوری اسکیم کے خلاف اعلان جنگ ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء، ص ۵۹۲، ۵۹۳

مقامات میں بھی وہ یہی لکھتے ہیں: جہاد قتال کی دو صورتیں قرآن میں بیان ہوئی ہیں: ۱۔ کفر کے خلاف جنگ، ۲۔ ظلم وعدوان کے خلاف جنگ۔ پہلی صورت کا تعلق شریعت سے نہیں ہے اللہ کے قانون اتمام حجت سے ہے یہ جہاد نہیں خدا کا عذاب تھا جو سنت الٰہی کے عین مطابق ایک فیصلہ خداوندی کی...... سے پہلے مشرکین عرب یہود و نصاریٰ پر اور اس کے بعد جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی قوموں پر نازل کیا گیا چنانچہ لوگوں کے خلاف محض ان کے کفر کی وجہ سے جنگ کا حق بھی آپ اور آپ کے صحابہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ہمیشہ

کے لیےختم کردیا گیا دوسری صورت البتہ شریعت کا حکم ہے :غامدی مقامات ۲۰۱۴ءص ۲۰۲،۲۰۳۔قرآن میں جہاد کا حکم اصلاً فتنہ کے استیصال کے لیے آتا ہے اس کے معنی کسی شخص کوظلم و جبر کے ساتھ اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کے ہیں جسے Persecution سےتعبیر کیا جاتا ہے:غامدی مقامات ۲۰۱۴ء،ص ۲۰۴۔ پہلے غامدی صاحب نے شریعت کے باغی مسلم حکمراں کے خلاف قتال و جہاد کی اجازت دی اب اسے منسوخ کردیا اور قتال و جہاد کوصرف فتنہ کے خلاف مخصوص کردیا ان کے دونو ں اصول Oxymoron ہیں۔مقامات میں وہ جہاد کے دائرے میں مزید توسیع کرتے ہیں اوراسےصرف فتنہ کےساتھ مخصوص نہیں کرتے وہ تبلیغ دین میں رکاوٹ ڈالنے پربھی جہاد کا اعلان کرتے ہیں اشرار کی افواہ سازی پران کےقتال کی اطلاع دیتے ہیں یہ نقطہ نظر بھی میزان کے باب قانون جہاد کےنقطۂ نظر سے بالکل مختلف ہے یہ تمام اصول Oxymoron ہیں۔

<u>تبلیغ دین میں رکاوٹ ڈالنے والوں کےخلاف جہاد ہوگا:غامدی</u>

غامدی صاحب نے پہلےلکھا کہ جہاد صرف دو مقاصد کے لیے جائز ہے(۱)ظلم وعدوان کے خلاف اور(۲) کفر کے خلاف جنگ[مقامات غامدی،۲۰۱۴ءص ۲۰۲لیکن اسی مقامات میں جہاد کا دائرہ مزید وسیع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسلا کی دعوت کواقصائے عالم تک پہنچانے کیے لیےریاست کی سطح پراہتمام کیا جائے گا دنیا کی کوئی طاقت اگراس میں (اسلام کی دعوت وتبلیغ دین میں)رکاوٹ پیدا کرےگی تو ریاست اپنی استطاعت کےمطابق اس رکاوٹ کودور کرنے کی کوشش کرےگی اگرچہ اس کے لیے تلوار اٹھانی پڑے۔اسلام کے ماخذ میں ان مطالبات کےدلائل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب میزان:غامدی مقامات ۲۰۱۴ءص ۱۸۷۔

برہان میں جہادکادائرہ مزید وسیع کرتے ہوئے کفر بواح کے مرتکب حکمران کےخلاف بغاوت،ہجرت الجماعۃ کےقیام سیاسی انقلاب خروج اور جہادکی اجازت دیتے ہیں:غامدی برہان ۲۰۱۳ءص ۲۹۹ تا ۳۰۲

واضح رہے کہ غامدی کی کتاب میزان کے باب قانون جہاد میں تبلیغ دین میں رکاوٹ ڈالنے والی کسی طاقت،قوت،ریاست کے خلاف جہاد کا کوئی حکم موجودنہیں میزان میں صرف یہ لکھا ہے کہ جہاد صرف فتنہ کےخلاف کیا جاسکتا ہےفتنہ اب باقی نہیں دنیا سے مذہبی جبر کا خاتمہ ہو چکا ہے۔میزان میں لکھتے ہیں

فتنہ کے خلاف جنگ کا یہ حکم قرآن میں بعض دوسرے مقامات پر بھی بیان ہوا ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ دوسروں کو بالجبران کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی روایت اب بڑی حد تک دنیا سے ختم ہوگئی ہے،لیکن انسان جب تک انسان ہے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کب اور کس صورت میں پھر زندہ ہوجائے۔اس لیے قرآن کا یہ حکم قیامت تک کے لیے باقی ہے: غامدی،میزان،۲۰۱۵ء،ص۵۹۳

برہان میں غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ جہاد مسلمان حکمران کے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔خروج کے لیے آزاد علاقے میں ہجرت کے بعد سیاسی اقتدار لازمی ہے سیاسی اقتدار کے بغیر جہاد محض فساد ہے نظام امارت ہی قتال کرسکتا ہے قتال کفایہ فرائض کی تیسری قسم ہے جس میں حکمران کا ہونا شرط ہے مثال کے طور پر جہاد اور اقامت حدود: غامدی برہان ۲۰۱۳ء،ص۳۰۱،غامدی صاحب کے یہ تمام اصول Oxymoron ہیں۔

<u>معاشرے میں افواہیں پھیلانے والے اشرار بھی قتل کے مستحق ہیں: غامدی</u>

خدا کے پیغمبر سے مسلمانوں کو برگشتہ اور بدگمان کرنے اور اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ بالکل برباد کردینے کے لیے یہ ان کی خانگی زندگی کے بارے میں افسانے تراشتے بہتان لگاتے اور اسکینڈل پیدا کرتے تھے۔مسلمان عورتیں جب رات کی تاریکی میں یا صبح منہ اندھیرے رفع حاجت کے لیے نکلتی تھیں تو ان کے درپے آزار ہوتے اور اس پر گرفت کی جاتی تو اس طرح کے بہانے تراش کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے تھے کہ ہم نے تو فلاں اور فلاں کی لونڈی سمجھ کر ان سے فلاں بات معلوم کرنا چاہی تھی۔چنانچہ فرمایا کہ مسلمان عورتیں اپنی کوئی چادر اوپر ڈال کر باہر نکلیں تاکہ لونڈیوں سے الگ پہچانی جائیں اور ان کو ستانے کے لیے یہ اس طرح کے بہانے نہ تراش سکیں۔نیز فرمایا کہ یہ اشرار بھی متنبہ ہوجائیں کہ ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو عبرت ناک طریقے سے قتل کردیے جائیں گے: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء،ص۲۷۵

<u>صحابہ نے جہاد نہیں کیے ان کی جنگیں عذاب خدا تھیں: غامدی</u>

جہاد و قتال کی دو صورتیں قرآن میں بیان ہوئی ہیں: ۱۔ایک کفر کے خلاف جنگ،۲۔ظلم و عدوان کے خلاف جنگ

پہلی صورت کی تعلق شریعت سے نہیں قانون اتمام حجت سے ہے اس قانون کے تحت رسالت مآب اور آپ کے صحابہ نے کفر کے خلاف جو جنگیں لڑی ہیں وہ محض جنگیں نہ تھیں بلکہ خدا کا عذاب تھا جو سنت الٰہی کے عین مطابق اور ایک فیصلہ خداوندی کی حیثیت سے

مشرکین یہودونصاریٰ اور جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی آٹھ قوموں پر نازل کیا گیا: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۰۳

صحابہ نے جہاد بھی کیا اور عذاب بھی نازل کیا: غامدی

زمانہ رسالت کی کچھ جنگیں جہاد بھی تھیں:

مقامات میں غامدی صاحب نے دعویٰ کیا کہ صحابہ کی جنگیں جہاد نہیں، محض جنگیں نہیں بلکہ صرف اور صرف خدا کا عذاب تھیں :مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۰۳

زمانہ رسالت کی یہ جنگیں زیادہ تر اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت کے تحت لڑی گئیں تھیں اور ان میں لڑنے والوں کی حیثیت اصلاً آلات وجوارح کی تھی جو اللہ کے حکم پر اترے فرشتوں کی مدد سے کامیاب ہوئے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۶۰۵

احد واحزاب کی جنگیں تزکیہ نفس کی جنگیں تھیں: غامدی

احد واحزاب میں مسلمانوں کی تطہیر وتزکیہ کے بعد مشرکین عرب کے تمام متربصین کو الٹی میٹم دے دیا گیا کہ ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۴۵۔

پہلے دعویٰ تھا کہ اللہ کے حکم سے ہجرت ہوتی ہے اتمام حجت کے بعد ہوتی قوم کی مہلت قوم ہونے کے بعد ہوتی ہے پھر اللہ کا عذاب قوم پر نازل ہو جاتا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۹۳۸ تا ۵۴۱ مگر اب بتا رہے ہیں کہ عذاب نازل ہونے سے پہلے تزکیہ نفس وتطہیر لشکر اسلام کے لیے جہاد ہوتے ہیں پھر الٹی میٹم دیا جاتا ہے حالانکہ میزان میں لکھتے ہیں اللہ کا پیغمبر جب تبلیغ کا حق آخری درجے میں ادا کر دیتا ہے حجت تمام ہو جاتی ہے تو ہجرات برات کا مرحلہ آجاتا ہے قوم کو بتادیا جاتا ہے کہ ان کا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا ہے اب ان کی جڑیں اس زمین سے کٹ جائیں گی نصرت خداوندی کا وقت پیغمبر کے لیے آ گیا ہے اپنی قوم کی تکفیر کر کے پیغمبر قوم کو چھوڑ دے چونکہ قوم پر حجت پوری ہوگئی اور اب قوم سے کسی مثبت ردعمل کی توقع نہیں کی جاسکتی لہذا قوم کی مہلت بھی ختم ہوگئی اب پیغمبر انھیں چھوڑ کر جاسکتا ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۳۹، ۵۴۰ مگر یہاں غامدی صاحب قوم کو مہلت بھی دلوا رہے ہیں دعوت وتبلیغ کے لیے دوبارہ رسول کے ذریعے قوم کو پکڑوا بھی رہے ہیں یہ سب اصول Oxymoron ہیں۔

سورۂ توبہ کے بعد قانون اتمام حجت کا اطلاق ہوا: غامدی

سورۂ توبہ سے پہلے جتنی جنگیں ہوئیں وہ جہاد تھیں اس اصول کی تقریر غامدی صاحب نے میزان میں کی ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۹۸ ملاحظہ فرمائیے

مقامات میں لکھتے ہیں:

(قانون اتمام حجت کے تحت) منکرین نبوت کے قتل عام کی سزا کے حکم کا اعلان ۹ ہجری میں حج اکبر کے دن ہوا اس کا حکم قرآن مجید کی سورہ توبہ آیت پانچ میں آتا ہے یہ خدا کا عذاب تھا جو مشرکین عرب پر نازل کیا گیا اس میں عورتوں اور بچوں کے لیے بھی کوئی استثناء نہیں ہوتا اور وہ بھی اسی طرح ہلاک کر دیے جاتے ہیں جس طرح نوح ہود صالح لوط شعیب کی قوموں پر عذاب آیا ان لوگوں کی سزا میں ۹ ہجری تک یہ تاخیر اس لیے کی گئی کہ معاند نہیں تھے لہٰذا توقع تھی کہ شاید توبہ اور اصلاح کی توفیق پائیں اور سزا سے بچ جائیں غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۳۱۴ ۔ غامدی صاحب کا یہ موقف میزان کے باب قانون دعوت کے چوتھے مرحلے ہجرات و برات سے بالکل متناقض Oxymoron ہے۔

اتمام حجت کے بعد قوم کی مہلت پوری ہو جاتی ہے اور ہجرت کا حکم ملتا ہے: غامدی

اتمام حجت کے بعد ہجرت کا حکم اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں اس کا فیصلہ کوئی پیغمبر اپنے اجتہاد سے نہیں کر سکتا کہ حجت پوری ہوئی یا نہیں پروردگار یہ فیصلہ کرتا ہے کہ حجت پوری ہو گئی قوم کی مہلت ختم ہو گئی اور اب پیغمبر انھیں چھوڑ کر جا سکتا ہے جزا اور سزا یہ آخری مرحلہ ہے آسمانی عدالت زمین پر قائم ہوتی ہے اور پیغمبر کی قوم کے لیے ایک قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ء ص ۵۴۱، ۵۴۰۔ سوال یہ ہے کہ جب اتمام حجت ہو گیا اللہ نے خود ہجرت کا حکم دیا اللہ نے خود فرمایا کہ قوم کی مہلت ختم ہو گئی۔

(قتال عام کا فیصلہ) یہ خدا کا فیصلہ تھا جو رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد لازماً نافذ ہو جاتا ہے قرآن کہتا ہے خدا کی سنت میں تبدیلی نہ دیکھو گے: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۳۱۴ لیکن حیرت ہے کہ خدا کا یہ فیصلہ اتمام حجت کے باوجود نافذ نہیں ہو سکا ملتوی ہوتا رہا حتیٰ کہ ۹ ہجری میں جا کر بمشکل نفاذ کی تکمیل تک پہنچ سکا اس وقت تک صحابہ صرف جنگیں کرتے رہے جو جہاد تھیں جن کا قانون اتمام حجت سے

عذاب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جب کہ غامدی صاحب نے میزان کے قانون دعوت میں صاف لکھا ہے کہ ہجرات و برات کے بعد قوم کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔

<u>اتمام حجت کے بعد عذاب کا حکم سورۂ توبہ میں دیا گیا: غامدی</u>

رسول کی ہجرت کے بعد قوم کی مہلت عمر ختم ہو جاتی ہے: غامدی

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم رسول کی تکذیب کے بعد اسے وطن سے نکالنے یا قتل کر دینے کا فیصلہ کر دیتی ہے تو اس کی مہلت عمر بھی ختم ہو جاتی ہے: غامدی البیان جلد دوم طبع اول اگست ۲۰۱۴ء ص ۳۳۱

غامدی صاحب کے یہ تمام بیانات Oxymoron ہیں میزان کے باب قانون دعوت میں انہوں نے لکھا تھا کہ ہجرت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حجت پوری ہوگئی دعوت حق کے لیے اب کسی مثبت ردعمل کی توقع نہیں لہذا حجت پوری ہوگئی قوم کی مہلت ختم ہوگئی اب جزا وسزا کا مرحلہ ہے جس میں قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی ہے: غامدی میزان ۲۰۱۵ ص ۵۴۰، ۵۴۱

تفسیر البیان میں سورہ الاعراف کی آیت ۱۶۷ کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی اتمام ح جت ہو جائے تو اللہ سزا دینے میں دیر نہیں کرتا: البیان جدل دوم لاہور المورد طبع اول اگست ۲۰۱۴ء ص ۲۳۸

<u>قوم کی مہلت ختم ہونے کے بعد اللہ نے پھر مہلت دے دی: غامدی</u>

حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پتہ نہ چلا کہ قوم پر اتمام حجت نہ ہو سکا

سوال یہ ہے کہ عذاب کا اعلان ہونے کے باوجود قرآن نے مشرکین کو مہلت کیوں دی سورہ توبہ کی آیت چھ کی تشریح میں غامدی صاحب لکھتے ہیں یعنی مشرکین دین وشریعت سے زیادہ واقف نہیں ہیں اس وجہ سے رعایت کے مستحق ہیں ہوسکتا ہے کہ لمبے عرصے تک تبلیغ و دعوت کے بعد بھی اتمام حجت میں کوئی کسر رہ گئی ہو لہذا ان میں سے کوئی شخص اگر بات سننے اور سمجھنے کے لیے امان چاہتا ہے تو امان دے دو تا کہ فیصلہ کر سکے کہ اسے اسلام قبول کرنا ہے یا تلوار بعض صحابہ مشرکوں کے لیے مزید مہلت کے خواہاں تھے: غامدی البیان جلد دوم لاہور المورد طبع اول اگست ۲۰۱۴ ص ۳۲۶

قانون اتمام حجت کے تحت اتمام حجت کے باوجود مشرکین کو مہلت ملی ہوئی تھی سورہ توبہ قانون اتمام حجت کے تحت رسول کی قوم پر)

اسی فیصلے (عذاب) کا اعلان ہے عذاب سے پہلے چار ماہ کی مہلت دی گئی اس مہلت کی مدت پوری ہونے پر وہ عذاب کی زد میں ہیں یہ عذاب

رسول اور صحابہ کی تلواروں سے نازل ہوتا ہے: غامدی البیان جلد دوم ص ۳۲۱۔۳۲۳

سورۂ توبہ کی آیت چھ میں قتل عام مشرکین عرب کے لیے عذاب کا حکم دیا گیا: البیان جلد دوم ص ۳۲۵ محولہ بالا

سورۂ الاعراف کی آیت [۷: ۱۴۵] کی تفسیر میں لکھتے ہیں قرآن کی ایک آیت کے دو معانی ہو سکتے ہیں:

تختیوں پر اللہ تعالیٰ نے خود لکھا یا اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت موسیٰ نے لکھا بائبل کے بیان سے دونوں ہی باتیں نکلتی ہیں ان میں سے جس کو بھی مانے قرآن کے الفاظ اس کے محتمل ہیں بائبل میں آتا ہے اور موسیٰ نے خدا کی سب باتیں لکھ دیں (خروج ۲۴: ۳۔۴) غامدی صاحب نے آیت کا ترجمہ کیا ہے ہر چیز کی تفصیل ہم نے تختیوں پر لکھ دی ہے: غامدی البیان جلد دوم طبع اول اگست ۲۰۱۴ء ص ۲۱۵

چونکہ قرآن قطعی الدلالتہ نہیں ہے لہذا قرآن سے قانون اتمام حجت کے کئی مطلب نکل رہے ہیں۔

<u>زور و قوت کے اظہار کا طریقہ تہذیب و شائستگی کے خلاف ہے: غامدی</u>

خروج کے ذریعے زور و قوت سے حکمران بدل دیا جائے: غامدی

غامدی صاحب کے فلسفہ دین کے تمام اصول متناقض Oxymoron ہیں برہان میں خروج کی بحث میں وہ حکمران کو کافر قرار دے کر اس کے خلاف خروج، قتال، جہاد، بغاوت، منازعت، سیاسی انقلاب کی اجازت دے رہے تھے حکمران کی تکفیر کر کے اس کے خلاف جہاد کی اجازت دے رہے تھے۔ اس سے کسی بحث مباحثہ مکالمے کا دروازہ کھولنے پر تیار نہ تھے مگر علماء پر الزامات عائد کرتے ہیں کہ وہ تکفیر کرتے ہیں اور جہاد و قتال کی دعوت دیتے ہیں علماء پر ان کے الزامات پڑھیے:

انتہاء پسندی کا یہ عفریت براہ راست آسمان سے نازل نہیں ہوا۔ یہ اسی مذہبی فکر کا مولود فساد ہے جو نفاذ شریعت اور جہاد و قتال کے زیر عنوان اور کفر شرک اور ارتداد کے استیصال کے لیے ہمارے مدرسوں میں پڑھا اور پڑھایا جا رہا ہے۔ انتہاء پسند افراد اور تنظیمیں اسی سے الہام حاصل کرتی ہیں اور کچھ ترمیمات کے بعد اپنے پیش نظر مقاصد کے لیے اس کو عمل کے سانچے میں ڈھال لیتی ہیں۔ یہ مذہبی فکر

قرآن وحدیث کی جن تعبیرات پر مبنی ہے۔ان کی غلطی دور حاضر میں اسلام کے جلیل القدر مفکرین واضح کر چکے ہیں۔علم واستدلال کے مقابلے میں ہنگامہ واحتجاج اورزورو قوت کے اظہار کا طریقہ ختم ہو جائے تو ان مفکرین کے رشحات فکر ذہنوں کو تبدیل کر سکتے ہیں۔رائج مذہبی فکر کے مقابلے میں یہ گویا ایک جوابی بیانیہ[Counter narrative] ہوگا۔لیکن پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ اس میں دین وشریعت کی حفاظت کا یہی طریقہ رائج ہے۔ تہذیب اور شائستگی کے ساتھ اختلاف رائے کی روایت بدقسمتی سے یہاں قائم نہیں ہوسکی:

غامدی: مقامات،۲۰۱۴،ص ۱۹۷۔۱۹۸

ارباب حل وعقد صاف صاف بتادیں کہ یہ دباؤ نا قابل قبول ہے۔وہ اگر اپنے ساتھ اختلاف رکھنے والوں کی غلطی واضح کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے بھی واحد راستہ یہی ہے کہ اسے علم واستدلال سے واضح کرنے کی کوشش کریں۔علم کی دنیا میں ہنگامہ واحتجاج اور جبر واستبداد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے: غامدی، مقامات، ج ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۸۔سوال یہ ہے کہ اگر یہ اصول قطعی ہے تو برہان میں باغی مسلم حکمران کے خلاف جہاد وقتال سیاسی انقلاب کا کیا جواز ہے غامدی صاحب کے دونوں اصول Oxymoron ہیں۔

<u>منکرین حق کو دعوت دی جائے داروغہ نہ بنیں: غامدی</u>

حکمراں کفر بواح کا مرتکب ہو تو داروغہ بنیں: غامدی

غامدی صاحب کے تمام دینی اصول متناقض Oxymoron ہیں برہان میں خروج کی بحث میں وہ ثابت کرتے ہیں کہ حکمراں اپنی ذاتی واجتماعی زندگی میں شریعت سے انحراف کرے تو اس کے خلاف خروج جائز ہوجاتا ہے[برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۹۹ تا ص ۳۰۱۔ پر یہ بحث پڑھی جاسکتی ہے] مگر مقامات میں فرماتے ہیں کہ کوئی ہدایت پر ہو یا گمراہی پر مسلمانوں کو ان کی جماعت کو حتی کہ اللہ کے رسول کو بھی داروغہ بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔اصل الفاظ یہ ہیں:

''ایمان کا ایک لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ لوگوں کو بھلائی کی تلقین کی جائے اور برائی سے روکا جائے۔لوگوں کی ہدایت وگمراہی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔وہ ان کو بھی جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور ان کو بھی جو ہدایت پانے والے ہیں۔اس لیے حق وانصاف کی دعوت کے لیے نہ کسی شخص کو داروغہ بننا چاہیے اور نہ اپنے مخاطبین کے لیے جنت اور جہنم کے فیصلے صادر

کرنے چاہئیں۔قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ داعی حق کی حیثیت سے خدا کے کسی پیغمبر کو بھی تذکیر ونصیحت اور بلاغ مبین سے آگے کسی اقدام کی اجازت نہیں دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''تم نصیحت کرنے والے ہوتم ان پر کوئی داروغہ نہیں ہو''(الغاشیہ ۸۸:۲۱۔۲۲)۔[غامدی مقامات ۲۰۱۴ء،ص ۲۰۶]غامدی صاحب کے یہ دونوں اصول کہ ا۔مسلم باغی حکمراں کے خلاف بغاوت جہاد وقتال کرو اور ۲۔داروغہ نہ بنو اصلاً متناقض Oxymoron ہیں۔

<u>کفرِ وبواح کا ارتکاب حدیث کے مطابق منکر نہیں ہے:غامدی</u>

قوت کا استعمال صرف متفقہ منکر کے خلاف جائز ہے:غامدی

ایک جانب غامدی صاحب ''برہان'' میں کفر بواح کے ارتکاب پر حکمران کی تکفیر تقتیل کا حکم دیتے ہیں مگر مقامات میں کچھ اور تحقیق پیش فرماتے ہیں لکھتے ہیں:

دائرہ اختیار کا معاملہ البتہ مختلف ہے۔سن رشد کو پہنچنے کے بعد آدمی کسی عورت کا شوہر اور اس کے نتیجے میں بچوں کا باپ بنتا ہے۔بنی آدم کی یہ دونوں حیثیتیں دین وفطرت کی رو سے ان کا ایک دائرہ اختیار پیدا کرتی ہیں۔یہی صورت اداروں اور حکومتوں کی ہے۔یہ جب قائم ہو جاتی ہیں تو ان کے سربراہوں کے لیے بھی ایک دائرہ اختیار پیدا ہو جاتا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دائرے کے اندر ہونے والی برائیوں کے بارے میں فرمایا ہے:من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ تم سے سے کوئی شخص برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ ہاتھ سے اس کا ازالہ کرے:غامدی مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۰۷۔

برائی کے لیے اس روایت میں منکر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اس سے مراد وہ برائیاں نہیں ہیں جو خالص مذہبی احکام کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتی ہیں۔بلکہ وہ برائیاں ہیں جنھیں پوری انسانیت بلا امتیاز مذہب وملت برائی سمجھتی ہے۔چوری،جھوٹ،بد دیانتی،غبن،خیانت، ناپ تول میں کمی،ملاوٹ،حق تلفی،فواحش،جان مال اور آبرو کے خلاف زیادتی اور اس نوعیت کی دوسری برائیوں کو عربی زبان میں لفظ منکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد انھی برائیوں سے متعلق ہے:غامدی،مقامات،۲۰۱۴ء،ص ۲۰۷

غامدی صاحب کو یہ تک معلوم نہیں کہ مغربی فلسفہ اور اس کا مذہب انسانی حقوق اب ہر مذہب وملت کی مشترکہ برائیوں کو برائی ہی

نہیں سمجھتا۔

برائی کی ایک ایسی تشریح غامدی صاحب پیش کرتے ہیں جواس امت کی علمیت کے لیےاجنبی ہےاوراگراس تشریح تعریف کوتسلیم کرلیا جائے کہ منکر برائی صرف وہ ہے جسے پوری انسانیت مانتی ہےتو قرآن وسنت میں اللہ ورسول کی بتائی ہوئی برائیاں لواطت،فحش،سود، شراب،ہم جنسوں کی شادی،سورسب جائز ہوجائیں گی کیوں کہ اقوام متحدہ کے منشورحقوق انسانی اوراس کی مختلف تشریحات وتفسیرات و تعبیرات کے ذریعے ان سب کو جائز کردیا گیا ہے بلکہ تمام قوموں کومجبور کیا جارہا ہے کہ وہ ان منکرات کے راستے میں حائل تمام مذہبی، روایتی،اخلاقی،قبائلی،رواجی،سماجی،تاریخی،قوانین کوقوت سے ختم کردیں بیجنگ کانفرنس کے فیصلے پڑھ لیے جائیں اسی اصول کی بنیاد پر امریکہ کی سپریم کوٹ نے ساٹھ سال تک ہم جنس پرستوں کی شادی کوقانوناً تسلیم کرنے سے مسلسل انکارکرنے کے بعد۲۰۱۳ءمیں اس شادی کوقانونی تسلیم کرلیا۔۲۰۱۴ءمیں فرانس نےMarrige for allکے نام سے تمام اصناف سے مردعورت کی شادی کا قانون منظور کیا جس کے خلاف پیرس میں منفی دس درجہ حرارت کے باوجودلاکھوں مردعورتوں بچوں نے مظاہرہ کیامگر جمہوریت میں بس مظاہرے کی آزادی ہے وہ ساری زندگی کرتے رہیں ہوگا وہی جونظام کفرچاہتا ہے یہ نظام صرف اورصرف آزادی کے عقیدے کوممکن بناتا ہے۔

آزادی یہ ہے کہ کوئی خارجی،روایتی،مذہبی،اخلاقی،خاندانی،الہامی پابندی کسی فردکی آزادی میں رکاوٹ نہ ڈالے ہرقسم کی پابندیوں کے خاتمے کانام آزادی ہےاسی لیےآج تک مغرب آزادی کی مثبت تعریفPositive Defination of Freedom پیش نہیں کرسکا آزادی کی ہمیشہ منفی تعریف Negative Defination پیش کی جاتی ہےیعنی کس معاشرے سے کتنی پابندیوں کا خاتمہ ہوا۔ اس خاتمے سے آزادی کے دائرے میں وسعت پیدا ہوتی رہتی ہے آزادی کا دائرہ لامحدود ہےاور پابندیاں بھی لامحدود ہیں لہٰذا پابندیاں کم ہوتی جائیں تو آزادی کا دائرہ بڑھتا چلا جاتا ہے۲۰۱۳ءتک امریکہ میں کسی فوجی عورت کو بحریہ کی آبدوز (سب میرین) میں فرائض ادا کرنے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ وہاں مرد کے ساتھ عورت کوسونا پڑتا تھا۔امریکی۲۰۱۳ءتک بہت زیادہ آزادنہیں ہوئے مگر۲۰۱۳ءمیں یہ قدیم قانون تبدیل ہوگیا اب عورت آب دوز میں تنہا مرد کے ساتھ فرائض ادا کرسکتی ہےامریکہ میں اس پر بہت ہنگامہ ہوامگرآخرسب خاموش ہوگئےاس پابندی کوختم ہونے میں تین سوسال لگے۔رسوم،رواج،مذہب،اقدار،عقیدے سب آزادی کے راستے میں رکاوٹ

بنے رہے لوگ رفتہ رفتہ روشن خیال ہوئے اور نئے قانون کو قبول کرلیا اب عورت کی عزت عصمت عفت آزادی کے عقیدے کے تسلط کے بعد کسی عورت کا مسئلہ نہیں ہے یہ لایعنی سوالات ہیں اصل چیز آزادی مساوات اور ترقی ہے یہی عہد حاضر کا عقیدہ تثلیث ہے۔

<u>توہین رسالت کے مجرم کو توبہ، اصلاح کا موقع دیا جائے گا: غامدی</u>

کفر بواح کے مرتکب حکمران کو اصلاح کا موقع نہیں ملے گا: غامدی

غامدی صاحب کے فلسفہ دین کے تمام اصول متناقض Oxymoron ہیں خروج کی بحث میں برہان میں انہوں نے واضح کردیا کہ کفر بواح کے مرتکب مسلمان حکمران اپنا حق حکمرانی اور حق زندگی بھی کھو دیتا ہے اسے اصلاح اور توبہ کا اور رجوع کا موقع بھی نہیں دیا جاسکتا اسے کسی قسم کی مہلت بھی نہیں دی جاتی اس سے مکالمہ مباحثہ بھی نہیں ہوتا بس اس کے خلاف خروج بغاوت جہاد ہوتا ہے حکمران کے خلاف بس جہاد کی شرائط ہیں۔ ہجرت، نئی ریاست کا قیام، الجماعۃ کا وجود اور قتال وغیرہ [غامدی، برہان ۲۰۱۳ء ص ۲۹۹ تا ۳۰۱

لیکن توہین رسالت کے مجرم کو وہ اصلاح اور توبہ اور رجوع کے بھرپور مواقع مہیا کرتے ہیں لہٰذا مقامات میں لکھتے ہیں

ثانیاً، اس لیے کہ اقرار و اصرار کے بعد بھی مجرم قانون کی گرفت میں آنے سے پہلے توبہ اور رجوع کرلے تو قرآن کا ارشاد ہے کہ اس پر حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ توبہ کرلینے والوں کو یہ سزائیں نہیں دی جاسکتیں۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کاروائی سے پہلے انھیں توبہ و اصلاح کی دعوت دینی چاہیے اور بار بار توجہ دلانی چاہیے کہ وہ خدا اور رسول کے ماننے والے ہیں تو اپنی عاقبت برباد نہ کریں۔

ثالثاً اس لیے کہ آیت کی رو سے یہ ضروری نہیں ہے کہ انھیں قتل ہی کیا جائے۔ اس میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات تقاضا کرتے ہوں تو عدالت اسے کم تر سزا بھی دے سکتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ اس طرح کے مجرموں کو علاقہ بدر کردیا جائے۔

غامدی صاحب توہین رسالت...... کے مرتکب مجرم کو قتل سے کم تر سزا دینے کے بھی حامی ہیں مگر کفر بواح کے مرتکب حکمراں کو قتل کرنے کی اجازت دیتے ہیں قتل سے کم سزا دینے کے قائل نہیں ہیں کیا توہین رسالت کفر بواح سے کم درجے کا جرم ہے لکھتے ہیں:

اس وقت جو قانون (مراد توہین رسالت ہے) نافذ ہے ان میں سے کوئی بات بھی اس میں ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ وہ مجرد شہادت پر سزا دیتا ہے۔ اس میں انکار یا اقرار کو بھی وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کا آیت تقاضا کرتی ہے۔ سرکشی اور اصرار بھی ضروری نہیں ہے۔ دعوت و

تبلیغ اوراس کے نتیجے میں توبہ اور اصلاح کی بھی گنجایش نہیں ہے۔اس کی رو سے (مجرم ملزم کو) قتل کے سوا کوئی دوسری سزا بھی نہیں دی جاسکتی: غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۲۷۲

<u>موت کی سزا کفر بواح کے ارتکاب پر دی جاسکتی ہے: غامدی</u>

کفر و بواح کے ارتکاب پر قتل کی سزا نہیں دی جاسکتی: غامدی

غامدی صاحب کے تمام اصول ہی متناقض Oxymoron ہیں برہان میں لکھتے ہیں کہ حکمران کفر بواح کا ارتکاب کرے تو اسے قتل کیا جاسکتا ہے مگر قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ مسلم باغی حکمران تو کیا کسی کافر ومشرک کو بھی بالکل قتل نہیں کیا جاسکتا ان کے دونوں بیانات Oxymoron ہیں مقامات میں ان کا موقف پڑھیے:

قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ موت کی سزا کسی شخص کو دو ہی صورتوں میں دی جاسکتی ہے: ایک یہ کہ وہ کسی کو قتل کردے، دوسرے یہ کہ ملک میں فساد برپا کرے اور لوگوں کی جان مال اور آبر کے لیے خطرہ بن جائے۔آیت محاربہ کے مطابق ترمیم کردی جائے تو قرآن کا یہ تقاضا پورا ہو جائے گا پھر یہی نہیں قانون بڑی حد تک اس نقطۂ نظر کے قریب بھی ہو جائے گا۔جو فقہ اسلامی کے جلیل القدر امام ابوحنیفہ اور جلیل القدر محدث امام بخاری نے اختیار فرمایا ہے: غامدی مقامات ۲۰۱۴ء، ص ۲۷۳

<u>ایمان لانے کے بعد کافر ہونے والے کو قتل نہیں کیا جاسکتا: غامدی</u>

حکمران کفر بواح کا ارتکاب کرے تو اسے قتل کیا جاسکتا ہے: غامدی

برہان میں غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ کفر بواح کے ارتکاب پر حکمران کو قتل کیا جاسکتا ہے اس کے خلاف جہاد کیا جاسکتا ہے ظاہر ہے ارتکاب کفر کے باعث وہ کافر بھی ہوا اور مرتد بھی ہوا مگر مقامات میں وہ برہان کے اصول سے یکسر مختلف اور متناقض [Oxymoron] اصول پیش کرتے ہیں۔

قرآن و حدیث پر تدبر سے واضح ہو جاتا ہے کہ دور صحابہ کے بعد یہ بنیاد ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہے۔ہم نے اپنی کتابوں میزان اور برہان میں پوری طرح مبرہن کر دیا ہے کہ ارتداد کی سزا انھی لوگوں کے ساتھ خاص تھی جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

براہ راست اتمام حجت کیا اور آپ پر ایمان لانے کے بعد وہ کفر کی طرف پلٹ گئے۔ ان کے بارے میں خدا کا فیصلہ یہی تھا کہ اگر کفر پر قائم رہیں گے تو اس کی سزا بھی موت ہے اور ایمان لے آنے کے بعد دوبارہ کفر اختیار کریں گے تو اس کی سزا بھی موت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ **من بدل دینه فاقتلوه** جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کردو) انھیں سے متعلق ہے۔ ان کے لیے یہ سزا اس سنت الٰہی کے مطابق مقرر کی گئی تھی جو قرآن میں رسولوں کے براہ راست مخاطبین سے متعلق بیان ہوئی ہے۔ زمانۂ رسالت کے بعد پیدا ہونے والے مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۸۰۔ غامدی صاحب کے دونوں اصول متناقض Oxymoron ہیں۔

<u>قرآن توہین رسالت کے مرتکب کو توبہ کے بہت سے مواقع مہیا کرتا ہے: غامدی</u>

اسلام میں کفر بواح کے مرتکب حکمراں کے لیے توبہ کا کوئی موقع نہیں: غامدی

برہان میں غامدی صاحب نے کفر بواح کے مرتکب حکمراں کو توبہ رجوع اصلاح کا ایک بھی موقع مہیا نہیں کیا مگر مقامات میں توہین رسالت کے مرتکب مجرم کو اصلاح کے بے شمار مواقع قرآن کی آیات سے مہیا کردیے ہیں مقامات میں ان مواقع کی فہرست پڑھیے:

۱۔ توہین کے مرتکب کو توبہ واصلاح کی دعوت دی جائے گی اور بار بار توجہ دلائی جائے گی کہ وہ خدا اور رسول کا ماننے والا ہے تو اپنی عاقبت برباد نہ کرے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور ماننے والا نہیں ہے تو مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرے اور اس جرم شنیع سے باز آجائے۔

۲۔ اس کے خلاف مقدمہ صرف اس صورت میں قائم کیا جائے گا جب وہ توبہ اور رجوع سے انکار کردے سرکشی کے ساتھ توہین پر اصرار کرے فساد انگریزی پر اتر آئے دعوت، تبلیغ، تلقین ونصیحت اور بار بار کی تنبیہہ کے باوجود باز نہ آئے بلکہ مقابلے کے لیے کھڑا ہوجائے۔

۳۔ سزا میں گنجایش رکھی جائے گی کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات تقاضا کرتے ہوں تو قتل جیسی انتہائی سزا کے بجائے اسے کوئی کم تر سزا بھی دی جاسکتی ہے: غامدی، مقامات ۲۰۱۴ء ص ۲۸۲

عمار ناصر صاحب نے غامدی صاحب کے خروج کے فلسفے کو رد کر دیا

قرآن وسنت سے غامدی صاحب وعمار صاحب کے دو متضاد استنباط

جناب عمار ناصر صاحب کے مرشد غامدی صاحب کے خروج سے متعلق اجتہادات آپ نے پڑھ لیے اب ان کے علمی و لی عہد محترم عمار ناصر صاحب کے اجتہادات بھی پڑھ لیجیے

ا۔حضورؐ نے احادیث میں یہ تو بتایا ہے کہ حاکم وہ ہوگا جسے عوام کا اعتماد حاصل ہو اور عوام اسے حکمران دیکھنا چاہتے ہوں [یہ اصول بھی غلط ہے کیوں کہ حضرت ابو بکر کو پہلے نامزد کیا گیا بیعت بعد میں ہوئی اور ہوتی رہی لہٰذا یہ دعویٰ کہ عوام کی رائے سے حکمراں ہوگا باطل دعویٰ ہے یہی تمام خلفائے راشدین کے ساتھ ہوا نامزدگی پہلے بیعت بعد میں]

۲۔رسول نے حکمراں کو منصب سے معزول کرنے کے لیے روشنی نہیں دی [غامدی صاحب نے اس روشنی کے بغیر ہی معزولی ،خروج ، جہاد کی اجازت دے دی]

۳۔رسول اللہ نے ظالم کافر فاسق مسلم حکمران کو کمتر برائی کے اصول پر گوارا قرار دیا [یہ اصول غامدی صاحب کو معلوم نہیں ہوسکا برہان اور میزان میں وہ خروج جہاد قتال بغاوت سیاسی انقلاب کی اجازت دے رہے ہیں عمار صاحب ے منسوخ کررہے ہیں]

۴۔رسول نے کہا کسی حالت میں حکمران کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچنا [غامدی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ حکمران کفر بواح کا ارتکاب کرے جبر سے مسلط ہو تو اس کے خلاف جہاد کیا جاسکتا ہے یہ اجتہاد وہ قرآن وحدیث سے برہان ،میزان میں کررہے ہیں عمار صاحب اسی قرآن وحدیث سے اس کا انکار کررہے ہیں کیا دونوں کے قرآن وحدیث الگ الگ ہیں]۔

۵۔صحابہ کرام نے رسول اللہ کی ممانعت کے باوجود ــــــــــ ظالم حکمران کو گوارا کرنے کے حکم کے باوجود ارشاد رسول کو کوئی اہمیت نہیں دی اور احادیث رسول کے احکامات سے انحراف کرکے ظالم حکمران کے خلاف جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے حضرت حسینؓ عبداللہ ابن زبیر

زید بن علی نفس زکیہ قابل ذکر ہیں ان حضرات نے خروج کو حلال سمجھا [احادیث سے عمار صاحب نے خروج کو حرام قرار دیا صحابہ کرام نے اسے حلال سمجھا رسول کا حکم سنت حدیث قطعی الدلالہ نہیں دونوں میں احتمال موجود ہیں]

٦۔رسول کے حکم سے انحراف احادیث کے احکامات کا انکار کر کے حکمران کے خلاف صحابہ کا خروج جہاد اجتہادی رائے تھی [یعنی امت کو رسول کے حکم کے خلاف اجتہاد کی اجازت ہے جبکہ اجتہاد ماخذات دین میں نہیں ہوتا البتہ ماخذات دین کی بنیاد پر اجتہاد ہوتا ہے جدید اجتہاد کی بنیاد یہی ہے کہ ماخذات میں اجتہاد کرو]۔

٧۔ائمہ اہل سنت کا عمومی اتفاق ہے کہ غیر عادل حکمران کے خلاف خروج حرام ہے امام احمد بن حنبل کا فتویٰ یہی ہے [اجماع اہل سنت کا ہے لیکن حوالہ صرف امام احمد کا ہے] حدیث میں خروج کا حکم غیر عادل حکمران نہیں کفر بواح کے مرتکب حاکم کے خلاف جائز ہے عمار صاحب نے عیاری سے کفر بواح کو غیر عادل کی اصطلاح سے بدل دیا۔

٨۔اسلام میں دار الحرب دار الاسلام کی اصطلاحات سے واضح ہے کہ عالمی امن صرف مصلحت مجبوری پر مبنی تھا دنیا کے لیے مشترکہ آفاقی اخلاقی قانونی امن اسلام نے نہیں دیا وہ دنیا بھر کو محکوم بنانے کا مدعی رہا اور کبھی توقف کیا تو صرف مصالح کی وجہ سے دنیا کو کالونائز کرنا اسلام اپنا استحقاق سمجھتا تھا۔

مغرب کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تمام ریاستوں کے درمیان امن کو اہمیت دی اور تنازعات کو جنگ سے حل کرنے کی ممانعت کی مذہبی ذہن اس اصول سے اجنبیت محسوس کرتا ہے [امن قائم کرنے والوں نے دنیا میں سب سے زیادہ خوں ریزی کی تاریخ انسانی کی تمام جنگوں میں ہلاک ہونے والے 97% لوگ صرف مغرب کی پانچ سو سالہ جنگوں میں مارے گئے مغرب نے ہر تنازعہ جنگ سے حل کیا] عمار ناصر صاحب: خروج: ریاست وحکومت اقبال اور عصری مسائل یونیوسٹی آف گجرات میں پیش کیا گیا مقالہ ٦٥ نومبر ٢٠١٥ء انٹرنیٹ ۴ نومبر ٢٠١٦ء غامدی صاحب کا اسلام کچھ اور ہے امت کا اسلام کچھ اور ہے۔عمار ناصر کا اسلام کچھ اور ہے ان کا اسلام غامدی صاحب سے بھی بدتر ہے اور مغرب کا مکمل فکری غلام ہے۔

عمار صاحب جدید ریاست کی مابعد الطبیعات سے ناواقف ہیں محرم میں انٹرنیٹ پر انھوں نے خروج حسین پر لفاظی کی اور جمہوریت کا کمال یہ بتایا کہ اگر جمہوریت پارلیمنٹ عدالت ہوتی یہ سانحہ پیش نہ آتا تو زاہد مغل صاحب نے ان کی خطابت کا بہترین نقد کیا وہ خاموش ہو گئے کاش عمار صاحب زاہد مغل صاحب کی شاگردی اختیار کر کے جدید ریاست کی حیثیت حقیقت ماہیت اصلیت کے بارے میں کچھ حقائق دریافت کر لیں۔ اس کے بعد دانش وری کا فریضہ انجام دیں

☆